محمدن اینگلو اوریئینٹل کالج

میگزین

نمبر ۱۲	یکم تا ۱۰ دسمبر سنہ ۱۸۹۵ ع	جلد ۲

فہرست مضامین

انگریزی

اُردو

علیگڈہ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتاز الدین کے اہتمام سے چھپا

کالج میگزین

قریباً چار برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اُردو ملا ہوا - علیگڈھ کالج سے نکلنا شروع ہوا - اول اول وہ علیگڈھ اِنسٹیٹیوٹ کا ضمیمہ بن کر نکلتا رہا — لیکن سنہ ۱۸۹۴ع میں اس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی — اس کے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اُس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے — اور اِس وجہہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپی نہ تھی *

اِس خیال سے اِس کے منتظموں نے اِس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جائے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ - مسلمانوں کے علوم و فنون — تاریخ اور لٹریچر کے متعلق - مفید اور پر زور مضامین لکھے جائیں - اِس غرض سے اِس کے ۲۴ صفحے بالکل اُردو کے لیئے مخصوص کردیئے گئے - اور اِس صیغہ کا اہتمام خاص میری سپردگی میں دیا گیا میں اِس رسالہ کے ترقی دینے میں حتی الامکان کوشش کرونگا *

ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی - نواب محسن الملک - مولوی نذیر احمد — اور منشی ذکاءالله — وغیرہ بزرگوں نے اِس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہی — اور اہل قلم بھی اگر اِس کی اعانت فرمائینگے تو ہم نہایت فخر کے ساتھہ قبول کرینگے *

ہم کو اُمید ہی کہ ہندوستان کی اِسلامی جماعت خریداری سے اِس کی اشاعت میں مدد دیگی — میگزین کے کل صفحات ۴۰ ہیں اور قیمت مع محصول ڈاک - (۲) *

شبلی نعمانی — پروفیسر

مدرسۃ العلوم علیگڈھ

حقوق الذمیین

یعنے

اسلام میں غیر مذہب والوں کے حقوق

دنیا کے عجیب سے عجیب واقعات کی اگر ایک فہرست تیار کی جائے تو یہ واقعہ ضرور اسمیں درج کرنے کے قابل ہوگا کہ مسلمانوں کے متعلق اگرچہ یورپ کی واقفیت کے ذریعے نہایت وسیع ہوگئے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں۔ اسلامی آبادیوں کا بہت بڑا حصہ اُسکے قبضہ میں آگیا ہے۔ سیکڑوں عربی داں علما پیدا ہوگئے ہیں۔ عربی تصنیفات کثرت سے یورپین زبانوں میں ترجمہ ہوتی جاتی ہیں مسلمانوں کے نہایت نایاب تاریخی ذخیرے اصلی زبان میں شایع ہوتے جاتے ہیں۔ اورینٹل کانفرنس نے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملا دیا ہے تاہم غلط معلومات کا بادل جو آج سے کئی سو برس پہلے یورپ کے اُفق پر چھایا تھا ابتک نہیں ہٹا بہت سے بہت یہ ہوا ہے کہ وہ کسیقدر ہلکا ہوگیا ہے لیکن فضا میں اب بھی اسقدر تاریکی ہے کہ اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا (ہات کو ہات دکھائی نہیں دیتا) یہ غلط معلومات اول اول مذہبی رستے سے آئے تھے اور چونکہ یورپ میں مذہب کا زور خود گھٹ گیا ہے اس لیے مذہبی حیثیت کے لحاظ سے اب انکا اثر بھی چنداں قوی نہیں رہا۔ تاہم جب کبھی پولیٹکل ہوا چلتی ہے تو یہ دبی چنگاریاں اسقدر جلد بھڑک اُٹھتی ہیں کہ تمام یورپ میں ایک آگ سی لگ جاتی ہے۔

آرمینا کے جھگڑے میں ترکوں پر جو شتبہ الزامات لگائے گئے ابھی اسکی تحقیق بھی نہیں شروع ہوئی تھی کہ یورپ کے اہل قلم نے دنیا میں غلغلہ ڈالدیا کہ خود مسلمانوں کے مذہب میں عیسائی رعایا سے ایسا سلوک کرنا جائز بلکہ ضروری قرار دیا گیا ہے اور اسوجہ سے یہ یقین کرنا کہ ترکوں نے وہ تمام ظالمانہ کارروائیاں کی ہوں گی گویا اس بات کا یقین کرنا ہے کہ ترک اپنے مذہب کے پابند ہیں اور پورے پابند ہیں۔

اسی سلسلہ میں ٹائمس کے پرچے مورخہ ۲ جنوری ۱۸۹۵ء میں پادری ملکم مکال نے بڑے دعوی کے ساتھ ایک آرٹکل لکھا جسمیں یہ ثابت کرنا چاہا کہ "مذہب اسلام عیسائیوں کے حق میں نہایت سخت ظالمانہ قانون ہے۔ اور اسلامی حکومتوں میں ہمیشہ اس قانون پر عمل درآمد رہا ہے" دلی کی شرریوں نے اس آرٹکل کا ترجمہ چھاپکر شائع کیا اور دیباچہ میں یہ تمہید لکھی کہ یہ آرٹکل اسقدر مدلل اور پرزور ہے کہ خود ٹائمس کے اُس مسلمان مضمون نگار نے جو مذہب اسلام کی حمایت میں مضامین کا سلسلہ لکھ رہا تھا۔ اس آرٹکل کے بعد بالکل بند ہوگیا اور کچھ جواب نہ دیسکا۔ آج کل کے مصنفین اسلام نے یورپ کی بہت سی غلط فہمیوں کو دور کیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے اس عظیم الشان مسئلہ پر توجہ نہیں کی۔ کتب خانہ اسکندریہ۔ عورتوں کے حقوق۔ جزیہ۔ یہ سب جزئی مباحث ہیں۔ لیکن ذمیوں کے حقوق کا مسئلہ ایسا مہتم بالشان اور وسیع ہے کہ اگر اسکا قطعی فیصلہ کردیا جائے تو یورپ کی غلط فہمیوں کا سارا طلسم ٹوٹ جائیگا۔ میں یہ مضمون اسی خیال سے لکھتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ بھی اُسی طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا جسطرح اس سے پہلے کتب خانہ اسکندریہ والجزیہ کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوچکی ہے۔

اس رسالہ کا موضوع جسپر بحث کا تمام سلسلہ قایم ہے یہ ہے کہ اسلام میں ذمیوں کے کیا حقوق ہیں؟ یہ جملہ تین لفظوں پر مشتمل ہے۔ اسلام۔ ذمی۔ حقوق۔ اسلام سے ہماری مراد قرآن یا وہ احادیث نبوی ہیں جن کی صحت اصول حدیث کی رو سے ثابت

ہو چکی ہے۔ ذمی۔ اُن رعایا کو کہتے ہیں جو اسلامی حکومت میں آباد ہوں اور جنکا مذہب اسلام نہو۔ لفظ حقوق کی تفسیر کی ضرورت نہیں۔ موضوع کے جو الفاظ ہیں اگرچہ انکی تشریح یہی ہے جو ہم نے کی۔ لیکن ہمارا دعوی اُس سے زیادہ وسیع ہے جو موضوع سے مفہوم ہوتا ہے یعنی جسطرح ہمارا یہ دعوی ہے کہ مذہب اسلام نے ذمیوں کے حقوق نہایت فیاضی سے قائم کیے۔ اسی طرح ہمارا یہ بھی دعوی ہے کہ یہ صرف تحریری قانون نہ تھا بلکہ تیرہ سو برس کی وسیع مدت میں من حیث الاغلب طریق عمل بھی اسی کے مطابق رہا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں یعنی آغاز نبوت سے فتح مکہ تک جو سنہ میں واقع ہوئے لڑائیوں کا ایک ایسا متصل سلسلہ قائم رہا جس کی وجہ سے یہ موقع ہی نہیں نصیب ہوا کہ اسلام کو حکومت اور سلطنت کی حیثیت حاصل ہوتی اور رعایا کے ساتھ سلطنت کو جو تعلقات ہونے چاہئیں اُس کے متعلق قانون اور قاعدے منضبط ہوتے۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی سے اسباب میں جن احکام کا پتہ لگتا ہے وہ خاص مسلمانوں سے متعلق ہیں یعنے غیر مذہب والوں سے انکو واسطہ نہیں۔ اسوقت تک غیر مذہب والوں سے جو تعلقات پیدا ہوئے تھے وہ اسیقدر تھے کہ کسی قوم سے کچھ معاہدہ ہو گیا۔ کسی سے چند شرائط کے ساتھ صلح ہو گئی۔ مختصر یہ کہ اسوقت تک غیر مذہب والے اسلام کی رعایا نہیں کہلاتے تھے۔ خیبر کی آبادی فتح ہو کر بھی صرف اسی قدر ہوا کہ یہودیوں سے بٹائی پر معاملہ ہو گیا اور زمین اُن کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی۔ فتح مکہ کے بعد یمن۔ بحرین۔ عمان۔ عدن۔ وغیرہ فتح ہوئے ان اضلاع میں کثرت سے دوسری قومیں یعنی۔ یہود۔ عیسائی۔ پارسی آباد تھے چونکہ اسوقت امن و امان قائم ہو چکا تھا۔ اور اسلام کو پوری قوت حاصل ہو چکی تھی۔ اسلام نے صاف صاف انکو رعایا کے لقب سے پکارا اور خود انکو بھی اس لقب سے عار نہیں رہا۔ لیکن ان کے متعلق کسی قسم کے

مجموعہ احکام نافذ ہونے کے بجائے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا کہ اُنپر جزیہ مقرر کیا گیا اور اس کے معاوضہ میں انکو چند حقوق دیئے گئے۔ سب سے پہلے[1] آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تقریباً ۸ھ میں نجران کے عیسائیوں پر جزیہ مقرر ہوا۔ ان کے بعد آیلہ۔ اذرح۔ اذرعات وغیرہ وغیرہ پر بھی جزیہ لگایا گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ اسوقت تمدن سلطنت کا آغاز تھا اور اسوجہ سے تاریخوں میں مسلمان یا ذمی رعایا کے حقوق کی تفصیل نہیں مل سکتی۔ تاہم اس معاملہ کے متعلق جسقدر سرمایہ مل سکے اُسکو نہایت تلاش سے مہیا کرنا چاہیئے کیونکہ گو وہ مختصر اور سادہ ہوں لیکن اُن سے حقوق الذمیین کے قانون کے اُصول معلوم ہوتے ہیں اور اسکا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ زمانۂ مابعد میں ذمیوں کے متعلق جو مفصل قانون بنایا اُسکا مایہ خمیر کیا تھا؟

فتوح البلدان[1] صفحہ ۶۸

بانیٔ اسلام یعنی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے[1] جن قوموں پر جزیہ لگایا اُنکو تحریر کے ذریعے سے مفصل ذیل حقوق دیئے۔

فتوح البلدان[1] صفحہ ۵۹

(۱) کوئی دشمن ان پر حملہ کریگا تو ان کی طرف سے مدافعت کیجائیگی۔ (رسول اللہ کے خاص الفاظ یہ ہیں۔ یمنعوا۔[1])

(۲) انکو ان کے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائیگا۔ خاص الفاظ یہ ہیں لا یفتنوا عن دینہم[1]

(۳) جزیہ جو لنے لیا جائیگا اس کے لیئے انکو محصل کے پاس خود جانا نہیں پڑیگا۔

فتوح البلدان[2] صفحہ ۶۴

(۴) ان کی جان محفوظ رہیگی۔

(۵) انکا مال محفوظ رہیگا۔

(۶) ان کے قافلے اور کارواں (یعنی تجارت) محفوظ رہینگے۔

(۷) ان کی زمین محفوظ رہیگی۔

(۸) تمام چیزیں جو ان کے قبضہ میں تھیں بحال رہینگی۔

(۹) پادری۔ رہبان۔ گرجوں کے پجاری اپنے عہدوں سے برطرف نہیں کیئے جائینگے۔

(۱۰) صلیبوں اور صورتوں کو نقصان نہیں پہنچایا جائیگا۔

(۱۱) اُنسے عشر نہیں لیا جائیگا۔ (۱۲) ان کے ملک میں فوج نہ بھیجی جائیگی۔

(۱۳) پہلے سے انکا جو کچھ مذہب اور عقیدہ تھا بدلا نہیں جائیگا۔

(۱۴) انکا کوئی حق جو انکو پہلے سے حاصل تھا زائل نہیں ہوگا

(۱۵) جو لوگ اسوقت حاضر نہیں ہیں یہ احکام اُنکو بھی شامل ہوں گے۔

پہلے اور دوسری دفعہ کے سوا باقی تمام حقوق جس معاہدہ سے قائم ہوتے ہیں وہ ذیل میں بعینہٖ منقول ہیں۔

ولنجران وحاشیتها جوار الله وذمة محمد النبی رسول الله علی انفسهم وملتهم وارضهم واموالهم وغائبهم وشاهدهم وعیرهم وبعثهم وامثلتهم لا یغیر ما کانوا علیه ولا یغیر حق من حقوقهم وامثلتهم لا یفتن اسقف من اسقفیته ولا راهب من رهبانیته ولا واقه من وفاهیته علی ما تحت ایدیهم من قلیل او کثیر ولیس علیهم رهق ولا دم جاهلیة ولا یحشرون ولا یعشرون ولا یطأ ارضهم جیش الخ۔[۵]

فتوح البلدان صفحہ ۶۵

ذمیوں کے متعلق اسلام کا جو اصلی قانون ہے وہ اس سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ اسلام صرف ان مسائل اور احکام کا نام ہے جو قرآن مجید یا احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں۔ اسکے سوا جو کچھ ہے گو بہتے قوم میں اور ملک میں کوئی اعتبار حاصل کر لیا ہو۔ لیکن وہ اسلام کا اصلی قانون نہیں ہے۔

ذمیوں کے حقوق کے متعلق اگرچہ مختصر قواعد ہیں اور اسلام کو ابتدائی زمانہ میں غیر قوموں کے ساتھ جسقدر کم تعلق پیدا ہوا تھا اُس کے لحاظ سے اُس سے زیادہ ضرورت

بھی نہ تھی۔ تاہم انہیں قواعد میں نہایت تہم بالشان امور کا ماخذ موجود ہے اور حقیقت یہ ہے

کہ ذمیوں کے حقوق کے متعلق گو کتنا ہی مفصل مجموعہ قوانین بنایا جاوے۔ لیکن اُنکی جزئیات

ان اُصول سے باہر نہیں جا سکتیں

اب ہم نہایت تفصیل کے ساتھ بتانا چاہتے ہیں کہ زمانہ مابعد میں جبکہ غیر قوموں سے

نہایت وسیع اور قوی تعلقات قائم ہو گئے۔ ذمیوں کے ساتھ اسلامی حکومتوں کا طرز عمل کیا رہا

سب سے زیادہ جس زمانے کے واقعات اس بحث کے تصفیہ کے لئے کام آسکتے ہیں وہ **خلافت**

فاروقی کے واقعات ہیں انکی خلافت کا زمانہ ایک ممتد زمانہ ہے اول اول انہیں کے وقت میں

غیر قوموں کے ساتھ سلطنت و رعیت کے تعلقات قائم ہوئے انکی نسبت مخالفوں نے کہا

ہے کہ وہ غیر مذہب والوں کے ساتھ سختی سے برتاؤ کرتے تھے۔ ان کے عہد میں رعایا کے جسقدر

حقوق قائم ہو سکتے ہیں ہو چکے تھے اور ہر ایک حق کی نسبت صاف صاف فیصلہ کر دیا گیا تھا

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُنکی حکومت اسلامی حکومت کی اصلی تصویر خیال کیجاتی ہے۔

حقوق میں سب سے مقدم قصاص کا حق ہے یعنی یہ کہ قتل و خون کے معاملہ میں فاتح

اور مفتوح کے حقوق برابر سمجھیں جائیں۔ آج جن ملکوں میں تمدن اور تہذیب کی حکومت ہے

انکا یہ دعوی ہے کہ اُنہوں نے اس مساوات کو قائم رکھا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ الفاظ کے ذریعہ

سے یا عمل کے ذریعہ سے؟ میں اسکا فیصلہ اُن لوگوں پر چھوڑتا ہوں جو رات دن اپنی آنکھوں سے

اسکی مثالیں دیکھتے رہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں دیکھو اسلام نے کیا کیا؟

قبیلہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا تھا حضرت

عمر کو اس کی اطلاع دی گئی اُنہوں نے لکھ بھیجا کہ قاتل، مقتول کے وارثوں کو حوالہ کر دیا

جائے، چنانچہ قاتل، حنین نام ایک شخص کو جو مقتول کے وارثوں میں تھا سپرد کر دیا گیا اور اُس نے

اُسکو قتل کر دیا[۱]، جہاں تک ہمکو معلوم ہے حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل سے کسی زمانے میں اختلاف نہیں کیا گیا۔ بلکہ حضرت علی علیہ السلام نے صاف صاف لفظوں میں فرمایا کہ من کان له ذمتنا فدمه کدمنا ودیته کدیتنا یعنی "جو لوگ ذمّی ہو چکے اُنکا خون ہمارا خون ہے اور اُنکا خون بہا ہمارا خون بہا ہے" حضرت علی علیہ السلام کو یہ موقع خود بھی پیش آیا اور اُنہوں نے صاف حکم دیدیا کہ قاتل جو مسلمان تھا قتل کر دیا جائے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ جب مقتول کے وارثوں نے آکر عرض کیا کہ ہمنے خون معاف کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ تجھ پر کچھ دباؤ تو نہیں ڈالا گیا[۲]

عمر بن عبدالعزیز، جنکو دوسرا عمرؓ کہا جاتا ہے ان کے عہد میں بھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا اور انہوں نے بھی یہی حکم دیا کہ قاتل مقتول کے وارثوں کے حوالہ کر دیا جائے۔ چنانچہ وارثوں نے اُسکو بے تکلف قتل کر دیا[۳]۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ولید بن عقبہ جو صحابی تھے کوفہ کے گورنر تھے ایک دفعہ ایک یہودی نے ان کے سامنے شعبدہ بازی کی تماشے دکھائے، اسوقت اور بہت سے تماشائی موجود تھے انمیں جندب بن کعب ازدی بھی تھے جو بڑے مشہور تابعی ہیں اور صحیح ترمذی میں ان کی روایتیں منقول ہیں، وہ ان شعبدوں کو شیطان کا اثر سمجھے اور یہودی کو قتل کر دیا، ولید نے اُسی وقت انکو گرفتار کر لیا۔ اور یہودی کے قصاص میں قتل کر دینا چاہا۔ لیکن چونکہ وہ بڑے جتھے کے آدمی تھے اُن کے قبیلہ والے اُن کی حمایت کو کھڑے ہو گئے، ولید نے اسوقت دفع الوقتی کے لیئے انکو قید خانہ بھیجدیا اور ارادہ کیا کہ موقع پاکر قتل کر دینگے داروغہ جیل کو اُن پر رحم آیا اور کہا کہ تم چپکے سے بھاگ جاؤ۔ اُنہوں نے کہا کیوں؟ کیا درحقیقت

---

[۱] زیلعی تخریج ہدایہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۳۳۸ و ۳۳۹ ـــ . . . . . .

[۲] زیلعی صفحہ ۳۳۹ [۳] زیلعی صفحات مذکورہ بالا۔

میں قتل کر دیا جاؤنگا؟ داروغہ نے کہا خدا کی خوشنودی کے لیئے تمہارا قتل کر دینا کچھ بڑی بات نہیں" غرض وہ بھاگ گئے، صبح کو ولید نے جندب کو قصاص کے لیئے طلب کیا، داروغہ نے کہا کہ وہ تو چھپکر بھاگ گیا، ولید نے اُسکے بدلے داروغہ کی گردن مار دی[1]، ہمکو اس امر پر بحث نہیں کہ داروغہ جیل کا قتل کر دینا جائز تھا یا نہیں بلکہ یہ دکھانا منظور ہے کہ باوجودیکہ جندب بڑے رتبے کے آدمی تھے اور یہودی ایک معمولی تماشا گر تھا تاہم ولید کو ایک حکم شرعی کی تعمیل کے لحاظ سے جندب کے قتل کر دینے میں کچھ تامل نہ ہوا۔

اسی سلسلہ میں حضرت عمر فاروق کی شہادت کا واقعہ بھی سننے کے قابل ہے، حضرت عمر کے قاتل کا نام فیروز تھا جو مجوسی النسل تھا اور عیسائی مذہب رکھتا تھا حضرت عمر کے بڑے بیٹے عبیداللہ سے لوگوں نے بیان کیا کہ اور لوگ بھی اس سازش میں شریک تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر کے بیٹے عبدالرحمن نے چشم دید واقعہ بیان کیا، عبیداللہ تلوار ہاتھ میں لیکر نکلے۔ اور فیروز کے بیٹے اور جفینہ و ہرمزان کو جن پر سازش کا شبہ تھا قتل کر دیا۔ انمیں سے ہرمزان مسلمان ہو گیا تھا باقی عیسائی تھے، عبیداللہ اُسیوقت گرفتار کر لیے گئے، اور حضرت عثمان جب مسند خلافت پر بیٹھے تو پہلا مسئلہ یہی پیش کیا گیا کہ عبیداللہ کی نسبت کیا کرنا چاہیئے، حضرت عثمان نے صحابہ کو بلا کر رائے طلب کی، تمام مہاجرین یعنی ان بزرگوں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وطن چھوڑ کر چلے گئے تھے اور تمام صحابہ کی بہ نسبت افضل سمجھے جاتے تھے یکزبان ہو کر کہا کہ عبیداللہ کو قتل کر دینا چاہیئے[2]۔ حضرت علی علیہ السلام بھی اس مجمع میں موجود تھے اور اُنہوں نے بھی یہی رائے دی۔ اگرچہ حضرت عثمان بعض مصلحتوں کی وجہ سے اس فیصلہ کی تعمیل نہ کر سکے اور (جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے) حضرت عثمان کی خلافت کی یہ پہلی

---

[1] مسعودی ذکر خلافت عثمانؓ کتاب الاوائل میں بھی اس واقعہ کو کسیقدر اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے ۱۲

کمزوری تھی تاہم اُنہوں نے تینوں مقتولوں کے بدلے بیت المال سے خون بہا دلایا شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ لوگوں نے عبیداللہ کا قتل کیا جانا جو تجویز کیا تھا وہ ہرمزان کے قصاص میں تھا اور ہرمزان مسلمان ہوچکا تھا لیکن یہ خیال صحیح نہیں، اولاً تو روایتوں میں اس قسم کی تخصیص کا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے تینوں کا جو خون بہا دلایا اس میں کسی قسم کی تفریق نہیں کی ہمکو جہاں تک معلوم ہے اسلام کی تمام تاریخ میں اسکے خلاف کوئی مثال نہیں ہے۔ بعض مسلمان مورخوں نے لکھا ہے کہ ہرون الرشید کے زمانے میں ایک مسلمان نے کسی ذمی کو مار ڈالا۔ قصاص میں مسلمان ماخوذ ہوا لیکن کسی خاص وجہ سے ہرون الرشید کو اُس کی رعایت منظور تھی اور اس لیئے اُس نے چاہا کہ وہ قتل سے بچ جائے، چنانچہ قاضی ابویوسف صاحب کو بلاکر اس کی تدبیر پوچھی، قاضی صاحب نے فرمایا کہ شہادت سے یہ ثابت نہیں کہ وہ مارے جانے کے وقت قانوناً ذمی تھا۔ اگرچہ ہمارے نزدیک یہ واقعہ ثابت نہیں تاہم اگر اسکو صحیح مان لیا جائے تب بھی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ذمی کے قصاص میں مسلمان کو قتل سے بچانا ایک ایسا عظیم واقعہ تھا جسکے حیلہ پیدا کرنے کے لیئے قاضی ابویوسف جیسے شخص کی ضرورت پڑی اور وہ بھی اس کے سوا کچھ حیلہ نہ بتا سکے کہ اسکا ذمی ہونا مشتبہ ٹھیرائیں۔

مال اور جائداد کے حقوق جنکو انگریزی میں رائٹ آف پراپرٹی اور رایٹ آف لینڈ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان میں بھی مسلمان اور ذمی برابر درجہ رکھتے تھے۔ ذمیوں کے قبضہ میں جسقدر زمینیں تھیں، اسلام کے بعد عموماً بحال رکھی گئیں۔ یہاں تک کہ اگر خلیفہ وقت یا بادشاہ کو مسجد یا کسی اور عمارت کی غرض سے زمین لینے کی ضرورت ہوتی تھی تو معاوضہ دیکر لی جاتی تھی۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک شخص نے دجلہ کے کنارے گھوڑوں کے پالنے کیلئے ایک چراگاہ بنانی چاہی آپ نے ابوموسیٰ اشعری کو جو بصرہ کے گورنر تھے لکھ بھیجا کہ اگروہ زمین ذمیوں کی نہو اور اُسمیں ذمیوں کی نہروں اور کنووں کا پانی نہ آتا ہو تو سائل کو زمین دیدیجائے[1]" خلیفہ منصور عباسی نے جب بغداد کو دارالخلافت بنانا چاہا تو آس پاس کی قومیں جو وہاں کی زمیندار تھیں اُن سے قیمت دیکر زمین مول لی[2] صرة میں قدیم زمانہ کے محل اور ایوان تھے جو اسلام کے زمانے میں ویران ہوچکے تھے حضرت عمرؓ کے عہد میں کوفہ میں جو جامع مسجد بنی اسمیں کچھ ملبہ وہاں کے مکانات سے آیا تھا اگرچہ انکا کوئی قانونی وارث نہ تھا تاہم چونکہ ذمیوں کی زمین میں تھا اس لئے ذمیونکو ان کی قیمت ان کے جزیہ میں مجرا دی گئی[3]۔ اس کے سوا سیکڑوں واقعات ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ذمیوں کے مال اور جائداد سے کبھی تعرض نہیں کیا گیا" باقی آیندہ۔ شبلی نعمانی

مارہرہ اسکول کی پہلی سالگرہ

مارہرہ اسکول کی پہلی سالگرہ ۱۶- نومبر کو ہوئی- مسٹر بیک پرنسپل مدرسۃ العلوم ۱۵- نومبر کو مارہرہ تشریف لے گئے- جناب ممدوح نے اُسی روز اسکول کا معائنہ کیا اور طلبا کی لیاقت اور ماسٹروں کی طرز تعلیم کا امتحان لیا- شام کو مینجنگ کمیٹی کا جلسہ قرار پایا جسمیں بہت سے امور متعلق مدرسہ طے ہوئے- منجملہ تمام رزولیوشنوں کے ایک رزولیشن جو کہ بابت فیس مدرسہ ہے بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے- اسوقت تک طلبا سے کسی قسم کی فیس نہیں لیجاتی تھی مگر اب یہ قرار پایا ہے کہ اُن طلبا سے جن کے والدین مدرسہ میں

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۳- [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۹۵- [3] فتوح البلدان صفحہ ۲۸۶-

کسی قسم کی امداد نہیں کرتے آٹھ آنے سے لیکر چار آنے تک فیس لی جایا کرے۔

۱۶۔ نومبر کو ۱۰ بجے دن کے مدرسہ کی سالگرہ کا جلسہ ہوا جس کے میر مجلس مسٹر لایل کلکٹر اور مجسٹریٹ ایٹہ تھے۔ اس جلسہ میں اکثر بزرگان مارہرہ نے فصیح و بلیغ تقریریں کیں مولا بخش طالب علم مدرستہ العلوم نے ایک نظم مصنفہ خود پڑھی۔ اس موقع پر مدرسہ کی مالی حالت کا اظہار کرنا جیسا کہ سکرٹری نے اپنی رپورٹ میں بیان کیا ضروری معلوم ہوتا ہے اسوقت خرچ مدرسہ کا للعہ ماہوار ہے اور چندہ کی آمدنی عـہ ماہانہ۔ علاوہ اس چندہ ماہواری کے کچھ روپیہ بطور امداد کے بھی فراہم کیا گیا ہے بغرضیکہ کل آمدنی میں سے اخراجات علیحدہ کرنے کے بعد اسوقت مدرسہ کا سرمایہ لوعـہ روپیہ ہے امید ہے کہ سال آیندہ میں فیس کی آمدنی کی وجہ سے اس سرمایہ میں اور ترقی ہوگی۔

اس جلسہ میں جناب پرنسپل صاحب نے ایک تقریر بزبان اُردو کی کہ فی الحقیقت نہایت ہی قابل قدر ہے وہ اسپیچ میگزین کے اسی پرچہ میں شائع کی جاتی ہے

جناب پرنسپل صاحب کے اسوقت مارہرہ تشریف لیجانے سے دو بڑے فائدے مدرسہ کو ہوئے۔ اول میونسپلٹی سے امداد کی منظوری۔ دوم عربی تعلیم کا عمدہ انتظام۔ جناب کلکٹر صاحب نے حسب تحریک جناب پرنسپل صاحب کمیٹی میں منظور کرا دیا ہے کہ ہمیشہ میونسپلٹی مدرسہ کی مدد بقدر تہائی تعداد چندہ کیا کرے اور جسکو کہ ہم مدرسہ کے استحکام کی دوسری سیڑہی سمجھتے ہیں۔

عربی تعلیم کا گو پورا پورا عمل درآمد ابھی نہیں ہوا مگر ممبران درگاہ نے جناب پرنسپل صاحب اور جناب کلکٹر صاحب کے روبرو اپنی رضامندی ظاہر کردی ہے اور وعدہ فرمالیا ہے کہ اگر معلم درگاہ اسکول میں جا کر پڑھایا کرے تو ہم کسی طرح سے معترض نہیں ہوں گے۔ ممبران کی

منظوری سے اب کارروائی مین کسی قسم کا ڈر نہین ہے ہمکو اس بات کے بیان کرنے سے خوشی ہوتی ہے کہ سید برکات حسن صاحب ممبر درگاہ نے بھی اپنی مخالفت بالکل چھوڑ دی ہے اور کلکٹر صاحب کے سامنے اسکا اظہار کر دیا ہے۔

ہم مجملاً مدرسہ کی اندرونی ترقی کو بھی بیان کرتے ہیں جو کہ نظیر حسین فاروقی ہیڈ ماسٹر مارہرہ اسکول کی کوششوں کا نتیجہ ہے اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے کالج کی مختلف سوسائٹیوں کا اثر ایک طالب علم پر کسقدر ہوتا ہے۔ اس مدرسے کے متعلق ایک کلب ہے جس میں کہ متعدد اخبار آتے ہیں۔ ہر ہفتہ نیز طلبا ایک مضمون پر مباحثہ کرتے ہیں اور اکثر پبلک ریڈنگ بھی ہوا کرتی ہے۔ اس بات کا انتظام بھی بہت جلد ہونیوالا ہے کہ ذی علم رؤسا مارہرہ کم از کم مہینے میں ایک مرتبہ اخلاق اور دیگر مضامین پر لکچر دیا کریں جیسا کہ ہمارے کالج میں ہوتا ہے علاوہ اس کے ورزش جسمانی کا بھی پورا پورا انتظام ہے بڑی جماعتوں کے طلبا کے واسطے قواعد لازمی ہے۔ ۱۶۔ نومبر کو اسکول کے سالانہ اتھلیٹک اسپورٹس ہوئے جسمیں کہ بہت سے طلبا شامل تھے۔ یہ کالج اسپورٹس کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھا۔"

مسلمانوں کا فارس کو فتح کرنا۔ اور وہ اسباب جنسے اس فتح میں آسانی ہوئی

موجودہ تاریخی لٹریچر کا بڑا تعجب انگیز رجحان آج کل اس طرف ہے کہ ہر چیز کی اصل اور ابتدا کی تاریخ لکھنے پر بہت توجہ کی جاتی ہے۔ مثلاً تہذیب۔ تمدن۔ تجارت وغیرہ کی ابتدا کی تاریخیں موجود ہیں بلکہ در اصل ہر ایک مضمون کو جسے علم تاریخ سے کچھ بھی تعلق ہو ہمارے زمانے کے مورخ اس کی بہت ابتدائی کیفیت اور بتدریج نشو و نما پانے کی حالت

میں دکھاتے ہیں۔"

تاریخ کو جو ایک فن قرار دیا گیا ہے۔ اسکا صرف یہی باعث ہے۔ کہ قوموں کی تاریخی واقعات دریافت کرنے میں اُن کی ابتدائی حالت پر غور کیا جاتا ہے۔ اور اس طریقے پر تحقیقات کرنے سے کئی ملکوں کی تاریخ اب زندہ ہو گئی ہے۔ جو پہلے صرف چند پریشان حالات کا مجموعہ ہونے سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے۔ اور جن میں بسبب عدم تسلسل واقعات اور بظاہر دقیق عام فہم نہ ہونے کے باعث کچھ دلچسپی نہ تھی۔ آج کل کے مورخ ہمارے سامنے تسلسل واقعات ڈھونڈ ڈھونڈ کر پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہر ایک تاریخی امر ان واقعات کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ جو اس امر سے پیشتر ہوئے ہوں۔ بلکہ گذشتہ واقعات پر نظر ڈالنے سے اس طریقہ سے کسی ملک یا قوم کی تاریخ ہمارے سامنے باقاعدہ صورت میں لا کر رکھی جاتی ہے۔ اس کے مختلف اجزا علت و معلول اور صلہ و موصول کے ربط سے آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ بدیں وجوہ کوئی امر خلاف قاعدہ اور بے ربط نہیں معلوم ہوتا۔ ہر نیا واقعہ اور ہر ایک نئی ترقی کسی قوم کی تاریخ میں اُن واقعات کا بین نتیجہ سمجھی جا سکتی ہے جو پیشتر سے اسمیں موجود ہوں اور اس لیئے اس تاریخ میں وہ دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو معمولی طور سے تمام واقعات کے پڑھ جانے سے کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی۔

میں اسی طریقے (یعنے ابتدائے حالات کے تحقیق کرنے کے طریقے) کو اہل عرب کے ابتدائی فتوحات کو بیان میں جاری کرونگا اور آپ صاحبوں کے سامنے اُن حالات کو پیش کرونگا۔ جنسے یہ فتوحات ممکن ہو گئیں۔ کیونکہ اسلام لانے کے بعد عرب کے فرقوں نے جو حیرت انگیز غیر ملکوں پر حملے کیئے وہ دنیا کی عام تاریخ سے اسی طرح کا گہرا ربط اور تعلق

رکھتے ہیں۔ جیسا کہ کوئی اور عظیم الشان واقعہ۔ اور اس امر کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ ہم عرب کی فوجوں کے بہادرانہ کارناموں اور فتوحات پر توجہ کریں اور صرف اتنا سمجھ لیں کہ روم اور فارس کے باشندے وہ لوگ تھے جنکو مسلمانوں نے آسانی سے فتح کر لیا۔ یہ کہنا تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے۔ کہ جب مسلمان فتح کرنے کی غرض سے اپنے ملک سے باہر نکلے۔ تو ان کے لئے فتح کرنے کے واسطے کوئی نہ کوئی ملک ضرور درکار تھا۔ اور بحسن اتفاق وہ ملک جو مسلمانوں نے فتح کئے۔ اُن قوموں کے زیر حکومت تھے جو رومی اور فارسی کہلائی جاتی تھیں!۔ یہ بات تو بظاہر یکطرفہ ڈگری کی طرح سے ہے کیونکہ جب بعض حالات ایسے موجود ہیں۔ جنسے فاتحوں کی کامیابی ممکن ہوئی۔ اور اسباب ایسے بھی ہیں جو مفتوح قوموں کی شکست کا باعث ہوئے۔ یہ بیشک بجا ہے۔ کہ ان وجوہات پر غور کریں جو مسلمانوں کی کامیابی کا سبب تھے۔ مثلاً عربوں میں مذہبی جوش کا ہونا۔ یکدلی اور اتفاق کی مضبوط بندش۔ دین اسلام کی برکت (جسنے ان کے غیر متفق فرقوں کو ملا کر ایک کر دیا تھا۔ جو اسوقت تک ایک دوسرے کے برباد کرنے پر متوجہ رہتے تھے۔ اور ہمیشہ کے حاسدانہ جھگڑوں اور خونریزیوں کے سبب سے تباہ ہو گئے تھے۔) سب کے دلوں میں مذہبی ایمان کا ہونا۔ جسنے اخوت اور اتفاق کا مضبوط رابطہ قائم کر دیا تھا۔ اور جس سے انکے بازوؤں میں غیر ممکن التسخیر قوت پیدا ہو گئی تھی۔ خدائے تعالے کے وعدہ پر پکا بھروسہ کرنا۔ صدق دل سے جنت ملنے کی آرزو جس نے اُن کے تمام خوف۔ دقتیں اور تکلیفیں دور کر دی تھیں۔ ان تمام امور اور اسی قسم کی بہت سی باتوں کا ذکر ہم تفصیل کے ساتھ کریں گے۔ لیکن جس طرح اسلام کے اور مورخوں نے کیا ہے۔ ہمیں صرف اسیقدر بحث پر قناعت نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ ہمکو ساتھ کے ساتھ مخالفین اسلام کے سوشل اور پولٹکل حالات پر غور کرنا

چاہیئے اور معلوم کرنا چاہیئے کہ وہ کمزوری کے اسباب کیا تھے۔ جن کے باعث اُس زمانے کی سب سے زیادہ شائستہ قوموں (یعنے روم اور فارس) کی فوجیں عرب کے غیر تربیت یافتہ قبیلوں سے شکست کھا گئیں۔

میں اپنے پہلے لیکچر میں صرف پچھلے امر یعنے مخالفین اسلام کے حالات کا ذکر کرونگا۔ میں آپ صاحبوں کو صرف یہ بتانا نہیں چاہتا۔ کہ مسلمانوں نے شام۔ فلسطین۔ مصر۔ شمالی افریقہ۔ وغیرہ صوبجات سلطنت روم اور تمام سلطنت فارس کو فتح کر لیا تھا بلکہ یہ امر بھی جتاؤنگا کہ وہ کن وجوہ سے ان فتوحات کو بآسانی حاصل کر سکے۔ ان فتوحات کے حیرت انگیز طور سے یکے بعد دیگرے جلد جلد حاصل ہونے کے کیا اسباب قرار دیئے جا سکتے ہیں اور کن وجوہات سے مسلمانوں کی حکومت ان مفتوحہ ملکوں میں استحکام کے ساتھ قائم ہو گئی؛

ہمکو کوشش کر کے معلوم کرنا چاہیئے کہ عربوں کی فتوحات سے ذرا پہلے یعنی ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں مہذب دنیا کی حالت کیا تھی؟ اُسوقت ہمکو صرف دو عظیم الشان طاقتیں نظر آتی ہیں یعنی فارس اور روم۔ جنھوں نے تمام تہذیب یافتہ ملکوں پر اپنا قبضہ اقتدار جما رکھا تھا۔ اس حالت کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیئے کسی قدر جغرافیہ جاننا ضروری ہے۔ اس لیئے ضرور ہے کہ ایک نقشہ سلطنت روم اور فارس کا اسکے پڑھنے سے پہلے دیکھ لیا جاوے۔

(لکچرار صاحب نے اسکے ساتھ ایک نقشہ ان تمام مواقع کا عمدہ اور خوشخط چھپوا کر ناظرین کو تقسیم کر دیا تھا جس سے اسکے سمجھنے مین نہایت آسانی ہوئی)

تقریباً آٹھ سو برس سے یہ دونوں طاقتیں دنیائی مہذب دنیا پر اقتدار کلی حاصل کرنیکی غرض سے آپس میں لڑتی چلی آتی تھیں۔ اور آپس کی متواتر لڑائیوں میں ہمیشہ مصروف رہتی تھیں جس زمانے کا ذکر کرنا ہمکو مقصود ہے۔ اسوقت یہ دونوں سلطنتیں اپنے آباء واجداد کی طرح باہمی جنگ وجدال میں خوب سرگرمی سے مصروف تھیں۔ اور اس خاندانی رقابت کو نہایت زور شور سے پورا کر رہی تھیں۔ لیکن یہ لڑائیاں صرف ملکی فتوحات اور اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے نہ تھیں۔ بلکہ اس کے علاوہ دونوں قوموں کے درمیان اختلاف کا باعث ایک اور امر بھی تھا یعنے مذہبی تخالف۔ اس تفرقہ کے سبب سے ان کی باہمی لڑائیاں جہاد یا مذہبی لڑائیوں کا رنگ پکڑ گئی تھیں۔ بادشاہ روما (بازنطین) ایک طرف سے مذہب عیسوی کا حامی بنکر آتش پرست کافروں کا مقابلہ کرتا تھا۔ دوسری طرف سے شاہ فارس مذہب زردشت کا مددگار بنکر تاریکی اور جہالت (یعنی عیسائی) کی فوجوں سے اپنے مذہب کی عصمت بچانے کے لیئے حملہ آور ہوتا تھا۔ دونوں مخالف خاندان اپنے اپنے مذہب کی بنیاد پر قائم تھے۔ ساسانی خاندان نے شاہی خاندان فارس کو تباہ کر دیا تھا اور مذہب زردشت کا حامی بنکر ایران میں اپنی حکومت تیسری صدی مسیحی کے شروع میں قائم کر لی تھی۔

اردشیر جو ساسانی خاندان کا بانی تھا۔ خود مجوسی اور مقتدائے مذہب تھا۔ جب اردشیر نے عزلت گزینی اختیار کر کے تاج وتخت اپنے بیٹے کے سپرد کیا۔ تو اُس سے کہا۔ اے میرے بیٹے یاد رکھنا کہ مذہب اور حکومت دو بہنیں ہیں۔ جنمیں ایک دوسرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی کیونکہ ہمارا مذہب وہ بنیاد ہے جسپر حکومت قائم ہے۔ اور حکومت مذہب کی محافظ ومددگار ہے۔ اردشیر کے بیٹے کے عہد سلطنت میں مذہب زردشت کی کتاب مقدس زند دستا کا سرکاری نسخہ طیار ہوا۔ ٹھیک اسی زمانے میں قسطنطین اعظم عیسائی ہوا۔ اور

اور اسنے مذہب عیسوی کو سلطنت روما کا سرکاری (ملکی) مذہب قرار دیا۔ قسطنطین بمقام ناۓسیا کی مذہبی مجلس کا صدر انجمن بھی بنا تھا۔ جس میں عیسائی مذہب کے اصول اخیر دفعہ محدود صورت میں قائم کیئے گئے۔ سلطنت روما اور فارس کے حکمران خاندانوں کا یہ مضبوط تعلق اپنے اپنے مذہب کے ساتھ اُن کی تاریخ میں بہت قابل لحاظ بات ہے۔ آگے چلکر ہمکو معلوم ہو جائیگا کہ یہ مذہبی تعلق ان دونوں کے لیئے باعث ضعف و زوال ہوا۔ جسوقت کہ انکو اپنے مخالفین یعنی اہل اسلام سے مقابلہ کرنے کے لیئے اپنی تمام قوت صرف کرنے کی ضرورت پڑی۔

میری یہ تجویز ہے کہ ان دونوں عظیم الشان سلطنتوں کا حال زیادہ صراحت سے بیان کروں اور آپ صاحبوں کے سامنے مختصر کیفیت ان کی حالت کی جو فتوحات عرب سے کچھ پہلے تھی پیش کروں۔ اور وہ اسباب بتاؤں جن کے باعث یہ فتح ممکن ہوئی۔

پہلے میں فارس کا بیان شروع کرتا ہوں۔ ابھی ابھی میں بتا چکا ہوں کہ خاندان ساسانی کا عروج فارس میں اسوجہ سے ہوا کہ وہ لوگ قومی مذہب کے پیشواؤں میں سے تھے۔ اس خاندانی تعلق کو جو ساسانیوں کو مذہب کے ساتھ تھا۔ اس گھرانے کے ایک بہت مشہور بادشاہ خسرو اول نے جسے آپ لوگ نوشیرواں کے لقب سے پہچانتے ہیں۔ زیادہ مستحکم کر دیا۔ خسرو ایران کے مفتوح ہونے سے ایک صدی پہلے تخت نشین ہوا تھا۔ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ نوشیرواں سلطنت روما کے بہت بڑے جلیل القدر بادشاہ جسٹینین کا ہمعصر تھا۔ جسکا ذکر ہم دوسرے موقع پر کریں گے۔ نوشیرواں کو سلطنت اسوجہ سے نصیب ہوئی کہ اسنے مزدکیہ نامی ایک مرتد فرقے کے خلاف مذہب کے پیشواؤں اور موبدوں کی حمایت کی تھی۔ فرقۂ مزدکیہ نے نوشیرواں کے باپ شاہ کیقباد کو اپنے کہنے میں کر لیا تھا۔ اور انکا ارادہ تھا۔ کہ

نوشیرواں کو برطرف کر کے کیقباد کے دوسرے بیٹے کو جسنے انکا طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ تخت نشیں کریں + فرقہ مزدکیہ کا خاص اُصول یہ تھا کہ۔ عورتیں اور مال و اسباب سب کے مشترک ملکیت ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ انسان عورتوں اور مال و دولت پر آپس میں زیادہ تر جھگڑے اور فساد کرتے ہیں۔ اس لئے صلح کل اور آسایش خلق کے خیال سے شادی کی رسم متروک کر دینی چاہیئے۔ اور مال و متاع پر بھی سب کا مشترک دعوی ہونا چاہیئے اسکے علاوہ بعض مذہبی امور بھی تھے۔ مثلاً دنیا میں بدی کے وجود کا مسئلہ اور دنیا پر انتظام قدرت الٰہی ہونے کا مسئلہ جن میں کہ پچھے پیشوایان مذہب اور فرقہ مزدکیہ کے درمیان اختلاف تھا۔ اس فرقہ کو نوشیرواں نے تباہ کر دیا۔ اور اس کے بہت سے پیرو قتل کر دیئے گئے۔ لیکن پھر بھی اس فرقہ کی بنیاد نہیں گئی تھی + جو لوگ بچے۔ وہ موجودہ حکومت سے ہمیشہ متنفر اور خلاف رہے اور کسی دوسری حکومت کی اطاعت قبول کر لینے کے بہت آرزومند رہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد عرب والوں نے اسپر اپنا تسلط کر لیا۔

ان تمام مذہبی فرقوں کے علاوہ فارس میں دین عیسوی بھی ملکی مذہب کے مقابل ایک جدا چیز تھا۔ نوشیرواں نے اپنی عیسائی رعایا کی بہت حمایت اور حفاظت کی بلکہ اس کے جانشین بھی اسی طریقے پر کاربند رہے + یہ رعایت وہ خاصکر اس خیال سے کرتے تھے۔ کہ جو عیسائی اُن کے علاقہ میں آباد تھے۔ انیں اکثر نسطوری فرقہ کے پیرو تھے جنکو سلطنت روما نے نہبت پامال کیا تھا۔ اور اس لیئے وہ لوگ اپنے حامیوں کے خیرخواہ بنگئے تھے۔ خاندان ساسانیہ کے غیر متعصب حمایت میں فرقہ نسطوریہ کو بہت ترقی ہوئی۔ اور اس کے پیرؤوں کی تعداد بہت خاصی ہوگئی۔ لیکن جب خاندان ساسانیہ کے زوال کا زمانہ قریب آیا۔ تو عیسائیوں پر بہت ظلم ہونے لگا اور جب عرب ایران میں آئے تو وہاں

کی رعایا میں فرقہ نسطوریہ سے زیادہ کسی نے انکی آؤ بھگت نہیں کی۔ یہ لوگ خاندان ساسانیہ کے آخری بادشاہوں کے ظلم سے بچنے کے لیئے اہل عرب کو اپنا محافظ اور حامی سمجھ کر خوشی خوشی انکی حمایت میں آگئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ مسلمانوں نے اپنے دوسرے مفتوحہ ملکوں میں عیسائیوں کو کافی مذہبی آزادی دی تھی۔

فرقہ نسطوریہ کے اسطرح بخوشی مطیع ہو جانے سے ایک اور بات حاصل ہوئی جس سے عربوں کو فارس کی فتح میں آسانی ہوئی۔ لیکن مزدکیہ فرقہ کے پیرو اور عیسائی ہی ایسے نہ تھے کہ صرف انہیں پر ملکی مذہب کے مقتداؤں نے ظلم کئے تھے۔ کیونکہ سلطنت روما کے ساتھ جسقدر زیادہ عناد اور دشمنی بڑھتی گئی اور جوں جوں عیسائیوں کی تعداد حدود ایران میں زیادہ ہوئی۔ اسیقدر مذہب زردشت کے موبد زیادہ سفاک اور ظالم بنتے گئے۔ وہ لوگ تمام غیر مذہب والوں یعنی یہودیوں۔ معنویوں۔ اور ملحدوں وغیرہ کو بجبر ملکی مذہب میں لانے کی کوشش کرتے تھے۔ نیز مذہب زردشت کے معتقدین میں جو لوگ سست عقیدہ اور مذبذب خیالات کے تھے۔ انپر بھی نہایت سختی سے مذہبی سزائیں جاری ہوتی تھیں۔ ہمکو معلوم ہوا ہے کہ ایک وزیر اعظم اسی قصور پر قتل ہوا۔ کہ اس نے اپنی مردہ بیوی کی نعش کو پرندوں اور شکاری جانوروں کے کھانے کے لیئے حسب دستور مذہب کھلا رکھنے کے بجائے دفن کر دیا تھا۔ مذہب زردشت کے موبدوں نے مذہبی رسم و رواج کی مقدر قیود کو اسقدر تنگ کر دیا تھا کہ اسپر عملدرآمد محال ہو گیا تھا۔ اور انہوں نے ایسے ایسے مسئلے ایجاد کیئے تھے۔ کہ پیروان مذہب زردشت کو اپنے ہر طرح کے کاروبار میں انکے سبب بہت تکلیف ہوتی تھی۔

یہاں تک کافی طور سے بیان ہو چکا ہے۔ کہ حکومت اور مذہب کا باہمی رابطہ یعنی

سلطنت فارس کا مذہبی تعلق (جس مذہب کی سلطنت نہ صرف حامی تھی۔ بلکہ اسکو خود اپنا معاون سمجھتی تھی) اہل عرب کے حملہ کے وقت سلطنت کے لیئے ضعف کا باعث ہوا۔

اہل فارس کے زوال کا دوسرا سبب یہ ہوا۔ کہ اس زمانے میں امراء کا اقتدار بیحد بڑھا ہوا تھا۔ نوشیرواں جیسا زبردست بادشاہ تو امراء کو مطیع فرمان رکھ سکا۔ مگر اس کے بیٹے کو ایک بغاوت کی وجہ سے جسکا سرغنہ خود اسی کا ایک سردار تھا۔ تخت چھوڑنا پڑا۔ اُس کے بعد جو سلطنت کا حقیقی وارث ہوا۔ اُس بیچارے کو مجبوراً ایک غاصب کے برخلاف رومیوں سے مدد مانگنے کی ضرورت پڑی۔ پھر بھی امراء کے ایکا اور بغاوت کے ہنگامے میں وہ تخت سے اُتارا گیا اور قتل ہوا۔ غرضکہ ساسانیہ خاندان کے ختم ہونے تک یہی حال رہا۔ کہ برابر فساد پر فساد ہوتا رہا۔ اور ہر وارث تخت بادشاہ کا عہد حکومت اسقدر کم ہوا کہ۔ اُس زمانے کے تاریخی واقعات بہت ابتر ہیں۔ اور مورخ آخری ساسانی بادشاہوں کے نام اور اُن کی ترتیب سلطنت کے بابت مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان میں اکثر ایسے ہوئے ہیں۔ جو چند مہینوں سے زیادہ تخت نشین نہیں رہے جب ملک میں اس طرح ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ اور رومیوں کے ساتھ چھ برس تک متواتر لڑتے رہنے سے ایران والے تنگ آگئے تھے۔ اس زمانے میں انکو مسلمانوں کی نوخیز طاقت سے مقابلہ کرنا پڑا جس نے ان کی آزادی اور حکومت کو مٹا کر خاک میں ملا دیا۔

یہ امر ناگزیر تھا۔ کہ مسلمانوں کی نئی حکومت کو کسی نہ کسی دن اُن زبردست طاقتوں سے جن کی سرحد صحرائے عرب سے ملی ہوئی ہے۔ ضرور مقابل ہونا پڑتا۔ روم اور فارس دونوں طاقتوں کی حکومت عرب کے قبیلوں پر۔ عراق عرب اور شمالی حصہ عربستان میں تھی۔ رومیوں کا قبضہ مغربی حصوں میں تھا اور فارس والونکا مشرق کی جانب جبکہ

تمام عرب اسے ملکر ایک بڑی متفق الرائے قوم بنگئے تھے۔ اسوقت یہ خیال کرنا عبث تھا کہ وہ لوگ جو عراق عرب میں آباد ہیں۔ زیادہ مدت تک قومی اتحاد میں شریک ہوں گے یا اور کچھ عرصہ تک غیر قوموں کی اطاعت کریں گے۔ یہ امر عربوں کی آزادی پسند طبیعت کے بہت خلاف تھا۔

سلطنت روم کے ساتھ جو لڑائیاں ہوئیں انکا ذکر میں دوسرے مضمون میں کرونگا اسوقت ہمکو اپنی توجہ فارس کے برخلاف جو حملے ہوئے ان کی طرف مبذول کرنی چاہیئے۔

عربوں کی لڑائی جو ایرانیوں کے ساتھ شروع ہوئی۔ اُسے غیر متعلق اور بے ربط واقعہ بتانا۔ اور یہ کہنا کہ اس واقعہ کو عرب اور فارس کی گزشتہ تاریخ کے واقعات سے کوئی تعلق نہیں۔ سراسر غلط ہے + بلکہ برخلاف اس کے جب امیر مثنٰی نے قبیلہ بنو بکر کے ایک بڑے گروہ کا سردار بنکر ایران کے علاقہ میں حملہ کیا۔ تو یہ حملہ صرف اُن پچھلے کارناموں کی تجدید تھی۔ جو ۲۵ برس پہلے اس کے قبیلہ والوں نے کیئے تھے۔ اور جبکہ انہوں نے حیرہ کے ایرانی گورنر کو ایک سخت شکست دی تھی اور آس پاس کا علاقہ تاراج کر لیا تھا + ایرانیوں نے اسی زمانے میں خاندان لخمی کو جو تین سو برس سے حیرہ میں فرمانروا تھا۔ پامال کر دیا تھا۔ اور قبیلہ بنو بکر کی اسوقت خاندان لخمی سے بہت موافقت اور دوستی تھی۔ اسواسطے بنو بکر والوں نے اپنے دوستوں کی بربادی کا عوض لینے کے لیئے ایران پر حملہ کیا تھا پس یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کہ قبیلہ بنو بکر نے ایسے مناسب موقع پر عراق سے غیر ملک والوں کا اقتدار اُٹھا دینے کی غرض سے اپنے پُرانے جھگڑے کو تازہ کر لیا + (باقی آئندہ)

(از ڈبلیو ڈبلیو رزنلڈ صاحب مصنف اسلام الحق)

مسٹر بکٹ پرنسپل مدرسۃ العلوم کی اسپیچ مارہرہ

مجھکو بہت خوشی ہے کہ مارہرہ اسکول ایک برس تک بہت اچھی طرح سے چلا میں نے کل اسکول کا معائنہ کیا اور تعلیم کی حالت قابل اطمینان پائی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اپنی کوششوں سے بہت سی باتیں ایجاد کیں ہیں مثلاً کرکٹ۔ قواعد اور کلب وغیرہ جو کہ میرے خیال میں دماغی اور جسمانی تربیت کے واسطے بہت مفید ہیں۔ میں نے اسکول کے رجسٹر کو بھی دیکھا جس سے معلوم ہوا کہ بہت سے لڑکوں نے داخل ہونے کے بعد اپنا نام خارج کرالیا اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ مارہرہ میں چند مسلمان اب تک اس خیال کے موجود ہیں جو تعلیم انگریزی کو ضروری نہیں سمجھتے اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہ یہ بات چاہتے ہیں کہ تعلیم کا نتیجہ فوراً ہی ظاہر ہوجاوے۔ اُن کی رائے میں تعلیم ایک اناج کا کھیت ہے جس کی پیداوار سے فوراً ہی مستفید ہوجاویں مگر اُنکو یہ بات سمجھنا چاہیئے کہ تعلیم ایک درخت ہے جسکو کہ آج بوتے ہیں اور برسوں کے بعد پھل کھاتے ہیں۔ بعض لوگوں کا ایسا گمان ہے کہ تعلیم سے سوائے ملازمت سرکار کے اور کوئی فائدہ نہیں نکلسکتا اور اُن کی قدردانی علم بھی اسی پر مبنی ہوتی ہے۔ پس اگر کوئی لڑکا بعد تحصیل علوم کے ملازمت سرکار حاصل کرنے میں ناکامیاب رہا تو اُن کی رائے میں اُس لڑکے کی تعلیم سے کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور محض تضیع اوقات ہوئی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایک لڑکا عمدہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہر ایک پیشہ میں اُس سے کامیابی حاصل کرسکتا ہے جو کہ ایک جاہل کے امکان سے باہر ہے۔ تجارت اور زراعت میں بھی اُسکو بہت کچھ فائدہ تعلیم سے حاصل ہوسکتا ہے + انگلستان میں فی زمانہ سب لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ملک کی دولت تعلیم سے

بڑھتی ہے چنانچہ اسوقت انگلستان کے پیشہ وروں کے لڑکے تعلیم حاصل کرنے کیواسطے قانوناً مجبور کئے جاتے ہیں اور اُنکو اسقدر عمدہ تعلیم دیجاتی ہے جو کہ ہندوستان کی شائستہ قومیں ضلع اسکولوں میں بھی نہیں حاصل کرسکتیں

مجکو اس بات کے سننے سے بہت خوشی ہوتی ہے کہ مارہرہ کے مسلمانوں نے اپنی ہی کوششوں سے پچاس روپیہ ماہواری کا چندہ اسکول جاری کرنے کے واسطے فراہم کیا۔ انہوں نے ایک عمدہ مثال اور قصبوں کے مسلمانوں کی پیروی کے واسطے قائم کی۔

اسوقت اسکول میں صرف اسقدر دقت ہی کہ تعداد ماسٹروں کی بمقابلہ جماعتوں کی کافی نہیں ہے اگر درگاہ کے ممبر اپنی عنایت سے معلم عربی کو انگریزی مدرسہ میں جاکر تعلیم دینے کی اجازت دیں تو مدرسہ کو بہت کچھ ترقی ہو سکتی ہے۔ میں آپ سب صاحبوں سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ سب صاحب اپنی کوششوں کو رفاہ عام کیواسطے متفق کریں۔ میری رائے مسلمانوں کی تباہی کی وجہ اُن کی نااتفاقی ہے اور اُس کی اصلاح اسوقت یہی ہو سکتی ہے کہ تمام مسلمان اپنی مجموعی کوششوں کو رفاہ عام کے واسطے صرف کریں۔

مقدمات تغلب و غبن

(از امانت مدرسۃ العلوم)

ہم بہ تنگی گنجایش کی وجہ سے ان مقدمات کے مفصل حالات نہیں لکھ سکتے تاہم مختصر واقعات قلمبند کرکے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

ماہ اکتوبر کی ۱۷ تاریخ ان مقدمات کی پہلی پیشی کے لیے قرار پائی تھی۔ لیکن اُس تاریخ کو

ے کہ جناب سول سرجن صاحب ملزم شام بہاری لال کے متعلق جو چند مہینوں سے
جن کے مرض میں مبتلا تھا شہادت دینے کے لئے طیار نہ تھے اس لئے اُس تاریخ کو کوئی
کارروائی نہ ہوئی۔ پھر ۲۲ اکتوبر کو سول سرجن کی شہادت ہوئی جس سے یہ بات قرار
پائی کہ ملزم شام بہاری لال اپنا مقدمہ چلانے اور سمجھنے کے قابل ہے اور سوائے حافظے
کے اُس کے تمام حواس بالکل برقرار ہیں۔ اسی تاریخ کو کرپا رام عرف کرپا شنکر کی مبلغ
چار ہزار روپیہ کی ضمانت پر رہائی ہوئی۔ کرپا شنکر ملزم دوم شام بہاری لال ملزم اول
کا حقیقی بھائی ہے اور اُس کے تغلبات میں اکثر شریک رہا ہے۔ اور نیز اس دن محمد اشرف خاں
صاحب سابق داروغہ جیل گورداسپور کے اظہار قلمبند ہوئے۔ اُن کے اظہارات افیدیوٹ
متعلق سابق چال چلن شام بہاری لال ملزم اول ہوئے۔ اس شہادت سے معلوم ہوا
کہ شام بہاری لال نے جب وہ جیل مذکور کا ایک کلرک تھا بذریعہ جعلی چکوں کے سرکاری
روپیہ میں سے مبلغ تین ہزار روپیہ کا تغلب کیا تھا اور جب وہ گرفتار ہوا تو اُس نے
بہ اقدام خودکشی افیون کھائی۔ لیکن ڈاکٹر کو وقت پر خبر پہنچ گئی اور اُس نے آکر پمپ کر
تمام افیون نکال ڈالی اور علاج اور نگرانی سے اُسکو بچا لیا۔ اس کے بعد مقدمہ ہوا جسمیں
ملزم مذکور کو پورے تین سال کے قید کی سزا ملی۔ اس کے بعد چوتھی اور پانچویں نومبر کی دو
پیشیوں میں اہلکاران بنک اور ڈاکخانہ علی گڈھ کے اظہارات قلمبند ہوئے۔ چھٹی اور ساتویں
نومبر کو لائف آنریری سکرٹری مدرسۃ العلوم کے اظہارات قلمبند ہوئے۔ ان دو پیشیوں
میں دس قطعات جعلی ڈرافٹ سکرٹری کو دکھائے گئے۔ جناب ممدوح نے انمیں سے چھ
ڈرافٹوں کی نسبت تو صاف انکار کیا کہ انپر میرے دستخط نہیں اور باقی چار کے بارے میں
اقرار کیا کہ میرے دستخط ہیں لیکن انپر بھی دھوکے سے دستخط کروائے گئے ہوں گے۔

اور چونکہ ان دس ڈاکٹوں میں سے ایک کا بھی نہ تو دفتر کی کتابوں میں پتہ چلتا ہے اور
نہ روزنامچہ کے آمد و خرچ میں اُنکا محصول مندرج ہے نہ رجسٹر آمد و روانگی میں لکھے
ہیں۔ لہذا وہ سارے کے سارے جعلی ہیں۔

اس کے بعد سولھویں نومبر کو ثبوت کی طرف سے متعدد گواہان کے اظہارات
قلمبند ہوئے اور چھبیس کو جناب پرنسپل صاحب ایم اے کالج کی شہادت ہوئی پرنسپل
صاحب محض بغرض شناخت دستخط جناب سکرٹری و خط شام بہاری لال کورٹ
میں پیش ہوئے۔ چونکہ سکرٹری اور پرنسپل کالج کے درمیان اکثر انگریزی میں خط و
کتابت رہتی تھی اور تحریر اکثر شام بہاری لال کے ہاتھوں کی ہوتی تھی جسپر سرسید کے
انگریزی میں دستخط ہوتے تھے۔ اس لئے پرنسپل سے بڑھ کر اور کسی کو شام بہاری لال کی
تحریر اور سرسید کے دستخط پہچاننے کا موقع نہ تھا۔ چنانچہ پرنسپل صاحب متعدد سکرٹری
کے خطوط مرقومہ بقلم شام بہاری لال اپنے ہمراہ لے گئے اور کورٹ کے سامنے پیش کئے
جناب پرنسپل صاحب نے بعض ڈاکٹوں کے بارے میں بیان کیا کہ انپر بالکل سکرٹری کے
دستخط نہیں اور بعضوں پر ایسے دستخط ہیں جو اُن کے دستخطوں سے بہت کچھ متشابہ ہیں لیکن انمیں
بھی ایک بات پائی جاتی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سکرٹری کے دستخط
نہیں۔ کیونکہ سکرٹری کی تحریر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی لرزتے ہوئے ہاتھ
کی تحریر ہے۔ حالانکہ ان ڈاکٹوں پر کسی محکم اور جمے ہوئے ہاتھ کے دستخط ہیں ہاں چند
ڈاکٹوں کے بارے میں یہ بھی کہا کہ انپر دستخط مشکوک معلوم ہوتے ہیں۔ میں فیصلہ نہیں
کرسکتا کہ آیا یہ دستخط سکرٹری کے ہیں یا جعلی لیکن اسمیں کچھ شک نہیں کہ اگر یہ جعلی دستخط
ہیں تو اصل کی سب سے عمدہ نقل ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اب تک جسقدر شہادت پیش ہوئی یہ صرف ثبوت کی طرف سے ہے۔ اس کے بعد شہادت ثبوت پر بحث ہوگی۔ اور بہت اغلب ہے کہ ہر دو ملزمان دورہ سپرد ہو جائیں۔ (عبداللہ)

ایک نہایت عمدہ گھوڑی فروخت ہوتی ہے

شائقین اسپان کو مژدہ ہو کہ ہمارے رائڈنگ سکول سے ایک گھوڑی نکالنے کی تجویز ہوئی ہے۔ یہ گھوڑی نہایت خوبصورت سبزی رنگ کی ہے قد اسکا ۱۴-۲ ہے۔ اور اسکا سب سے بڑا نقص جس کے باعث اس کے فروخت کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے اس کی تیزی ہے۔ جو شائقین کو بہت پسند ہونی چاہیئے۔ سواری کے وقت گھوڑی ہوا سے باتیں کرتی ہے اور بے انتہا دم رکھتی ہے۔ شائقین وقت کو ہاتھ سے ندیں۔ بہت تھوڑی سی قیمت پر جناب پرنسپل صاحب سے اسکا فیصلہ ہو سکتا ہے مگر ۵۰ ر سے کم نہوگی۔

مطبوعہ مجمان پریس علی گڈہ

FIXTURES.

Dec. 5th and 6th College Athletic Sports.

Dec. 7th Siddons Union Club Annual Meeting.

Dec. 20th School Tournament at Aligarh.

Dec. 27th and 29th Mahomedan Educational Conference at Shahjehanpur.

Meeting of M. A.-O. Defence Association.

Jan. 6th College Tournament at Allahabad.

RIDING SCHOOL.

We have much pleasure in thanking Hafiz Abdur Rahim, Pleader, Aligarh, for the very kind present of a capital horse to the College Riding School. The number of students in the school is now 39.

PERSONAL NEWS.

Professer Morison's leave has been extended two months on account of his wedding in England.

Mr. Llewellyn Tipping has been appointed a Professor on the College staff in place of Mr. Carey resigned. Professor Tipping is a graduate of the University of Cambridge, and is a specialist in English Literature and Anglo-Saxon.

Hafiz Wilayat Ullah, B. A., has been appointed officiating Headmaster of the State High School, Bhopal.

time of the election was Rs. 793, the amount at the time of the preceding election being Rs. 623.

The College Magazine is on a firmer basis and will be a source of income to the Club. The excellence of the Vernacular portion of the Magazine is due to Shamsul Ulama Moulvi Shibli Nomani, to whom the Club is greatly indebted.

The Lajnatul-adab which is a branch of the Union is also in a flourishing condition, the number of its members being 31 as compared with 26 in the last year. A prize of Rs 20 was awarded to Mr. Nazir Ahmed, the Cambridge Speaking Prize-holder, by the Lajna for Arabic speaking, the sum being placed at its disposal by the Prime Minister of Junagadh State.

In the end the Vice-President expressed his obligations to his colleagues, specially to Salam-ul-Haq who was officiating Secretary for several months.

CRICKET.

The first Eleven in this term played only one match against the soldiers and two scratch matches between the Bowlers and the Batters. The match against the soldiers resulted in an easy victory for the College. The soldiers could get up only 80 runs in both the Innings while the home team scored 180 for seven wickets, four of whom had retired after scoring double figgures. In the first of the scratch matches the Batters won after a hard contest, but in the return match the Bowlers gave them an easy drubbing, having put up 150 in an Innings while the Batters could only score 50.

The students are practising regularly for the coming College and the School Tournaments, our two best athletes being Mahomed Zaman and Abdul Hafiz, and we hope that our School will win the Challenge Shield this year.

Mr. Mumtaz Husein. The other candidate was Mr. Shukur Bakhsh who is one of the best Urdu speakers. A very interesting debate was held during the sittings of the last Educational Conference. A Reception Committee was formed to look after the comfort of the visitors and delegates to the Conference and the Committee received the thanks of the Secretary of the Conference.

The number of Penny Readings was 4, being equal to that of the last year. The entertainment held on the 6th April 1895 was a very successful one and was largely attended by the European residents of the station, to whom we are much indebted for their kindness. It is particularly remembered on account of the delightful songs of Miss Good and Mr. Paterson and the piano playing of Mrs. Arnold. Syed Zain Uddin and Mumtaz Husein acted a few scenes from an interesting play.

There were almost no fresh additions to the Library, only Rs 7 being spent on the purchase of books. The books were re-arranged by the Officiating Honorary Secretary, Salamul Haq, who discharged his duties to the extreme satisfaction of all. The Reading-Room remained always full during the time when the Club was open and the outgoing Vice-President suggests that it might be desirable to keep the Reading-Room open during the long winter evenings. The Club subscribes for several of the best English and Vernacular papers while many are presented either by the Editors or by some other patriotic gentlemen, the total number of newspapers and periodicals which remain in the Reading-Room being 20.

The financial state, notwithstanding the prejudicial effect of some of the new rules, was satisfactory. The total income of the year amounted to Rs 490, that of the last year being Rs. 432; and the expenditure was Rs. 326 while that of the preceding year was Rs. 504. The amount to the credit of the Club at the

SIDDONS UNION UNION CLUB.

The result of the last annual Elections is as follows :—

Khwaja Mahmood Husain	...	Vice-President.
Syed Mohsin Husain	...	Secretary.

MEMBERS OF THE SELECT COMMITTEE.

Sajjad Haider	...	(re-elected).
Hafiz Hidayet Husain.		
Syed Mahomed		
Riza Ullah	...	(re-elected).
Nur-ul Hasan.		
Ibn-e Hasan.		

We cannot for want of space insert in full the late Vice-President's Report which sets forth the doings of the Club during the year 1894-95 From his report it appears that the prospects are hopeful. The number of members in March 1895 was 89 as compared with 86 in the same month of the preceding year. The increase was not proportionate to the increase in the students of the College. This was partly owing to the new rule debarring students of the lower School Classes from membership. However in July the number rose to 190.

The number of debates for the year is 25 as compared with 20 in the last year. The speeches during the discussion exhibited a greater degree of intelligence than that of the previous years when mere school boys were mixed up with the graduates and under-graduates. However, during the greater part of the year the debates were thinly attended. The average number of voters was 20, while in 1893-94 it was 18 and in 1892-3 it was 26. This was owing partly to a lack of active interest in the members themselves and partly to some external causes. The Cambridge Speaking Prize was awarded by the President to

were killed in the battle. Thus this dear and gifted youth, and the hopes he embodied of bringing a civilized rule to his barbarous countrymen, perished a victim to the inevitable element of folly that enters into all human affairs.

T. B.

COLLEGE NEWS.

—o—

(i) LIST OF MONITORS.

The following is a list of Monitors for the present year :—

There will in future be two grades of Monitors. The first grade will for the present consist of six students. Besides their special duties these 'General Monitors' will have the right to report to the Proctor on breaches of the College Rules. They will be given a badge to mark their office. The following students are General Monitors :—

1. Mahomed Abdullah, Cricket Captain, Food Monitor, Drill Lieutenant.
2. Shahab-Uddin, Football Captain, Food Monitor, House Monitor.
3. Sarfraz Khan, Drill Captain, Cricket Vice-Captain, Food Monitor, House Monitor, Prayer Monitor.
4. Mahomed Zaman, Gymkhana Secretary, Food Monitor, House Monitor, Drill Lieutenant, Cricket Secretary.
5. Azmat Ullah, Food Monitor, House Monitor, Drill Lieutenant.
6. Zia Ullah, House Monitor, Prayer Monitor.

The following students are Special Monitors.

7. Yusuf Ali, House Monitor.
8. Aziz Ahmad (Ward of Bareilly), Food Monitor.
9. Ahsanul Haq, Drill Lieutenant.
10. Riaz Uddin, Drill Lieutenant.
11. Mushtaq Hosain, Drill Lieutenant.
12. Mahomed Hosain, Shiah, Prayer Monitor.
13. Farid Uddin, Prayer Monitor.
14. Ali Hasnain, Shiah, Prayer Monitor.
15. Mahomed Nasir, Prayer Monitor.
16. Abbas Ali, Captain, Riding School.

——o——

But a dweller in that country, who knew and loved its plants,
And saw their fragrance wasted by the cold and cruel wind,
Dug up this *petty* floweret and removed it from its haunts
To be nurtured in a garden in a climate warm and kind.

With loving hands the floweret was watered day by day,
And the blossom slowly opened and breathed a gentle scent,
But e'er its strength had ripened it was roughly torn away
And carried to the stormy wilds where its early life was spent.

But the hand that tended it before was gone, and its roots were frail,
It shivered alone and shelterless when the nights were chilled with frost,
And before it could thrive in the desert 't was killed by a storm of hail
And its lovely petals were torn to shreds, cast to the winds and lost.

In the garden where it blossomed, and fairer grew each day,
The hearts of those that loved it are sad and mourn its fate
And they murmur at the untimely haste with which 't was borne away
And wistfully watch the empty bed which it filled with its perfumed breath.

Sirdar Yusuf Khan, son of Gauhar Khan, Chief of the State of Jhallawan in Beloochistan, was sent to the M. A.-O. College in the autumn of 1890 by Sir Robert Sandeman. He was then 12 years old. At the commencement of 1894 he was withdrawn and set upon his father's *gaddi*. Sir Robert Sandeman meanwhile had died, and Sirdar Gauhar Khan had fallen out with his old enemy the Khan of Kalat. He retired to the mountains with his men and made war on the Khan's soldiers. Yusuf meanwhile had made rapid progress at school. He had always stood well in his class, had become a member of the first cricket eleven, and was in every respect a youth of great promise. He was then suddenly called on to administer a province of wild and fierce men, and to treat his father, whom he passionately admired, as a rebel—a man who as Sir Robert Sandeman told me, was "a very fine fellow, a very gallant man," and who he added, "would do anything in the world for me". The position was utterly untenable for a boy of 15. Urged, and if report is correct threatened otherwise with death, by his father he joined him in his fastnesses. Last July a troop of the Khan of Kalat's men found and fought them and Yusuf and his father

students and the number of boarders. The latter is limited by the accommodation available in the boarding-house. Unfortunately the completion of the Debenture rooms has been delayed by the theft of College property committed by Shiam Behari Lal. We would direct the attention of all well-wishers of the College to the paramount necessity of increasing the boarding-house accommodation. The Zahur Hosain Ward is still unfinished and thus this most important building has been so far useless for the purpose with which it has been designed, namely the better supervision of junior school class boarders. Unless the boarding-house can be increased the utility of the College as a national institution for the Indian Mahomedans will be severely checked. Meanwhile it will be the business of the College to organize to the highest possible degree the arrangements for the education of its present number of students. The increase last year was so great that it was difficult for the organisation to keep pace with the growth of the institution. More elaborate arrangements for supervision, for physical education, and a dozen other matters are needed for 300 than for 200 students. The discipline has been strengthened by the appointment of monitors, but the system is still in its infancy and considerable training is still needed for the monitors, which their duties and honours require to be worked out more fully. The finances of the Riding School have to be put on a firm foundation. The regular curriculum for drill certificates wants more careful attention, and can be settled only by experience. The fact that the number of new students this year is not so large as compared with the number of old students ought to make it an easier task for the College to assimilate them and put its stamp on them.

IN MEMORIAM.

SIRDAR YUSUF KHAN.

In the wild and savage mountains of bleak Beloochistan
A lovely flower sprang forth from the parched and arid ground,
And ne'er a lily of the vale, nor rosebud reared by man,
More charming in its tender grace or tinted hues was found;

NUMBER OF STUDENTS IN THE M. A.-O COLLEGE.

—o—

The number of students in the College classes of the M. A.-O. College on November 11th, 1895, was as follows :—

	Mahomedans	Hindus	Total
6th Year	5	0	5
5th Year	2	0	2
4th Year	30	4	34
3rd Year	15	10	25
2nd Year	86	12	98
1st Year	40	3	43
Total	198	29	207

The number of students in the school classes was 310.

The number of students in the Boarding-House was—

Present	321
Absent	17
Total.	338

On comparing these numbers with those of last year it will be found that the number of College class students is practically the same. Last year there were 209 College class students, of whom 173 were Mahomedans and 36 Hindus. The number of College class students increased last year by 57 : this year it is stationary. It should be noticed however that the income from fees has considerably increased this year, inasmuch as higher fees have been levied and the expenditure on scholarships is somewhat less.

The number of students in the school classes this year is 310 as against 352 last year, showing a diminution of 42. This decrease has occurred in the day-scholars, the number of whom is a very variable quantity.

The number of boarders has on the other hand increased by 18 ; and, if we count those only who are present and omit those who are absent and whose names are retained on the list, by 23.

To estimate the progress of the College as regards numbers the most important facts are the number of College clas-

minds of the people who are subjected to this unmerited abuse. It is almost impossible for a man to preserve a charitable attitude of mind when he is treated in that fashion. Another cause of ill-feeling is that a number of persons cherish political ideals which are incapable of fulfilment, and consequently they live, politically speaking, in a chronic condition of disappointment, as the practical statesmen who are at the head of affairs are unable to satisfy their aspirations without endangering the good administration or peace of the country. The only remedy for this is to encourage as far as possible the growth of political common sense. Finally a great deal of ill-feeling is stirred up by the unfortunate tendency of the human mind to remember insults much more keenly than kindness So that an occasional act of rudeness by an Englishman, or of ingratitude by a Native, is remembered and repeated by Natives or Englishmen respectively, when a hundred cases of courtesy or good feeling are forgotten. Mr. Bonnar affords himself a glaring example of this fault. He quotes a case of a political officer's bad behaviour which took place in the year 1871. Why should he go back 24 years to rake up an isolated case of overbearing conduct? One is forced to the conclusion that instances of oppression are not so plentiful as for the purpose of his attack on his countrymen he might have wished. What can tend more to create bad feeling and misunderstanding than to hunt up and publish criminal, brutal or rude acts committed by a member of one nationality against a member of another? Everyone who does this, be he English or Native, is an enemy to the cause of Anglo-Oriental sympathy. To counteract this let us as far as possible spread the feeling that we are all fellow-citizens of the same great Empire, and both privately and publicly endeavour to impress on our friends the virtues rather than the faults of the nationality to which they do not belong.

Note.—Since the above was written it has been proved that the chief case of brutality mentioned by Mr. Bonnar was a pure invention. A Civil Surgeon was said to have pulled out two teeth from a man because he did not salute him. The Civil Surgeon himself has written to the *Pioneer* to state that this ridiculous tale was made up by a friend of his as a joke.

if it has no remedy. In that case the less said about it the better. It is because we think that it is possible to increase Anglo-Oriental sympathy, and that the object is worth working for that we offer a few remarks on the subject. A discussion of this subject, to have any value, must be based on observation. In what directions may an increase of sympathy be discovered and in what a diminution, and what are the respective causes of both? A marked increase of sympathy between Englishmen and Natives is to be found in the cricket-field. Here cricketers of both nationalities meet as brothers. The M. A.-O. College Eleven has been constantly invited to lunch by the English Elevens with whom they have played. A common interest unites the Englishman and the Native. They meet for play and not for business. English sentiment is represented by the remark of an English forest officer who said "I don't care if a man be the " biggest scoundrel in India . if he can play a good game at " cricket, every Englishman will say he is a thundering good " fellow." What is true of cricket is true of other games and sports, football, polo, pigsticking, &c. A common ground here exists for sympathy, and social intercourse naturally and agreeably springs at once into existence. The great progress made by the people of India in these manly sports is doing a great deal to promote sympathy. A second cause of sympathetic intercourse between Musalmans and Englishmen has been the breaking down of the prejudice of the former, borrowed from the Hindus, against dining together. Social intercourse in Europe rests on the basis of eating meals in company. At such times men have the leisure to talk, and the pleasures of the table put the mind in a condition to enjoy the pleasures of society. There may be something base and sensual in this view, yet it is supported by an overwhelming amount of experience. Social intercourse will never be widely spread in India until the customs and manners of living of the people are to a large extent Europeanized. A change is daily taking place in this direction, but it cannot be accomplished in one or two generations. Turning now to the causes that retard sympathy we place in the front rank the abusive tone of a section of the Bengali press. The unjust accusations against the acts and motives of officials and the intolerable vituperation against the Government, embitter the

public works and hospitals, so that, as he says with a lively flight of fancy, if the English had been turned out of India at the time of the Mutiny the only relic of their long occupation would have been the empty beer bottles with which they had strewn the country. Now while we admit that since the Mutiny enormous progress has been made by the Government in every beneficent direction, it is the falsest possible historical statement to say that this policy was inaugurated for the first time by the government of the crown, and that up to that time the motives of the East India Company had been purely commercial and selfish. From the time when Warren Hastings set about to purify the judicial administration of Bengal the Government of India has steadily moved in the direction of good administration and civilization. In this respect the Mutiny represents no breach of continuity. The policy of promoting English education was firmly established by Lord Macaulay in 1835, the Education Department was made in 1854, and at the time of the Mutiny several excellent Colleges were in existence. It was during the Mutiny year that the project of founding Indian Universities, for a long time under consideration, was carried into effect. Turning to public works we find that the Ganges Canal was opened in 1854. This as Sir John Strachey says is "the greatest irrigation work in the world". The Ganges and Jumna Canals together are 1,000 miles long and have more than 5,000 miles of distributories. "No similar works in other countries" says Sir John Strachey "approach them in magnitude and it is certain that no public "works of greater utility have ever been undertaken by the "world." Compare the Ganges Canal with the empty beer bottles which Mr. Bonnar finds so plentiful, and it is obvious that he possesses a disordered imagination incapable of judging of the relative size and importance of facts, or that his ignorance of the subject he has undertaken to handle is such as to disentitle his opinions to the respect of sensible men.

To pass on to the subject of this article most persons will admit that the amount of sympathy existing in India between the English and Native communities is not nearly so much as could be desired. This being granted the question arises as to how to increase it. It is useless to bewail an evil if

The
Muhammadan Anglo-Oriental
College Magazine.

New Series VOL. 2. | DECEMBER 1, 1895. | No. 12.

ANGLO ORIENTAL SYMPATHY.

Our attention has been directed towards the question of sympathy between Englishmen and Natives of India by an article that appeared in *The Contemporary Review* by the Rev. W. Bonnar. The reverend gentleman's article is a very one-sided attack on the Anglo-Indian community, and its tone is calculated to exasperate Anglo-Indian readers and thus to defeat the object with which it was presumably written. Although Mr. Bonnar has been, as he states, a resident of India for 25 years, his article is full of inaccuracies as to questions of fact, which very much diminish his claim to confidence when he deals with general statements which are incapable of being brought to the test of direct investigation. Passing by such errors as a gross overstatement of the number of native soldiers in the Indian army which are of no consequence as far as the general tenour of his argument is concerned, we may note in passing his very undeserved strictures on the East India Company. He states that the policy of the Company was one of commercial greed and selfishness, and that it was only when the government of India passed into the hands of the crown after the Mutiny that the English awoke to a sense of responsibility with regard to their Indian subjects, and established Colleges,

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A.-O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs. 3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. p. for Rs. 3 or for Re. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 2 annas per line or Rs. 2 per page in Urdu.

THEODORE BECK,

English Editor,

MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,

Urdu Editor.

NIAZ MUHAMMAD KHAN,

Manager.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 2.	DECEMBER 1, 1895.	No. 12.

CONTENTS.

ENGLISH.

Printed at the Institute Press, Aligarh.
For Siddons Union Club.

محمڈن اینگلو اورینٹیل کالج میگزین

جلد ۲	نومبر ۱۸۹۵ء	نمبر ۱۱

فہرست مضامین اُردو

(مطبوعہ محمدن پریس علیگڈھ)

اخبارات کی ابتدا و ترقی

(ماخوذ از پرچہ الہلال مورخہ ا ستمبر ۹۵ء)

عام طور سے یہ مشہور ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے چین میں اخبار نکلا۔ لیکن تاریخ سے اس دعوی کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ تاریخی شہادتوں سے جسقدر ثابت ہی یہ ہے کہ جولیس قیصر روم نے حضرت عیسیٰ سے پہلے ایک روزانہ پرچہ نکالا تھا جسکا نام ACTA DIURNA - اکتا دیورنا تھا۔ اس میں سرکاری احکام اور رومن قوم کے واقعات لکھے جاتے تھے یہ پرچہ چوتھی صدی عیسوی تک جاری رہا۔ یہ اخبار کی ایجاد کا پہلا دور ہے۔

دوسرا دور پندرہویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے یعنی جرمن میں رسالہ کی شکل میں

انگریزی میں فینشیا لکھتے ہیں ۱۲

ایک اخبار نکلا جو دیانا اور اوسبرج وغیرہ میں شایع ہوتا تھا۔ اس کے بعد بندقیہ میں سنہ ۱۵۶۳ء میں ایک اخبار نکلا جس کی قیمت ایک گزٹ ہوتی تھی (گزٹ یہاں کے سکے کا نام تھا) اس مناسبت سے اخبار کا نام بھی گزٹ رکھا گیا جو تمام دنیا میں اسقدر مقبول ہوا کہ گزٹ اور اخبار دو مرادف لفظ بنگئے۔ اس کے بعد لندن میں سنہ ۱۶۲۲ء میں ویکلی نیوز ایک پرچہ نکلا۔ اسی زمانہ کے قریب یعنی سنہ ۱۶۳۱ء میں بمقام پیرس ایک اخبار نکلا جسکا نام فرنچ گزٹ تھا اور جو اسقدر معزز تھا کہ خود شہنشاہ فرانس لوئیس نے اسمیں ایک مضمون لکھا۔ یہ پرچہ اب بھی موجود ہے۔

ان تمام اخبارات میں ملکی اور عام مضامین بالکل نہیں ہوتے تھے۔ سب سے پہلے فرانس والوں نے اس قسم کے اخبارات نکالے پھر لندن میں لندن گزٹ کے نام سے ایک پرچہ نکلا جو ٹھیک آج کل کے مذاق کے موافق تھا۔ اس کے بعد تمام یورپ میں کثرت سے ہر مذاق کے اخبارات پیدا ہوگئے یہاں تک کہ آج تہذیب و تمدن کا بڑا معیار یہی اخبارات خیال کیے جاتے ہیں

ٹرکی اور مصر میں اخبارات کی ابتدا اُسوقت ہوئی جب یورپین تہذیب نے ان ممالک میں قدم رکھا چنانچہ سب سے پہلے محمد علی پاشا خدیو مصر کے حکم سے الوقائع المصریہ گورنمنٹ گزٹ نکلا اس اخبار کو ۶۵ برس ہوے اور اب تک جاری ہے۔ اسکے بعد بیروت میں ایک سرکاری پرچہ نکلا جسکا نام حدیقۃ الاخبار رکھا گیا اور جو اب تک جاری ہے۔ اس کے بعد ٹونس میں گورنمنٹ کی طرف سے ایک پرچہ نکلا۔ سرکاری اخباروں کے علاوہ عربی میں سب سے پہلا اخبار جو نکلا وہ الجوائب تھا جو ۱۸۶۱ء میں عالم وجود میں آیا اور مدت تک بڑے اہتمام سے شایع ہوتا رہا۔ اس کے بعد ۱۸۶۷ء میں بمقام مصر ایک پرچہ نکلا۔ پھر رفتہ رفتہ مصر و بیروت میں کثرت سے اخبارات نکلنے شروع ہوئے چنانچہ مصر میں روضۃ المدارس۔ الوطن۔ المؤید۔ المقطم۔ اور اسکندریہ میں الاہرام۔ الکوکب الاسکندری۔ المحروسہ۔ اور بیروت میں۔ ثمرات الفنون۔ المقتطف۔ لسان الحال۔ المصباح وغیرہ نکلے۔

بیروت کے اخبارات تو برائے نام اخبار ہیں کیونکہ ٹرکش حکومت میں اخبارات کو بالکل آزادی نہیں لیکن مصر و اسکندریہ کے اخبارات میں نہایت آزادی ہے۔ ہر قسم کے آرٹیکل شایع ہوتے ہیں۔ البتہ افسوس ہے کہ پارٹی فیلنگ کو یہاں اسقدر زور ہے کہ اخبارات اس کے نشہ میں اکثر اعتدال کی حد سے دور نکل جاتے ہیں بعینہ اسطرح جسطرح ہمارے ملک میں بنگالی اخبارات۔

شہر ٹمبکٹو کا بیان

(از پروفیسر آرنلڈ)

غیر ملک کے باشندوں کو ہندوستان میں آکر مسلمانوں کے ساتھ رہنے سے کئی باتیں بہت حیرت انگیز معلوم ہوتی ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کو اپنے اُن ہم مذہب بھائیوں کی موجودہ حالت سے کچھ دلچسپی نہیں۔ جو دنیا کے اور حصوں میں رہتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ گذشتہ چند سال سے ہندوستانی مسلمان امریکا اور انگلستان کے نومسلموں کے ساتھ کچھ تعلق ظاہر کرنے لگے ہیں۔ اور ان میں بعض ترکوں کی کامیابی میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ تاہم ان کے علاوہ جو کروڑوں مسلمان اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں رہتے ہیں۔ اُن کے عدم یا وجود کا خیال تک نہیں کیا جاتا۔ اسی پرچہ میں ایک مضمون شایع ہوا تھا جسمیں بیان کیا گیا تھا کہ چین میں تین کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ اسپر بعض اصحاب نے ظاہر فرمایا کہ یہ بات تو راقم مضمون کے خیالات کی گھڑت معلوم ہوتی ہے۔ مجمع الجزائر ملایا میں اچین نامی ایک چھوٹی سی بہت پرانی اسلامی ریاست ہے۔ جس نے دس برس تک سلطنت ڈنمارک کے متواتر حملوں کو رد کرنے کے لیئے بہادرانہ کاوشیں کیں۔ لیکن غالباً کوئی ہندوستانی مسلمان اس واقعے سے آگاہ نہیں ہے۔ نیز یہاں کسی سے نہ تو اُن مسلمانوں کی موجودہ حالت کی کیفیت دریافت ہو سکتی ہے۔ جو روس کے زیر حکومت بستے ہیں۔ نہ مسلمانان المغرب کے بابت۔ جنکا علاقہ اب بتدریج سلطنت جمہوریہ فرانس سے ملحق ہوتا جاتا ہے۔ اس مضمون کے لکھنے سے یہ غرض ہے کہ سلطنت فرانس نے جو تصرفات حال ہی میں اسلامی علاقہ میں کیئے ہیں انکا ذکر کیا جائے یعنے شہر ٹمبکٹو کی فتح کا بیان ہو۔

یہ شہر خاص کر اسوجہ سے قابل وقعت گنا جاتا ہے کہ بلحاظ جغرافیہ وہ بہت عمدہ موقع پر

آباد ہے۔ ٹمبکٹو دریائے نائجر کے سب سے شمالی شاخ پر بنا ہوا ہے جہاں سے نائجر شمال کیجانب جھکنا شروع ہوتا ہے۔ اسلیئے ٹمبکٹو صحرائے اعظم میں تجارت کرنے کے واسطے سب سے قریبی مرکز ہے۔ الجیریا وغیرہ ممالک المغرب کے تجارتی کارواں اسمیں سے ہو کر گزرتے ہیں اور اس شہر سے مال و اسباب اور تمام قسم کے ظروف مشرق اور مغرب کیجانب دریائے نائجر کے راستے آتے جاتے ہیں۔ دریائے نائجر صحرا کے اس جانب ایک بڑی تجارتی شاہراہ کا کام دیتا ہے۔

بدیں وجوہ ٹمبکٹو حبشیوں سے تجارت کرنے کے لیئے بڑی منڈی ہے۔ اور یہاں سوداگر بہت کثرت سے جمع ہوتے ہیں بدست ۱۱۰۰ء عیسوی سے یعنی جب سے کہ اس شہر کی بنا ہوئی ہے اس کا بہت بڑا اثر حبشیوں پر پڑا ہے۔ بلکہ مغربی افریقہ میں یہ شہر تہذیب اور شایستگی پھیلانے کا بہت قوی ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ جبکہ عیسائیوں کی فتحمند فوجوں نے مسلمانوں کو سپین سے خارج کیا۔ تو وہاں کے بہت سے علما اور کاریگر ٹمبکٹو میں آکر آباد ہوئے تھے یہاں کی مسجد جامع جو آج تک شہر میں عظیم الشان اور باعث رونق خیال کیجاتی ہے۔ اسکا نقشہ شہر غرناطہ کے ایک ماہر فن عمارت نے تیار کیا تھا۔ ابن بطوطہ نے یہاں آکر ایک مشہور شاعر ابو اسحاق الساحلی کی قبر کی زیارت کی تھی۔ ابو اسحاق بھی سپین میں اسلام کے آخری مقبوضہ شہر یعنے غرناطہ کا باشندہ تھا۔

ہندوستان میں یہ عموماً خیال کیا جاتا ہے۔ کہ ملک سوڈان کے حبشی باشندے وحشیوں سے بہتر نہیں ہیں۔ لیکن یہ قابل نفرت خیال صرف ناواقفیت پر مبنی ہے۔ یورپین سیاح جو ٹمبکٹو وغیرہ سوڈان کے شہروں میں ہو آئے ہیں۔ اُس تہذیب و شایستگی کا ذکر جو اُنہوں نے وہاں دیکھی۔ بہت تعریف و توصیف سے کرتے ہیں۔ وہ سیاح کہتے ہیں

کہ سوڈان کے شہروں کا انتظام معقول ہے۔ سلطنتیں باقاعدہ ہیں۔ جو تجارت بڑہانے کی ترغیب دلاتی ہیں۔ اور اگرچہ وہاں علوم و فنون کا زیادہ چرچا نہیں۔ تاہم عربی علم ادب کی تعلیم عام طور سے جاری ہے اور علوم مذہبی کے مدرسے اور ابتدائی مکتب بکثرت ہیں۔

یہاں ہمارا یہ منشا نہیں ہے۔ کہ شہر ٹمبکٹو سے جو فائدہ تہذیب کی اشاعت میں ہوا ہے۔ اسے بیان کریں۔ یا جو تعلقات ٹمبکٹو سے المرابط وغیرہ المغرب کی ریاستوں کو ہیں۔ انکو بتلائیں۔ حال ہی میں ٹمبکٹو خاندان توراک کے قبضہ حکومت میں تھا جو خاندان بربعینی افریقہ کی سب سے اعلی قوم کی ایک شاخ گنا جاتا ہے۔ شہر کا اندرونی انتظام بکے نامی المرابط کے ایک معزز خاندان کے ہاتھ میں تھا۔ خاندان بکے اپنے مذہبی خیالات میں فرقہ تجانیہ کا پیرو ہے لیکن تھوڑا عرصہ ہوا۔ کہ خاندان توراک کے لوگ فرقہ سنوسیہ میں شامل ہوگئے۔ جو فرقہ تجانیہ کا سخت مخالف ہے۔ اسلیئے توراک والوں نے خاندان بکی کے اقتدار کو برباد کردیا۔ اور ٹمبکٹو کے باشندوں پر ظلم کیئے۔ خاندان توراک کا فرانسیسیوں سے بہی مقابلہ ہوا۔ جو مغربی افریقہ میں دریاے نارجر کے اُس طرف اپنے قدیمی مقبوضات سے مشرق کی جانب اپنا پولٹکل اقتدار بڑہا رہے ہیں۔ ۱۸۹۴ء میں فرانسیسی ایک حملہ کا انتقام لینے کی غرض سے جو خاندان توراک کی ایک چھوٹی سی جماعت نے انپر کیا تھا۔ آگے بڑہے۔ اور ٹمبکٹو کو بغیر زیادہ دقت اور تردد کے فتح کرلیا۔ اس طرح سے ایک یورپین طاقت کے ہاتھوں میں وہ شہر آگیا جو مدت سے یورپ میں "شہر نامعلوم" کہلایا جاتا تھا۔ کیونکہ معلوم ہوا ہے کہ پچھلے سال سے پیشتر صرف پانچ یورپین سیاحوں نے اسمیں قدم رکھا تھا۔

اس شہر کے فتح ہونے سے بہت بڑے پولٹکل فائدے حاصل ہوئے۔ فرانسیسیوں کا ارادہ ہے کہ ٹمبکٹو اور الجیریہ کو صحراے اعظم کے راستے ریل بنا کر ملادیں۔ اس طرح انکی الجیریہ کی مقبوضات

سے سینیگال اور گیمبیا کی آبادیوں تک براہ راست آمدورفت ہو جائیگی اور تمام سوڈان پر فرانسیسیوں کا اثر اور دباؤ ہو جائیگا۔ لیکن اس کام کے کرنے میں بہت بڑی بڑی دشواریاں ہیں۔ ٹمبکٹو الجزیرہ سے گیارہ سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور وہ ملک جسمیں سے ریل کی سڑک لائی جائیگی ریگستان اور ویرانہ ہے۔ جسمیں کہیں کہیں نخلستان آگئے ہیں۔ تاہم فرانس والوں نے اپنے تصرفات کو ممالک غیر میں وسعت دینے کے شوق میں مستحکم ارادہ کرلیا ہے۔ کہ مال اور جان کا کتنا ہی نقصان کیوں نہو۔ وہ ضرور اس تدبیر کو پورا کرکے رہیں گے۔ فرانسیسیوں کی بڑی آرزو یہ ہے کہ المغرب میں ایک بڑی فرانسیسی سلطنت قائم کریں۔ اور اس آرزو کے پورا ہونے کے واسطے ٹمبکٹو کی فتح بہت مفید بات ہوئی۔ تمام دنیا کے مسلمانوں کو یہ جاننا ضروری ہے کہ اگر فرانسیسی اپنے اس بلند نظری کے ارادے میں کامیاب ہوگئے تو وہ دنیا کے قریباً چہارم حصہ کے مالک بنجائینگے۔ فقط

مترجم سلام الحق

الفقر سواد الوجہ فی الدارین

محتاجی دونوں جہان میں روسیاہی ہے۔ ہمکو معلوم نہیں کہ یہ حدیث ہے یا کسی کا قول مگر اس سے بھی زیادہ خوفناک ایک اور قول ہے جسکی نسبت کہا گیا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے "کاد الفقر ان یکون کفرا" یعنے قریب ہے کہ محتاجی کفر ہوجاے۔ اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ محتاجی سے کافر ہونے تک کا اندیشہ ہے۔ فقر کے معنوں پر جسکا ترجمہ ہمنے محتاجی کیا ہے اور فقیر کے معنوں پر علماء نے بہت لمبی لمبی بحثیں کیں ہیں مگر سیدھے سادے معنی اسکے یہی ہیں کہ جو اپنی اور اپنی عیال کی زندگی کی ضروریات کو پورا نکرسکے وہ فقیر ہے۔ اور یہی

حالت کی نسبت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وکاد الفقران یکون کفراً۔
اسبات کو تو ہر کوئی تسلیم کریگا کہ محتاجی بیشک اس دنیا میں روسیاہی ہے مگر وہ
تعجب کریگا کہ دوسری دنیا یعنی آخرت میں کیوں روسیاہی ہے اور کیوں اسکی اندیشہ
کفر تک پہنچ جانے کا ہے مگر ہم ان دونوں باتوں کی تصدیق اسی دنیا میں دیکھتے ہیں۔ محتاجی
اسی دنیا میں صدہا جرائم کا سبب بنتی ہے۔ محتاج آدمی ضروریات زندگی کے بہم پہنچانے
میں مجبور ہوتا ہے۔ اسکو اور کسی ایسے جرم کرنے سے جس سے اسکی ضروریات زندگی پوری ہوں
تامل نہیں ہوتا۔ حیا اور شرم اس سے جاتی رہتی ہے۔ کسی سے سوال کرنے میں اسکو شرم
نہیں آتی۔ اور رفتہ رفتہ بے ضرورت سوال کرنے اور بھیک مانگنے کی عادت پڑجاتی ہے
مختلف پیرایوں سے اپنی حالت زار لوگوں کو دکھاتا ہے تاکہ کوئی رحم کھا کر اسکو کچھ دیدے
طرح طرح کے حیلہ کرتا ہے۔ سفید پوش بنکر لوگوں سے مانگتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔ فریب کرتا
ہے۔ دغابازی کرتا ہے۔ مقدس بنا اختیار کرلیتا ہے۔ مقدس صورت بنتا ہے۔ مگر اسکی
شکل برائی کی ہوتی ہے۔ یہ تمام حالتیں دونوں جہان میں پوری روسیاہی ہے۔

"کاد الفقران یکون کفراً" کا مصداق بھی ہم اپنی قوم میں پاتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں
کہ بعض مسلمانوں نے ظاہر میں اپنا مذہب چھوڑ دیا ہے اور عیسائی ہوگئے ہیں۔ یہ سمجھنا تو نہایت
مشکل ہے کہ خدائے واحد پر اعتقاد رکھنے والا تثلیث کا معتقد ہوگیا ہو۔ مگر جب تفتیش کیجاتی ہے
تو معلوم ہوتا ہے کہ محتاجی ہی اسکے عیسائی ہونے کا سبب ہے۔ اور ان لوگوں کے حال سے
بخوبی اسبات کی تصدیق ہوتی ہے کہ کاد الفقران یکون کفراً۔ پس جو لوگ کہ دنیا اور کار
دنیا کو ہیچ بتاتے ہیں وہ اپنی قوم کو محتاج ہونے کی راہ سکھاتے ہیں اور قرآن مجید کی اس آیت
کو بھول جاتے ہیں الشیطان یعدکم الفقر

اس تحریر سے ہمارا مطلب صرف اپنی قوم کو محتاجی کی برائی جتانا اور اپنے قوت بازو سے وصول معاش کی رغبت دلانا ہے۔ دنیا کی آسودگی جبکہ اُسکو نیک طریقہ پر کام میں لایا جاوے آخرت کی بھلائیوں کی کنجی ہے۔ تعلیم بلاشبہ سب کاموں کے لیئے مقدم چیز ہے تعلیم ہی سے انسان انسان بنتا ہے پس کس قدر افسوس کی بات ہے کہ انسان بننے کے بعد انسانوں کے سے کام نکلجاویں بلکہ ہاتھ پاؤں چھوڑکر کسی نوکری کے ملنے کی توقع پر جو درحقیقت ایک قسم کی غلامی ہے ست پڑے رہیں ہمارے ملک کے مسلمان تجارت پیشہ نہیں ہیں۔ کیوں نہیں ہیں اسکا جواب بجز افسوس کے اور کچھ نہیں ہے اور اس سبب سے روز بروز کم مایہ اور محتاج ہوتے جاتے ہیں دوکانداری اور پیشہ وری کو وہ اب تک عیب سمجھتے ہیں۔ بلاشبہ وہ معیوب ہوتی ہے جبکہ ناتعلیم یافتہ اُسکو کرتے ہیں اگر تعلیم یافتہ مسلمان اُسکو اختیار کریں اور اپنی تعلیم و تربیت اور نیک اخلاق کو اُسمیں برتتے ہیں تو وہ بجائے عیب کے ہنر تصور ہوتی ہے تمام بزرگان دین جنکو ہم اپنا سرتاج سمجھتے ہیں اور مقتدا اور پیشوا اور مجتہد جانتے ہیں اکثر اُن میں سے دوکاندار اور پیشہ ور تھے۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب معارف میں اُن بزرگوں کی اور جو پیشہ وہ کرتے تھے اُن کی تفصیل لکھی ہے جسکو ہم بیان کرتے ہیں۔

نام	پیشہ
ابو طالبؓ عم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔	عطر بیچتے تھے اور کبھی غلہ بیچتے تھے
ابو بکر صدیقؓ خلیفہ اوّل	بزازی کی دوکان کرتے تھے۔
عثمان خلیفہ ثالث	
طلحہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔	
عبدالرحمن بن عوف جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں	

نام	پیشہ
سعد ابن ابی وقاص جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں	تیر بنا کر بیچتے تھے۔
زبیر ابن عوام جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔	گوشت بیچنے کی دوکان کرتے تھے
عامر بن کریز	
عمرو ابن العاص	
عاص بن ہشام ابوجہل کے بھائی	لوہار کی دوکان کرتے تھے
ولید بن مغیرہ	
عثمان بن طلحہ جسکو رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خانہ کعبہ کی کنجی سپرد کی تھی	درزی کا کام کرتے تھے۔
عوام حضرت زبیر کے والد	
ابوسفیان بن حرب	تیل اور سالن پکا کر بیچتے تھے
عتبہ بن ابی وقاص	بڑھئی کا کام کرتے تھے
امیہ بن خلف	پتھر کی ہانڈیاں بیچتے تھے
عاص بن وایل	گھوڑوں اور اونٹوں کا علاج کرتے تھے
حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ	ریشمی کپڑے بیچتے تھے اور ریشمی کپڑے بنوانے کا کارخانہ رکھتے تھے۔

اسی طرح بہت سے اشراف عرب ہر قسم کا پیشا اور ہر قسم کی دکانیں کرتے تھے۔ پس کسقدر افسوس ہے کہ ہم اس زمانے میں پیشہ کو عیب سمجھیں۔ پیشہ کو عیب سمجھنا ہم مسلمانوں نے ہندوستان میں اگر ہندوؤں سے سیکھا ہے۔ ہندوؤں میں قدیم زمانے سے پیشوں کی تفریق تھی اور جو شخص جو

پیشہ کرتا تھا اُس کے نام سے مشہور تھا اور گویا وہی پیشہ اُس کی ذات ہو جاتی تھی۔ اور وہ اشرافوں سے کم درجے کا سمجھا جاتا تھا۔ یہی خیال مسلمانوں نے بھی لے لیا ہے حالانکہ پیشہ کرنا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ بشرطیکہ پیشہ اختیار کرکے اپنے اخلاق اور عادات اور تعلیم و تربیت کو اس طرح پر خراب نہ کر دیں جس طرح کہ ہندوستان کے پیشے والوں نے خراب کیا۔

ہم اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہیں کہ سب سے اول وہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کریں جس میں اسلام کے ضروری عقائد اور موجودہ زمانے کی ضروریات کے مناسب دنیاوی تعلیم شامل ہو اور اپنے اخلاق اور عادات کو عمدہ کریں راست بازی و ایمانداری دیانت و امانت میں کامل ہوں۔ یہی وہ صفات ہیں جن سے انسان انسان ہوتا ہے۔ پھر غلامی یعنے کوئی نوکری کے ملنے کی توقع پر سست نہ پڑے رہیں بلکہ اپنی ہمت اور جرأت کو کام میں لاویں اور اشرافانہ طور پر کسی قسم کے پیشوں کے اختیار کرنے پر متوجہ ہوں خواہ کسی قسم کی تجارت اختیار کریں تجارت اختیار کرنے میں روپیہ کی کمی نہیں ہے بشرطیکہ لوگوں کو انکی ایمانداری دیانت و امانت مستعدی اور سلیقہ پر طمانیت ہو فقط

[illegible]

بقای روح کا ایک تاریخی ثبوت

آج کل کے بعض مغربی تعلیم یافتہ جنکو نو تعلیم یافتہ ہی کہتے ہیں ایک عجیب قسم کے وہمی مرض میں مبتلا ہیں۔ اُن کے نزدیک نہ کوئی خدا ہے اور نہ روح۔ خدا اُن کے نزدیک اب بوڑھا ہو چکا ہے اور روح کی ہستی اور بقا کا خیال جو محض جہالت پر مبنی تھا اب علم کی

روشنی کے سامنے تاریکی کی طرح غائب ہوگیا ہے۔ اگر پوچھیں کہ کس علم یا کن دلائل کی رُو
سے اُنہوں نے ان نہایت ہی ادق باتوں کا ثبوت بہم پہنچایا ہے تو انکو اس بات کے
کہنے میں ذرہ بھی تامل نہ ہوگا کہ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ مسٹر بریڈلا جیسا فاضل
اجل نہ خدا کو مانتا تھا اور نہ روح کو۔ مسٹر گیٹ نے روح کے عدم وجود پر لاجواب دلیلیں پیش
کی ہیں اور مسٹر فاکس نے تو قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ خدا نے انسان کو پیدا نہیں کیا ہے
بلکہ انسان نے خدا کو پیدا کیا ہے۔ اگر آپ ذرا اور گہری نگاہ ڈالیں اور اس بات کے تفتیش
کی جرأت کر سکیں کہ کبھی ان حضرات نے مسٹر بریڈلا اور گیٹ اور فاکس کی تصنیفات کو پڑھا
یا دیکھا ہے۔ تو آپ کو اس بات کے علم سے بہت ہی بڑا تعجب ہوگا کہ ان میں سے ننانوے
فیصدی ایسے ہوں گے جنہوں نے بڑے بڑے فلاسفروں کے نام سننے کے سوائے اور
کسی قسم کی واقفیت اُن کی تصنیفات سے پیدا نہیں کی اور وہ اُن کی تصنیف کردہ کتابوں
کے نام تک بھی نہیں جانتے پڑھنا اور دیکھنا تو درکنار۔ اب اس سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل جائز
ہے کہ یہ لوگ بڑے بڑے یورپین فلاسفروں کے تتبع کو اپنا فخر سمجھیں گے سوائے اپنے عجیب
اعتقادات کے لئے اور کوئی دلیل نہیں رکھتے۔ اگر کسی شخص نے اپنا پورا وقت اور عقل اور
دماغ صرف کرنے کے بعد یہ کہا ہوتا کہ اُس کے نزدیک نہ خدا کا وجود ثابت ہے اور نہ روح کی ہستی
متحقق ہے تو ہمیں اُس پر کسی قسم کا اعتراض کرنے کا موقع نہ ملتا اور ہم انصافاً اُس کے اعتقاد کو
اُن لوگوں کے اعتقادات پر ترجیح دیتے جو جہالت کو ایمان قوی سے تعبیر کرتے ہیں اور لکیر کا
فقیر ہونا مومن کی سب سے بڑی نشانی خیال کرتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو کسی بڑے فلاسفر
کا ہمخیال ہونا اپنا فخر جانکر اپنی کاہلی اور بے پروائی اور کند ذہنی سے اسقدر بڑے
مسئلے پر غور نہیں کرتے اور پھر وجود باری اور بقائے روح کا قطعی انکار کرتے ہیں وہ نہایت ہی

ادنے طبقے کے لوگ ہیں اور اس قابل نہیں کہ سوسائٹی اُنکا کسی قسم کا اعزاز کرے خواہ وہ کتنے ہی دولت والے اور علم والے کیوں نہ ہو جائیں۔

اس مہینے کے پرچہ تہذیب الاخلاق میں ایک مضمون چھپا ہے جسمیں بیان کیا گیا ہے کہ یورپ کے حکماے علوم طبعیہ نے تجربوں سے اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے جسم سے اور روح سے۔ جسم فانی ہے اور روح غیر فانی۔ روح جو غیر مادی ہے جسم کے بعد رہتی ہے اور اپنے آپ کو ایسا ہی جانتی ہے جیسا زندگی میں انسان اپنے تئیں جانتا ہے۔ اور جو اعمال انسان نے اپنی زندگی میں کیے ہوں روح بعد میں ان سے متاثر ہوتی ہے۔ اب تک اس قسم کی کوئی کتاب تو ہماری نظر سے نہیں گذری۔ صرف سنی سنائی بات ہے کہ تجربے بھی ہوئے ہیں اور کتابیں بھی لکھی گئی ہیں لیکن ہم کوارٹرلی ریویو کی ایک پرانی جلد میں سے ایک مثال روح کی بقا کی بطور تاریخی ثبوت کے پیش کرتے ہیں جس سے یہ ثابت ہو جائیگا کہ روح دراصل ایک باقی رہنے والی چیز ہے اور اپنے زندگی کے اعمال سے متاثر بھی ہوتی ہے اور اپنے تئیں بخوبی جانتی بھی ہے اور بے مادے کی مدد کے کام بھی کر سکتی ہے۔

صوبہ سڈنی واقع براعظم آسٹریلیا میں جہاں اب یورپ کے مہذب باشندے آباد ہیں سنہ ۱۸۲۳ع میں ایک عجیب واقعہ ہوا جسکا تحریری ثبوت اب تک قانونی رپورٹوں میں موجود ہے اور جسکا تذکرہ اُسوقت کے اخبارات میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ ایک دفعہ کسی بڑے دولتمند نوآباد انگریز زمیندار کے معتبر کارندے نے مشہور کر دیا کہ میرے آقا کو ضروری کام کی وجہ سے یکایک انگلستان کا سفر اختیار کرنا پڑا اور اپنی تمام جائداد و زمینوں کا انتظام اپنی غیبت میں میرے سپرد کر گئے ہیں۔ چند ہفتہ بعد اُس زمیندار کا ایک دوست

گھوڑے پر سوار اُس کی زمین میں سے گذرتے وقت دیکھتا کیا ہے کہ اُسکا دوست جسکو وہ خیال کر رہا تھا کہ سمندر کا سفر طے کر رہا ہوگا ایک جھاڑی کے اندر گھسا بیٹھا ہے وہ اپنے دوست کو موجود پاکر سخت متعجب ہوا اور ملاقات کی خاطر اُس کی طرف بڑھا۔ جب وہ اُسکے قریب پہنچا تو حسب معمول سلام کیا لیکن اُسکا دوست بجائے سلام کا جواب دینے کے نہایت ہی افسردہ اور افسوسناک چہرہ بنا کر اُس کی طرف سے پیٹھ پھیر کر چل دیا۔ اُس نے خیال کیا کہ میرا دوست کسی وجہ سے مجھ سے ناراض ہے اس لئے اُسکو منانا لازم ہے اس خیال سے وہ گھوڑے سے اُتر کر اُس کے پیچھے پیچھے چلدیا۔ جب اُسکا ناراض دوست ایک بڑے تالاب کے قریب پہنچا تو یکایک سایئے کی طرح کہیں غائب ہو گیا یہ اور بھی متعجب ہوا اور اُسی وقت جاکر پولیس میں اطلاع کی۔ پولیس نے جب تلاش کیا تو تالاب میں سے اُسی دولتمند زمیندار کی لاش نکل آئی۔ کارندہ پکڑا گیا۔ پیشتر اس سے کہ اُس سے کسی قسم کا سوال کیا جاتا اُسنے اپنے مقتول آقا کی روح کی عجیب کارروائی سنکر مارے ڈر کے خود بخود اقرار کر لیا کہ میںنے اُسی جھاڑی کے قریب اپنے آقا کو قتل کیا تھا اور اُسی راستے پر سے جس سے روح نے اپنے دوست کی رہنمائی کی لاش اُٹھا کر تالاب میں پھینکنے کے لئے لے گیا تھا۔

ہمارے پاس اسی قسم کی تین چار اور مثالیں ہیں جو مشہور و معروف ہیں لیکن چونکہ اُنکا تحریری ثبوت ہمارے پاس موجود نہیں لہٰذا نظر انداز کی جاتی ہیں۔

عبد اللہ

کیا روح محض ایک برقی طاقتوں کا مجموعہ ہے

اس قسم کے بہت سے نوٹ اردو اخبارات میں پائے جاتے ہیں اور ان میں سے بعض کے نزدیک تو یورپ کے فلاسفروں نے روح کو قطعی برقی قوتوں کا مجموعہ ثابت کر دیا ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اردو اخبارات نے اس مسئلے کو خود گھڑا ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ ان کو فلاسفر کے اقوال سمجھنے میں بعض اوقات سخت مغالطے ہوتے ہیں۔

انگریزی میں دو الفاظ ہیں جو مختلف معنوں میں آتے ہیں لائف اور سول جنکا ترجمہ ہم اردو میں حیات اور روح کرتے ہیں۔ لایف (حیات) کو واقعی فلاسفر برقی قوتوں کا مجموعہ ثابت کرنے کی بہت مدت سے کوشش کر رہے ہیں یہاں تک کہ سر آئزک نیوٹن اپنی کتاب کے اخیر فقرے میں بیان کرتے ہیں کہ کوئی زمانہ ایسا آجائیگا کہ جب برق۔ روشنی۔ حرکت اور لائف یہ سب ایک ثابت ہو جائینگی۔ سائنس کو یہاں تک تو کامیابی ہو گئی ہے کہ برق اور روشنی کا منبع حرکت کو ثابت کر دکھایا ہے یعنی یہ دونوں حرکت کی مختلف درجے ہیں مثلاً برق اُسوقت پیدا ہوگی جب ایک مادی شے دوسری مادی شے کو فی سیکنڈ ایک خاص درجے کی حرکت دیگی اور اسی طرح روشنی بھی ایتھر کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ ابھی تک زیر بحث ہے کہ آیا لائف بھی حرکت کا ایک خاص درجہ ہے یا کوئی اور چیز اگر کوئی فلاسفر اس بات کو ثابت کر دیگا تو اس سے بڑھ کر اور کوئی کامیابی نہ سمجھی جائیگی۔ لیکن ابھی تک کسی نے بھی کامیابی کا مونہہ نہیں دیکھا۔

اب اگر بالفرض ہم لائف کو برقی طاقتوں کا ایک مجموعہ قرار دیں تو ہماری روح پھر بھی قائم رہیگی۔ روح وہ چیز ہے جو لائف پر حاکم ہے اور اُسکی سب سے بڑی صفت ہے ارادہ کرنا۔

برقی طاقتوں کا مجموعہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ایک مشین یعنی کل کہی جائے۔ مشین میں کام کرنے کی قابلیت تو ضرور ہوگی لیکن خود بخود کام کر نہیں سکتی۔ وہ چیز جو اس برقی طاقتوں کے انجن کو چلاتی ہے ہم اسکو روح کہتے ہیں اور وہ ایک بڑے سے بڑے زمانہ آیندہ کے فلاسفروں کے لئے بھی ایسا ہی راز سربستہ رہیگا جیسا کہ آج سے چار ہزار برس پہلے ایک گڈریئے کے لئے تہا۔

عبد اللہ

مسٹر والس سابق پروفیسر مدرسۃ العلوم

کی

یادگار قائم رکھنے پر رائے

ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد اگر خارے بود گلدستہ گردد

حبیب اللہ خاں صاحب کا آرٹکل جو کہ میگزین کے پرچہ ۸ اکتوبر میں عنوان بالا سے چھپا ہے درحقیقت ایک قابل غور اور ضروری کام سے تعلق رکہتا ہے۔ چونکہ ہر شخص جو کہ اس سے ذرہ برابر بہی دلچسپی رکہتا ہے اجازت دیا گیا ہے کہ اپنی آزادانہ رائے ظاہر کرے لہذا تحریک ذیل چند کالج کے موجودہ طلبا کی رائے سے کیجاتی ہے۔ سب سے اول یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دو باتوں کا فیصلہ کیا جائے

(۱) یعنے۔ آیا ہمکو صرف اپنے پرانے طالب علموں سے مالی اور عملی امداد کی استدعا کرنی چاہیے یا ہر شخص سے جو کہ مسٹر والس کے نام سے دلچسپی اور اُن کی یادگار قائم رکہنے کا خواہاں ہے۔

[redacted]

ہماری راے میں اس کار خیر میں کسی قسم کا خاص امتیاز نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ کیا وجہ ہے کہ ہم لوگ یعنی کالج کے موجودہ طالب علم اگرچہ بحیثیت آزادی او تجربہ کے کسی شمار میں نہیں تاہم اپنے بزرگ۔ معزز۔ پرجوش۔ سرآوردہ۔ فخر قوم پرانے طلبا کی خوشنودی او احکام کو اپنا فرض عین سمجھکر حتی الامکان انجام دینے کی کوشش کیوں نہ کریں۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ آج کل کالج میں بہت کم ایسے طالب علم ہوں گے جنکو کہ مسٹر والس کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ مگر ایسے سیکڑوں ہیں جو کہ اس نام کو بوجہ اُس افسر کی نیک دلی کے ابتک عزت سے لیتے ہیں۔

پس کشش و پیچ کا کوئی موقع نہیں اور نہ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بھائیوں کے کمزور باتوں کو ناقابل سمجھکر جھنک دیں یا اُس جوش کو جو کہ بہت تیزی سے اُنکے دلوں میں موجزن ہے روک دیں۔ بلکہ اُن کے ارادوں کو اپنے تجربہ اور عقل کی پرتاثیر اصلاح سے چمکائیں۔ تاکہ آیندہ بڑے بڑے کام کرنے کی ہمت کریں۔

(۲) امر یہ ہے کہ اُس سرمایہ کو جو کہ مسٹر والس کی یادگار قائم کرنے کے لیئے جمع کیا جاے ایسے کام میں صرف ہو جس سے کہ مسٹر والس کو مناسبت تھی اور اس طریقے سے طلب کیا جاے کہ اُسکے مہیا کرنے میں دقت نہو۔

سب سے پہلے یہ بات تنقیح طلب ہے کہ مسٹر والس کی مناسبت کس طرف ہو سکتی ہے اگر واقعی یہ امر قابل غور ہے تو ہم اپنی ازادانہ راے سے ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ مسٹر والس کا زیادہ تر رجحان مزاج ہم لوگوں کی جسمانی ورزشوں کی طرف تھا اور اُن میں سے خاصکر "کرکٹ" کے ساتھ۔ اب اگر ہماری راے کسی طرح پر بھی درجہ قبولیت تک پہنچ سکتی ہے تو ہم کہینگے کہ ایک "گیلری" کرکٹ فیلڈ میں بنائی جائے اور "والس گیلری" کے نام سے موسوم ہو۔

اس طریقہ سے ہمارے مربی کا نام بھی قائم رہیگا۔ اور ایک ضرورت کی چیز بھی طیار ہوجائیگی۔ کرکٹ فیلڈ بارونق ہوجائیگا اور اس عمارت کی درودیوار سے سالہا سال تک وہ فرحت افزا بو آیا کرے گی جس سے اُن لوگوں کے دل و دماغ تازہ ہوجائیں گے جو کرکٹ کے شائق ہیں۔ یا وہ لوگ جو کہ اپنے خیر خواہان قدیم کا تذکرہ بے انتہا مسرت کے ساتھ سنتے ہیں۔ یا اپنی محنتوں کی داد چاہتے ہیں اور اپنے افعال کو پسندیدہ کرنے کے لئے طرح طرح سے مزین کرتے ہیں یا ایک بڑے آدمی کو اپنا ہم خیال دیکھکر خوش ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مگر اس کے ساتھ ہی ہمکو سوچنا چاہیئے کہ اگر یہی روش اختیار کی گئی تو خاطر خواہ کامیابی ہوسکتی ہے کہ نہیں۔ ہماری رائے میں ہمارے منشائے دلی کے لئے یہ سب سے کم قوت کامیابی بخش منصوبہ ہوگا۔ کیونکہ نہ صرف کالج اسٹاف و طلباء مدرسہ بلکہ رؤسائے شہر و حکام اسٹیشن بھی (جو کہ مسٹر والس کے نام سے آشنا ہیں) کرکٹ کی امداد بخوشی کریں گے۔ جس سے کہ ہمارے ارادوں کو زیادہ وسعت کے ساتھ کامیابی ہوسکتی ہے۔ مگر اس کام میں زیادہ تر عملی کوشش درکار ہے اور چند پرجوش نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ اگر ہمارے مولانا طفیل احمد صاحب و حبیب اللہ خاں صاحب بی۔ اے۔ ذرا کوشش کریں (اور یقین ہے کہ ضرور کریں گے۔) تو مولوی سراج احمد جیسے دریا دل بیسیوں ہیں لوگوں میں سے پیدا ہوجایں گے۔ رہا یہ کہ جو خدمات اس کام میں ہمارے سپرد کی جائیں گی ہم انکو بسر و چشم قبول کریں گے۔ اور ہر ایک نئی تحریک پر وقتاً فوقتاً اپنی رائے ظاہر کیا کریں گے۔

خاکسار عظمت اللہ

طالب علم مدرسۃ العلوم علی گڈہ

آج سے دو صدی پیشتر عیسائیوں کی طبابت اور اُسکا مقابلہ مسلمانوں کی طبابت سے۔ (از اسلامک ورلڈ لورپول)

ہمارے انگلستان میں بہت سے آدمی ہمیشہ سے گذشتہ زمانے کے ثناخواں پائے جاتے ہیں اور پُرانے علوم و فنون کی اسقدر تعریف کرتے ہیں کہ گویا پرستش کے درجے تک پہنچا دیتے ہیں۔ اُنمیں سے بعض اپنے مذاق اور مناسبت سے خاص خاص علوم پر شیدا ہوتے ہیں لیکن اُنکا ذہن اسطرف کبھی منتقل نہیں ہوتا کہ اگر پرانے زمانے کے علوم و فنون سے آج کام لیا جائے تو وہ اُن کے حق میں کس قدر مضرت کا باعث ہوں گے۔ مثلاً اگر ہم آج سے دو صدی پہلے طبی نسخجات اور معالجات پر نظر ڈالیں تو بجز تعجب کے اور کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔ اُن نسخوں کو دیکھکر حال کے کیمیا داں سخت متحیر ہوتے ہیں۔ جن مصیبت زدہ بیماروں کا ان نسخجات سے علاج ہوتا ہوگا اُنکا خدا ہی حافظ ہوگا۔ اُس زمانے میں سانپ کینچوے اور کیڑے مکوڑے اور مینڈک بہت استعمال کیئے جاتے تھے۔ ان غلیظ حشرات الارض کا کسی طرح سے استعمال ہوتا تھا۔ کبھی ان کی راکھ بیمار کو کھلائی جاتی تھی۔ کبھی انکو سُکھا کر اُنکا میدہ بنایا جاتا تھا اور کبھی یوں ہی پکا کر کھلا دیتے تھے بیمار ان مکروہ اور زہریلی چیزوں کو کھانے کے لئے مجبور کیئے جاتے تھے۔ کیونکہ اُس زمانے میں ان بے بہا ادویات کے سوائے اور کوئی دوا ہی نہ تھی۔ جان بیٹ نے اپنی کتاب سٹر زآف نیچر اینڈ آرٹ میں لکھا ہے کہ کیچڑ کا کیڑا خواہ وہ زندہ ہو یا سوکھا نکسیر کے لیئے اکسیر ہے اور نیز اگر ایک کیڑے کو کسی بیمار کے گلے میں لٹکا دیں تو اُسکو شفا ہو جائیگی۔ کیونکہ کیڑے کے ڈر سے بیمار کے خون کی حرکت بدل کر دل کی طرف عود کریگی اُس مصنف نے فتق کا علاج جو تجویز کیا ہے وہ بھی خالی از تعجب نہیں کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ

کیچوؤں کی خاکستر اگر بیمار کو سفید شراب میں ملا کر اٹھارہ روز تک پلائی جائے تو یقینی فائدہ دیگی۔ باؤلے کتے کے کاٹنے کا علاج بھی عجیب ہے پہلے تو پیشاب سے زخم کو دھو ڈالیں اور پھر دو کبوتروں کو ٹھیک بیچا بیچ چیر کر اگر بازو میں کاٹا ہو تو گرما گرم ہاتوں میں رکھیں اور اگر ٹانگ میں کاٹا ہو تو پاؤں پر رکھیں۔ مکلس چقماق کا عرق باؤ گھٹنے کے درد کے لیئے ازحد مفید سمجھا جاتا تھا۔

لارڈ رتھون اپنی کتاب لیدپنکبی نٹ میں لکھتے ہیں کہ کیڑوں کا تیل جوڑوں کے درد کے لیئے اور نیز چوٹ کے لیئے ازحد مفید ہے۔ بعض بیماریوں میں خرگوش کے پاؤں کی راکھ اور بعض کے لئے سرخ گائے کا دودھ مفید خیال کیا جاتا تھا۔

ڈاکٹر جان فریخ نے متعدی بیماریوں کا علاج گلی ما اللحم انسان تجویز کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر ممی یعنے انسان کے خشک اور سخت جسم میں سے چار اونس گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر اسکو ٹرپنٹائن کی شراب کے دس اونس میں ڈال کر برتن کا مونہہ بند کر دیں ایک ماہ بعد جب ان دونوں کی آپس میں آمیزش شروع ہو جائے تو برتن کا مونہہ کھولدیں اور ایک ماہ تک اور اسی طرح رکھیں اور انکو ملا کر شراب کو بالکل اڑا دیں یہاں تک کہ برتن کے تلے ایک قسم کا تیل سا باقی رہجائے۔ یہ تیل ان کے نزدیک تمام متعدی بیماریوں کے لیئے تریاق کا اثر رکھتا ہے۔ ڈاکٹر ایڈورڈ ہوبنسٹ نے ما اللحم انسان کی ترکیب میں ایک نہایت ہی موٹے تازے نوجوان کا چار پونڈ گوشت تجویز کیا ہے اور یہ نوجوان ایسا ہونا چاہیئے جسنے ماہ اگست کے وسط میں خودکشی کی ہو۔

ابابیلوں کا ست۔ کیکڑوں۔ انڈوں اور ہڈیوں کا تیل۔ کیکڑوں کی آنکھوں اور مینڈک کے انڈوں کا تیل اور نیز کنکھجورے کا تیل بہت مصفی خون خیال کیئے جاتے ہیں۔ کسی نوجوان

آدمی کے خون کا ست بہت مفید سمجھا جاتا تھا اور سر کے بڑھانے کا مجرب علاج تھا۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان دواؤں کا استعمال اس زمانے میں بالکل انگلستان سے جاتا رہا ہے۔ دس بارہ برس کا عرصہ گذرا ہے کہ ایک دوا ایجاد کی گئی تھی جسکی بڑی قدر کیجاتی ہے اور باعث فخر سمجھی جاتی ہے۔ اس دوا کا جزو اعظم آدمی کے بال خصوصاً کالے رنگ کے ہیں اور ایک تندرست اچھے ہاضمے والی عورت کے بال تو بیحد مفید خیال کیئے جاتے ہیں۔ انگلستان کے دیہات میں اب تک بال بچوں کا علاج کیڑے مکوڑے کیچوئے ہی زیادہ تر ہے۔

اب ہم ان عجیب دواؤں کا مقابلہ اُن ادویات سے کرتے ہیں جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج سے تیرہ سو برس پہلے استعمال کیں اور دنیا کو سکھائیں۔ ایک نہایت ہی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول خدا نے کہا دکھہ جہاں میں نہیں کوئی ایسا کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا۔ ہر ایک درد کے لئے دوا ہے اور جب وہ دوا درد کی جڑ تک پہنچ جاتی ہے تو درد رفع ہو جاتا ہے بعون اللہ تعالے۔

چار قسم کے علاج رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائے ہیں جو بیماری کو روکتے اور درد کو آرام دیتے ہیں۔ فصد کرانا اور مناسب دواوں کا پینا۔ اور داغ دینا اور بیمار کے کھانے پینے میں پرہیز رکھنا۔ فصد انگلستان کے ڈاکٹروں کے نزدیک تمام جسمی امراض کا ایک عام علاج ہے لیکن آنحضرت نے اسکو چند بیماریوں کے لیئے محدود رکھا ہے۔ سلمہ کا بیان ہے کہ اگر دوران خون کی وجہ سے کسی کے سر میں درد ہوتا تو آنحضرت سر یا کندھوں کی فصد کا حکم دیتے تھے اور ایک بار آپ کی ران مبارک میں درد ہوا تو آپ نے بھی فصد کھلوائی تھی۔

فضل حسین

داغ دینے کا عمل عموماً زخموں کی حالت میں ہوتا تھا یا سانپ اور بچھو کے کاٹنے کی حالت میں۔ بعض نو مسلم باعث ابتدائی جوش کے دوا کے استعمال کو برا بتاتے تھے اور کہتے تھے

کہ یہ تقدیر ربانی کے بالکل خلاف ہے۔ سب لوگوں نے مل کر پوچھا کہ اے رسول خدا کیا ہم دوا کا استعمال کریں یا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اے بندگان خدا دوا کا استعمال کرو کیوں کہ خدا نے سوائے بڑھاپے کے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی جس کے ساتھ اُسکا علاج بھی نہ پیدا کیا ہو۔ ادویات میں سے اکثر کالے دانے اور شہد کا زیادہ استعمال ہوتا تھا۔ جلاب میں سنا کا زیادہ استعمال ہوتا تھا اور کشش بحری کوئے کے زیادہ بڑھ جانے اور حلق کے خراش کا علاج تھا۔ عود ہندی کا جوشاندہ ذات الجنب میں دیا جاتا تھا۔ اور خناق میں اُسکی ناس کا استعمال ہوتا تھا۔ بخار میں ایک خاص مقدار تک سرد پانی کے پینے کی اجازت تھی۔ بحری اور زیتون کے تیل کی مالش ذات الجنب والے کے سینے پر کی جاتی تھی۔ بچھو یا کنکھجورے کے کاٹے کا زخم گرم پانی سے نمک ملا کر دھو دیتے تھے اور آگ سے جل جانے کا علاج حنا تھی۔

یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا کا یہ خیال تھا کہ اکثر بیماریاں معدے کی خرابی سے ہوتی ہیں تمام مومنوں کو بسیار خواری سے منع فرمایا ہے "سب سے بڑا برتن جو انسان بھر سکتا ہے وہ وہ اُسکا پیٹ ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ کبھی حد سے زیادہ معدے پر بار نہ ڈالے۔ معدے کا ایک تہائی حصہ طعام سے بھرنا چاہیئے اور تہائی پانی وغیرہ مائعات سے اور تہائی بالکل خالی خالی رکھنا چاہیئے تاکہ ہاضمہ ٹھیک عمل کر سکے۔"

بیمار داری کے طریقے مقررہ تھے۔ بیمار کے لیئے امن و آرام بہت ضروری تصور کیا جاتا تھا۔ بیمار کو اپنی رغبت اور خواہش سے زیادہ کھلانے کی ممانعت تھی۔ بیماروں کو پانی پینے میں اعتدال کی بھی سخت تاکید تھی۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گنڈے۔ تعویز اور نامناسب تعصب آلود دواؤں

کی سخت ممانعت کی ہے۔ ایک بڑا طبیب اسلام لانے سے پہلے بہت سی خیالی اور بیہودہ دواؤں کا معتقد تھا جیسے دو صدی پہلے عیسائی تھے۔ جب اسلام لایا تو اُس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ مینڈک کا تیل استعمال کیا جائے یا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت ممانعت کی اور فرمایا کہ یہ کفر اور جاہلیت کی رسم ہے ایک صحابی نے آنحضرتؐ کی ڈاڑھی کے بال جمع کر کے اُن میں پانی ملا کر ایک جزامی کو پینے کے لیئے دیا تاکہ بالوں کی برکت سے اُسکو شفا ملے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سُنکر ناراض ہوئے اور بالوں کو منگوا کر لوگوں کے سامنے جلا دیا اور فرمایا "اے میری اُمت کی لوگو یہ ضرور ہے کہ تم زمانۂ جاہلیت میں جادو اور گنڈوں کا استعمال کرتے تھے لیکن اب تمکو اللہ تعالے نے اچھا راستہ بتایا ہے۔ اب تم وہ دوائیں اور بوٹیاں استعمال کرو جو تجربے سے مفید ثابت ہوئی ہیں علاج کرو اور اللہ تعالے سے شفا کی دعا مانگو اور تعویذات اور گنڈوں کا مطلق اعتبار نکرو اور نہ کوئی خدا کا شریک بناؤ۔"

تازہ ایجاد

آج کل جو ترقی علوم و فنون میں دانایان فرنگ کر رہے ہیں۔ انہیں سنکر اور دیکھ کر قدرت خدا یاد آتی ہے۔ اور حیرت ہوتی ہے کہ انسان ضعیف البنیان سے کیونکر ایسی تعجب انگیز کام ظہور میں آتے ہیں جنکو اگر معجزہ اور کرامت کہیں۔ تو بیجا نہیں۔ کیسل میگزین کے گذشتہ پرچہ میں ایک مضمون چھپا ہے جسمیں لکھا ہے کہ Amsnulz مسٹر امینٹلر نامی ماہر اعمال برقی نے امریکا میں ایک جدید آلہ ایجاد کیا ہے جس کے ذریعے سے توسل قوت برقی عکسی تصویر کی نقل ایک مقام سے دوسرے مقام کو بھیجی جا سکتی ہے۔ اس پرچہ میں آلۂ

مذکورہ کی پوری تصویر دی ہوئی ہے اور اُس کے استعمال کی مفصل ترکیب درج ہے۔ یہ آلہ فوٹوگرافی اور ٹیلیفون دونوں کے مشترک اُصول پر بنایا گیا ہے۔ تصویر ایک لیس دار گاڑھے مصالحہ پر جمادی جاتی ہے۔ اور اُسپر سے برقی تاروں کے ذریعہ سے مقام مقصود پر اُسکی نقل پہنچ جاتی ہے۔ نقل اصلی تصویر کے مانند صاف اور درست نہیں ہوتی۔ لیکن الکڑو ٹاوٹ کے ذریعہ سے اُسے بآسانی ٹہیک کر سکتے ہیں۔ اور اُسمیں کچھ زیادہ دقت اٹھانی نہیں پڑتی۔ موجد موصوف نے اپنی اس ایجاد کا نام آرٹوگراف رکھا ہے۔ اس سے امید ہے کہ عکسی تصویریں اور مقامات کے نقشے بہت تھوڑی دیر میں دور دور بھیجے جا سکیں گے اور نیز یہی آلہ چاندی سونے وغیرہ نرم دہاتوں پر کندہ کرنے کا کام دے سکے گا۔

خدا ہمکو وہ دن بہی نصیب کرے کہ اسی طرح ہم اپنے ہم ملک بہائیوں کی ایجادات اور اختراعات کو تعجب اور وقعت کی نظر سے دیکھیں۔"

لا کلاس ایم۔ اے۔ او کالج علیگڈہ

بہ اتفاق راے جناب پرنسپل صاحب و جناب لا پروفیسر صاحب سنہ ۱۸۹۵ء سے سنہ ۱۸۹۶ء کے لا کلاسوں کے لیے مفصلہ ذیل تاریخیں قرار دی گئی ہیں۔

نومبر سنہ ۱۸۹۵	۴ نومبر	سے	۱۵ نومبر تک (دونوں دن شامل)
دسمبر سنہ ۱۸۹۵	۲ دسمبر	سے	۱۴۔ دسمبر تک
جنوری سنہ ۱۸۹۶	۶ جنوری	سے	۱۷ جنوری تک
فروری سنہ ۱۸۹۶	۳ فروری	سے	۱۴ فروری تک
مارچ سنہ ۱۸۹۶	۲ مارچ	سے	۱۳۔ مارچ تک
اپریل سنہ ۱۸۹۶	۶ اپریل	سے	۱۷۔ اپریل تک
مئی سنہ ۱۸۹۶	۴ مئی	سے	۱۵۔ مئی تک
جولائی سنہ ۱۸۹۶	۶ جولائی	سے	۱۱۔ جولائی تک

اطلاع

ہمارے ناظرین کو معلوم ہونا چاہیے کہ کالج میگزین کے اہتمام کے جدا جدا صیغے ہیں۔ جو صیغہ مجھ سے متعلق ہے وہ صرف اُردو اڈیٹری کا ہے۔ پرچوں کے بھیجنے اور خریداروں سے خط کتابت کرنیکا کام مینیجر سے متعلق ہے۔ اس لیے جن صاحبوں کو اس قسم کے امور کے متعلق کچھ لکھنا ہو وہ مینیجر سے خط و کتابت کریں۔ مجکو اس صیغے سے کچھ واسطہ نہیں ہے

(شبلی نعمانی)

مطبوعہ محمدن پریس علی گڈھ

محمدن اینگلو اوریئینٹل کالج میگزین

جلد ۲ | یکم ماہ اکتوبر سنہ ۱۸۹۵ ع | نمبر ۱۰

فہرست مضامین

صرف اُردو

علیگڈہ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتاز الدین کے اہتمام سے چھپا

کالج میگزین

قریباً چار برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اردو ملا ہوا — علیگڈہ کالج سے نکلنا شروع ہوا — اول اول وہ علیگڈہ انسٹیٹیوٹ کا ضمیمہ بن کر نکلتا رہا — لیکن سنہ ۱۸۹۴ع میں اس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی — اس کے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے — اور اس وجہہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپی نہ تھی *

اس خیال سے اس کے منتظمون نے اس کو زیادہ وسعت دینی چاہی کہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جائے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ — مسلمانوں کے علوم و فنون — تاریخ اور لٹریچر کے متعلق مفید اور پر زور مضامین لکھے جائیں — اس غرض سے اس کے ۲۴ صفحہ بالکل اردو کے لئے مخصوص کردئے گئے — اور اس صیغہ کا اہتمام خاص میری سپردگی میں دیا گیا میں اس رسالہ کے ترقی دینے میں حتی الامکان کوشش کرونگا *

ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی — نواب محسن الملک — مولوی نذیر احمد — اور ماشی ذکاءاللہ — وغیرہ بزرگوں نے اس میں مضمون لکھنے کا وعدہ کیا ہی — اور اہل قلم بھی اگر اس کی اعانت فرمائینگے تو ہم نہایت فخر کے ساتھہ قبول کرینگے *

ہم کو امید ہی کہ ہندوستان کی اسلامی جماعت خریداری سے اس کی اشاعت میں مدد دیگی — میگزین کے کل صفحات ۴۰ ہیں اور قیمت مع محصول ڈاک — (۸) *

شبلی نعمانی — پروفیسر

مدرسۃ العلوم علیگڈہ

ریویو

السفر الی المؤتمر

پر

اسلام کی اُن وسیع آبادیوں میں جو مشرق سے لیکر مغرب تک پہیلی ہوئی ہیں۔ اگرچہ قومیت کا۔ نسل کا۔ شکل و صورت کا۔ رسم و رواج کا۔ عادات و خصائل کا سخت اختلاف پایا جاتا ہے لیکن یہ تعجب اور سخت تعجب کی بات ہے کہ ترقی اور تنزل کی سطح ہر جگہ قریباً یکساں ہی مثلاً ہندوستان کی جو یہ حالت ہے کہ چند برس پہلے تمام قوم پر ایک عام غفلت طاری تہی۔ تقلید اور رسم و رواج نے قوم کا رُواں رُواں جکڑ رکہا تہا۔ آزادی اور بلند خیالی کی روح فنا ہو گئی تہی۔ پہر مغربی تعلیم کے اثر نے ایک خفیف جنبش پیدا کی۔ لوگ آہستہ آہستہ جاگنے لگے روز بروز اپنی پستی اور تنزل کا احساس ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اب ملک کے ہر حصہ میں ترقی کی پکار ہے۔ اور ہر طرف جوش کا ایک نیا عالم نظر آتا ہے۔ تاہم اب تک جو کچہ ہوا ہے وہ زیادہ تر زبانی باتیں ہیں۔ جو کچہ کہا جاتا کیا نہیں جاتا۔ جسقدر زبان میں زور ہے ہاتہ میں نہیں ہے۔ عملی زندگی جو ترقی کی روح ہے اس میں صرف اسقدر ہوا ہے کہ چند پرانے تعلیم یافتہ لوگوں پر نیا رنگ چڑہ گیا ہے۔ ان کی تصنیفات و تالیفات میں یورپ کی جہلک آگئی ہے۔ کچہ لوگ یورپ ہو آئے ہیں اور جو کچہ وہاں دیکہا ہے قلم کے ذریعہ سے اسکا نہایت ہلکا خاکہ کہینچکر

قوم کو دکھلایا ہے۔ چند نوجوانوں نے یونیورسٹیوں کی ڈگریاں لی ہیں اور اپنی محنت۔ لیاقت۔ قابلیت کو سرکاری ملازمت پر نذر چڑھا دیا ہے۔

بعینہ یہی حالت مصر و شام اور خاص دار السلطنۃ **قسطنطنیہ** کی ہے۔ اس سلسلہ مشابہت میں اسوقت ہمکو جس خاص حصہ سے بحث ہے وہ یورپ کا سفر۔ اور سفرناموں کی تصنیف کا رواج ہے۔ مصر و شام میں سب سے پہلے جس نے یورپ کا سفر کیا وہ علامہ **رفاعہ بک** ہے مصر میں جب یورپ کی تہذیب کا چرچا ہوا تو سلطنت کی طرف سے چند نوجوان یورپ میں تعلیم پانے کے لیئے بھیجے گئے۔ اور علامہ موصوف انکا اتالیق مقرر ہو گیا۔ علامہ مذکور نے سفر سے واپس آکر پھر حالات سفر اور خاص پیرس (دار السلطنۃ فرانس) کے متعلق ایک مفصل کتاب لکھی جو ۱۲۶۵ھ میں بمقام مصر چھاپی گئی۔ عربی زبان میں یہ پہلا سفرنامہ تھا جو یورپ کے نئے تمدن کے زمانہ پر لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد اور اور لوگوں نے یورپ کے سفر کیئے اور وہاں کی حالات میں کتابیں لکھیں۔ مثلاً **کشف المجنا۔ رحلہ حسین آفندی۔ رحلۃ الشیخ سلیم۔ ارشاد الالبا۔**

اس سلسلہ میں سب سے اخیر تصنیف وہ کتاب ہے جسکا نام **السفر الی المؤتمر** ہے اور جو ہمارے اس آرٹکل کا عنوان ہے اس سفرنامے کا مصنف **احمد زکی آفندی** ہے۔ جو مصر کا ایک تعلیم یافتہ نوجوان۔ مشہور مصنف۔ اور خدیو کے محکمہ ترجمہ کا رئیس المترجمین ہے یہ مصنف یورپ کی مشرقی کانفرنس کے نویں جلسہ میں جو ۱۸۹۲ء میں بمقام لندن منعقد ہوا تھا۔ خدیو کی طرف سے سفیر ہو کر گیا تھا۔ اسی نے وقتاً فوقتاً حالات سفر کے متعلق اپنے دوستوں کو خطوط لکھے اور سفر سے واپس آکر ان خطوط کو مرتب کر کے سفرنامے کی صورت میں شایع کیا۔ ملک کی قدردانی سے پہلے اڈیشن کی جلدیں نہایت جلد نکل گئیں اور مصنف نے

مناسب اضافہ کرکے اسکو دوبارہ چھپوایا۔ مجکو فخر ہے کہ خود مصنف نے اس اڈیشن کا ایک نسخہ مجکو تحفہ کے طور پر بھیجا۔ جو اسوقت میرے سامنے رکھا ہوا ہے۔

سب سے پہلے اس سفرنامے کے پڑھنے کے وقت جس چیز پر نگاہ پڑتی ہے وہ کتاب کی طرز عبارت اور انداز بیان ہے۔ اس کتاب کی طرز تحریر میں یورپ کا اسقدر زیادہ اثر ہے کہ پہلی ہی نگاہ میں محسوس ہوتا ہے۔ اگرچہ اس عام قاعدہ کے خیال سے کہ مغلوب قومیں ہمیشہ غالب قوموں کی ہر چیز میں پیروی کرتے ہیں مصنف معذور رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس تقلید نے کتاب کی خوبی کا معیار گھٹا دیا ہے۔ بلا شبہ بہت سی ایسی زبانیں ہیں جو یورپ کی تقلید کی وجہ سے ترقی کے سانچے میں ڈھلی ہیں اور خصوصاً ہماری اُردو میں تو جو کچھ آب و تاب۔ رنگینی و لطافت۔ جوش و اثر پیدا ہوا ہے سب انگریزی کی بدولت ہے۔ لیکن عربی کی حالت مختلف ہے۔ عربی زبان یا تو اسقدر بلند رتبہ اور تمام خصوصیتوں میں کامل ہے کہ دوسری کسی زبان کا اُس سے جوڑ نہیں ملتا یا اسکا اسلوب بیان اور طرز ادا۔ انگریزی سے اسقدر مختلف ہے کہ دونوں کا پیوند بدنما ہو جاتا ہے۔

مصنف کے سفر کا اجمالی نقشہ یہ ہے کہ وہ اسکندریہ سے چلکر برنڈزی۔ کی راہ سے نیپولی سے اٹلی۔ فلورنس۔ بیزا۔ جنیوا۔ ہوتا ہوا فرانس پہنچا ہے۔ فرانس کی سیر کرکے وہ لندن روانہ ہوا اور مشرقی کانفرنس کے جلسہ میں شریک ہو کر انگلستان کے اکثر مقامات کی سیر کی۔ پھر پرتگال پہنچا اور دوبارہ لندن کو واپس آیا۔ لندن سے فرانس اور فرانس سے اسپین گیا اور یہ اس کے سفر کی اخیر منزل تھی۔ اگرچہ راہ میں جو مقامات آتے گئے ہیں ہر ایک کے متعلق مصنف نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ لیکن لندن اور پیرس کے حالات میں نہایت تفصیل کی ہے۔ اسپین کا حال اگرچہ باستثنار لندن و فرانس زیادہ لکھا ہے لیکن مسلمانوں کو اس

چھوڑے ہوئے دیس سے جو دلچسپی ہے اس کے لحاظ سے گویا کچھ نہیں لکھا۔ اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ کتاب کی اصلی موضوع یعنے مشرقی کانفرنس پر بہت کم لکھا۔ جلسہ کی حالات نہایت اختصار سے لکھے جو تحریریں خود پیش کیں۔ انکا ایک نقشہ دیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ تحریرات کانفرنس کے رتبہ کے شایاں نہیں۔

ایک خاص بات جو اس کتاب میں ہے وہ یہ ہے کہ مصنف اگرچہ یورپ کے ملکوں کا ذکر کرتا ہے لیکن ساتھ ساتھ ہر موقع پر اسلامی معلومات کے دلچسپ نکتے ایسے تناسب اور موزونی سے اضافہ کرتا جاتا ہے جس سے اس کی لٹریچر اور وسعت نظر۔ دونوں کا کمال ثابت ہوتا ہے۔ یورپ کے جن مقامات کا عربی جغرافیوں میں پتہ لگانا مشکل ہے ہر موقع پر مصنف اُن کے عربی ناموں کی تصریح کرتا ہے جس سے قطع نظر اس کے کہ عرب جغرافیہ نویسوں کا کمال معلوم ہوتا ہے۔ عربی تاریخوں کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

ایک خاص بات یہ ہے اور وہ سفرنامے کی جان ہے کہ مصنف ہر موقع پر اُن اسباب کی تلاش کرتا ہے جن کی وجہ سے یورپ کو آج یہ ترقی نصیب ہوئی ہے۔ اٹلی کے ذکر میں وہ لکھتا ہے کہ۔

"یہاں تمام بازاروں میں۔ گلی کوچوں میں۔ باغوں میں۔ میدانوں میں۔ غرض ہر جگہ ہر موقع پر اُن لوگوں کی اسٹیچو (مجسمہ تصویریں) قائم کی ہیں جنہوں نے ملک اور قوم کے لیے کارہائے نمایاں کیے تھے۔ اس ذریعہ سے اُن کی ناموری ہمیشہ محسوس صورت میں نظر آتی ہے اور ملک کے ہر ایک آدمی کو ولولہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں کا سا بنجائے۔

لندن کے ذکر میں وہ لکھتا ہے کہ یہاں تمام لوگ وقت کو اسقدر عزیز رکھتے ہیں کہ جب کسی شخص سے کوئی بات پوچھو تو وہ نہایت جلدی کے ساتھ "ہاں" یا "نہیں" کہکر فوراً وہ کام کرنے

لگتا ہے جس میں پہلے سے مشغول تھا۔ اگر زیادہ ضرورت ہوئی تو نہایت مختصر چند الفاظ میں جواب دیگا۔ اور ساتھ ہی جو کام کر رہا تھا کرتا جائیگا۔ کتب خانوں میں، کمپنیوں کے دفتروں میں۔ اور عام تجارتی کارخانوں میں، ہر موقع پر یہ الفاظ اور جملے لکھے ہوئے ہوتے ہیں "چپ رہو" "صرف کام کی بات کہو" "بولنا منع ہے"۔

لندن کی ترقی کا اندازہ وہ اسباب سے کرتا ہے کہ تمام شہر میں ایک عام حرکت اور جنبش پائی جاتی ہے۔ سڑکوں اور گذرگاہوں پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا آدمیوں کا سیلاب آگیا ہے لیکن باوجود اس کے غل اور شور کا کیا ذکر ہے آواز تک نہیں آتی۔ ہر شخص سر جھکائے تیز بھاگا جاتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اسکو کوئی بڑا ضروری کام درپیش ہے"۔

حقیقت میں یورپ کی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہر شخص ہر وقت نہایت مستعدی سے اپنے کام میں مشغول رہتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی دُھن میں لگا ہوا ہے بخلاف اس کے ہمارے ملک میں ایک عام فسردگی۔ کاہلی۔ بے پروائی پائی جاتی ہے۔

اٹلی اور انگلستان و فرانس کی ترقیوں کے ذکر میں وہ لکھتا ہے کہ ان لوگوں کی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ قومی خدمت کی نہایت قدر کیجاتی ہے یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے قوم کے لیئے کوئی بڑا کام کیا ہے تو گو وہ ذاتی افعال کے لحاظ سے کیسا ہی بدچلن۔ بدمعاش۔ کمینہ دنی الطبیعت ہو۔ تاہم تمام قوم اسکو اپنا سرتاج بنائیگی۔ ہر موقع پر اُسکا نام فخر سے لیا جائیگا۔ اُس کی یادگاریں قائم کی جائیں گی اور اُس کی برائیوں کا مطلق تذکرہ نہو گا"۔

اُس کے مقابلے میں ہمارے ملک کا حال دیکھو کہ اگر کسی شخص نے قوم کے لیئے اپنے آپ کو فدا ہی کر دیا ہو۔ تاہم قوم کو صرف اُس کے عیوب پر نظر ہوگی اور اُس کی خوبیوں کا ذکر تک نہ آئیگا ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

مصنف نے یورپ کے تمام شہروں میں سے لندن کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں۔ لیکن چونکہ ہمارے ملک کے اکثر تعلیم یافتہ لندن کے حالات سے خود واقفیت رکھتے ہیں اس لیئے ہم اس حصہ کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔ البتہ فرانس کے حالات جو مصنف نے بیان کئے ہیں اسکا مختصر سا خاکہ کھینچنا ناموزوں نہوگا۔

فرانس کی دارالسلطنتہ پیرس کا ذکر وہ ان الفاظ سے شروع کرتا ہے "یہ پیرس ہے جو دنیا کا انتخاب اور عالم کا سیرگاہ ہے۔ یہ پیرس ہے جو عظمت و شان کی تصویر اور نزاکت و لطافت کا پیکر ہے یہ پیرس ہے جو علوم کی کان اور دائرۂ عرفان کا مرکز ہے۔ یہ پیرس ہے جس کی تعریف میں گو کتنا ہی مبالغہ کیا جائے تاہم اس کی اصلی تعریف ادا نہیں ہوسکتی۔ اس لیئے مجکو صرف یہ کہنا چاہیئے کہ وہ بہشتوں کی بہشت ہے، نہیں نہیں بلکہ وہ پیرس ہے"

اس عظیم الشان دارالسلطنتہ کی عجیب و غریب باتوں میں سے مصنف نے سب سے پہلے عورتوں کی حالت پر تعجب کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ "نوع انسانی کا وہ نصف حصہ (عورت) جو ہمارے ملک میں بالکل بیکار چیز ہے یہاں وہی تمام ترقیوں کی روح ہے اور اس کی اسقدر عزت کی جاتی ہے کہ فرانس کا یہ مشہور مقولہ ہے کہ "جو عورت کی مرضی ہے وہی خدا کی مرضی ہے"

مصنف نے اگرچہ عورتوں کی قابلیت کی نہایت تعریف لکھی ہے اور لکھا ہے کہ وہ تمام علوم و فنون میں نہایت اعلی درجہ کا کمال پیدا کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ انشا پردازی۔ مضمون نگاری۔ شاعری۔ مقرری۔ مصوری۔ وکالت۔ طبابت۔ ایجاد۔ صنایع۔ ان تمام فنون میں اعلی درجہ کی کامل عورتیں موجود ہیں۔ تاہم اسکو تسلیم کرنا پڑا ہے کہ یورپ میں جو عورتوں کو آزادی حاصل ہے وہ سخت اعتراض کے قابل ہے۔

اس کے بعد مصنف نے متعدد عنوانوں کو تفصیل سے لکھا ہے مثلاً عجائب خانۂ کلین

کتب خانے۔ مذہبی عمارتیں۔ نباتات کا باغ۔ مدارس اور خیراتی کارخانے۔ تھیٹر۔ وغیرہ وغیرہ

عجائب خانوں میں سے دو تین عجائب خانے ذکر کے قابل ہیں۔ ایک عجائب خانہ خاص۔ فنون اور صنائعوں کا ہے۔ اس میں بہت سے کمرے اور ایک کتب خانہ ہے جسمیں تیس ہزار کتابیں ہیں۔ اور یہ کل کتابیں فقط صنعت کے متعلق ہیں۔ رات کو فن صنعت پر لکچر دیا جاتا ہے اور ہر شخص کو بغیر کسی فیس کے اس میں شریک ہونے کی اجازت ہوتی ہے لکچرار عموماً وہ ہوتے ہیں جو فن صنعت میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

اس عجائب خانہ میں ہر قسم کے آلات اور کلیں جو قدیم زمانے میں تھیں یا اب پیدا ہوئی ہیں مہیا کی گئی ہیں۔ زراعت۔ رصد۔ نقاشی۔ تصویرکشی۔ رنگ سازی۔ جرثقیل۔ وغیرہ کی نہایت قدیم۔ اور جدید آلات نہایت کثرت سے موجود ہیں۔

ایک عجائب خانہ ہے جسکا صرف یہ مقصد ہے کہ دنیا کے ہر حصہ کے انسانوں کی طرز معاشرت اور طریقہ تمدن کو دکھایا جائے۔ اس میں چالیس ہزار مجسم تصویریں ہیں۔ قدیم زمانے کے تمام وحشی اور مہذب قوموں کو اُسی حالت اور وضع و لباس میں دکھایا ہے جسمیں وہ زندگی بسر کرتے تھے۔

ایک عجائب خانہ فن تربیت کا ہے۔ اس میں تمام کتابیں۔ رسالے۔ نقشے تصویریں۔ فن تربیت سے متعلق ہیں۔ اس عجائب خانے سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ اور اُس کے مختلف دوروں میں تعلیم و تربیت کے کیا طریقے تھے۔ تربیت کے متعلق کس قسم کے آلات سے کام لیا جاتا تھا۔ خاص فن تربیت کے متعلق جسقدر کتابیں یہاں ہیں اُن کی تعداد ۶۸۴۸ ہے

ایک عجائب خانہ خاص مذہبی ہے یعنی دنیا کے تمام مختلف مذہبوں کو محسوس صورت

میں دکھایا ہے۔ اس عجائب خانہ کی بنیاد پروفیسر جیمسی نے ڈالی تھی جسنے تمام مشرقی ملکوں میں سفر کیا تھا اور مختلف مذاہب کے متعلق دس لاکھ روپیہ کی قیمت کی کتابیں مہیا کی تھیں۔ یہ تمام کتابیں اس نے عجائب خانہ میں وقف کردیں۔ چنانچہ خاص چین۔ جاپان۔ اور مصر کے مذاہب کے متعلق ستر ہزار کتابیں ہیں بہت سی ہیکل اور مندر ہیں۔ فرعون کے زمانہ میں قیامت کے متعلق جو خیالات تھے۔ ان کی تصویریں ہیں۔ عبادت اور پرستش کے جو جو طریقے جس جس زمانے میں رائج تھے سب کے نمونے ہیں۔ غرض اس عجائب خانے سے ایک سرسری نگاہ میں دنیا کے تمام قوموں کے مذہبی اعمال اور مذہبی خیالات معلوم ہوسکتے ہیں کتب خانے کثرت سے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ مشہور اور عظیم الشان کتب خانہ۔ قومی کتب خانہ ہے۔ اسکو چارلس اول نے ۱۳۸۵ء میں قائم کیا تھا۔ اُسوقت اس میں صرف بارہ ہزار کتابیں تھیں ۱۷۸۹ء میں مطبوعہ کتابوں کی تعداد تین لاکھ ہوگئی اور اب کم و بیش تیس لاکھ کتابیں ہر قسم کی موجود ہیں۔

اس کتب خانے کے چار حصہ ہیں۔ پہلے حصہ میں مطبوعہ کتابیں۔ نقشے۔ جغرافیہ کے مجموعے ہیں۔ دوسرے میں قلمی کتابیں ہیں۔ تیسرے میں پرانے کتبے اور پتھر ہیں۔ کتابوں کے مطالعہ کرنے کا جو کمرہ ہے اس میں ہر وقت ۲۵ ہزار کتابیں موجود رہتی ہیں۔ جغرافیہ کے متعلق جس قدر کتابیں اور نقشے اس کتب خانے میں ہیں تمام دنیا میں نہیں ہیں صرف اٹلس اور نقشوں کی تعداد ڈہائی لاکھ ہے۔ قلمی کتابیں ۹۰۱۱۹ ہیں جن میں آٹھ ہزار کتابیں تصویردار اور مذہب و مطلا ہیں۔

مصنف نے حالات کی تفصیل کے بعد۔ اس کے سالانہ مصارف کا نقشہ دیا ہے اور لندن کی برٹش میوزیم سے موازنہ کیا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے۔

سالانہ مصارف کتب خانہ پیرس

تنخواہ ملازمین	۴۰۰۰۳۶	فرنک
اسباب وغیرہ	۲۰۰۰۷۲	فرنک
طیاری فہرست	۸۰۰۰۰	فرنک
جلدبندی	۲۵۰۰۰	فرنک

مختصر کہ مجموعی مصارف ۸۸۰۰۰۷ ہے لیکن برٹش میوزیم کا سالانہ صرف ۲۵۰۰۰۰۰ اسہے۔"

تعلیم کو جو یہاں وسعت حاصل ہے اس کے لحاظ سے مصنف کو بہت سے کالجوں اور سکولوں کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔ مگر اس نے صرف دو تین مدرسوں کے ذکر پر اکتفا کیا ہے اور حقیقت میں جس جدت کی وجہ سے اس نے انتخاب کیا وہ بیجا بھی نہیں۔ ان میں سے ایک مدرسہ اندھوں کا ہے۔ ہمارے ملک میں تو آنکھ والوں کی تعلیم کا بھی رونا ہے۔ لیکن وہاں اندھوں کی تعلیم کا جو انتظام ہے نہایت حیرت انگیز ہے۔ فرانس کو اس اولیت کا شرف بھی حاصل ہے کہ اول اُس نے اس قسم کی تعلیم کی بنا ڈالی یعنے پروفیسر ہادی نے ۱۷۸۴ء عیسوی میں اندھوں کی تعلیم کے لیے مدرسہ کھولا اور تمام دنیا میں اس قسم کا یہ پہلا مدرسہ تھا یہ مدرسہ اب بھی موجود ہے۔ اس میں اسوقت ۱۵۰ لڑکے اور ۸۰ لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ مدت تعلیم دس برس ہے۔ اس میں ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم اُبھرے حرفوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور تمام کتابیں جو ان کو پڑھائی جاتی ہیں اسی قسم کے حروف میں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس کے سوا کلی تعلیم بھی ہوتی ہے اور کاتنا۔ بننا۔ خرادنا۔ سینا پرونا۔ سکھایا جاتا ہے۔ موسیقی کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ مدرسہ کے کتب خانہ میں ڈھائی ہزار کتابیں ہیں جو

ابھرے ہوئے حرفوں میں چھپی ہوئی ہیں۔ اس مدرسہ اور دیگر قسم کے دیگر مدارس سے اس درجہ کے لوگ تعلیم پاکر نکلے کہ آنکھ والے بھی ان کی قابلیت کا مقابلہ نہیں کر سکتے ان میں سے بعض نہایت نامور پروفیسر گذرے ہیں جن کی شہرت آج تک ضرب المثل ہے۔ ایک کمیٹی۔ خاص اندھوں کی تعلیم اور ان کی اعانت کے لیئے قائم ہے۔ ڈیڑھ لاکھ فرنک اسکا سرمایہ ہے اور قریباً ۲۳ ہزار فرنک سالانہ آمدنی ہے۔ یہ تمام رقم اندھوں کی تعلیم و تربیت و دیگر ضروری مصارف میں صرف کی جاتی ہے۔ اسوقت اس کمیٹی کے ۸۰۰ ممبر ہیں اور روز بروز ممبروں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ اندھوں کے لیئے متعدد اخبارات بھی ہیں جن میں سے ایک بالکل اُبھرے ہوئے حرفوں میں چھپا ہے۔"

اس سے زیادہ تعجب انگیز گونگوں کا مدرسہ ہے۔ مصنف کا بیان ہے کہ میں نے جسوقت ان کی تعلیم کی کیفیت دیکھی تو حیرت زدہ رہ گیا۔ پروفیسر یا شاگرد ہاتھ کے اشارہ سے بالکل کام نہیں لیتے اور باوجود اس کے ہر قسم کے مضامین کی تعلیم ہوتی ہے۔ مصنف نے سمجھا تھا کہ بلند آوازی سے کام لیا جاتا ہوگا۔ چنانچہ اُس نے پکار پکار کر گونگوں سے باتیں شروع کیں۔ لیکن جسقدر وہ زیادہ چلاتا تھا گونگے اور زیادہ سننے سے عاجز رہتے تھے۔ آخر پروفیسر نے ان سے گفتگو کرنے کا طریقہ بتایا اور اسوقت جو کچھ اُن سے کہا جاتا تھا وہ صاف سمجھتے جاتے تھے۔ اسمیں زیادہ تر لحاظ ہونٹوں کی حرکت کا ہے۔ گونگے ہونٹوں کی حرکت پر خیال کرتے ہیں اور بات سمجھتے جاتے ہیں۔

تعجب یہ ہے کہ سالانہ جلسوں میں یہ گونگے لکچر اور اسپیچیں دیتے ہیں اور ہر قسم کے مطالب کو صرف اشاروں سے ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ ۱۸۹۲ء میں جب پروفیسر دلوؔنی[1] کی

---

[1] یہ شخص گونگوں کی تعلیم کا موجب ہے۔

سالگرہ کا جلسہ ہوا تو صدر انجمن مسٹر کوشفر تھا جو اسی مدرسے کا تعلیم یافتہ انجنیر تھا اور بالکل گونگا تھا۔ کھانے کے بعد مسٹر کوشفر نے ایک لمبی اسپیچ دی جس میں دولوپی کے تمام کارنامے بیان کئے۔ اس کے بعد اوروں نے اسپیچیں دیں۔ یہ تمام اسپیچیں صرف اشاروں کے ذریعہ سے دی گئیں۔ اور تمام حاضرین بخوبی سمجھتے تھے۔

فیاضی اور خیرات کا جو عمدہ طریقہ یہاں۔ اور یورپ کے تمام ممالک میں جاری ہے وہ خاصکر لحاظ کے قابل ہے۔ ایشیائی ملک۔ فیاضی کے لیئے مشہور ہیں۔ لیکن فیاضی کا طریقہ ایسا ابتر ہے جس کی وجہ سے قوم کی قوم گدائی اور دریوزہ گری میں مبتلا ہو گئی ہے۔ اچھے خاصے توانا اور مضبوط آدمی بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ مولوی۔ صوفی۔ درویش نذر نیاز کے بہانے سے بے تکلف گدائی کرتے ہیں لیکن یورپ کا طریقہ بالکل جدا ہے کوئی شخص کسی شخص کے آگے دست طلب دراز نہیں کرتا۔ نہ کوئی شخص کسی خاص شخص کو کچھ دیسکتا۔ جو کچھ جسکو دینا ہوتا ہے خیراتی کارخانوں کے حوالہ کرتا ہے وہاں سے نہایت احتیاط کے ساتھ وہ رقم اُن لوگوں کو پہنچا دیجاتی ہے جو درحقیقت مستحق ہوتے ہیں۔ فرانس میں اس قسم کی کمیٹیاں اور خیراتی کارخانے جس کثرت سے ہیں انکا شمار نہیں ہوسکتا۔ مصنف نے بہت سی کمیٹیوں کے نام لئے ہیں جن کی غرضیں مختلف ہیں۔ مثلاً یتیموں کی پرورش۔ غریب حاملہ عورتوں کی مدد۔ بیکار پیشہ وروں کے لیئے کام کی تلاش کنواری عورتوں کے لئے شادی کا انتظام۔ وغیرہ وغیرہ (جن کی مجموعی تعداد ۵۴۲ ہے) لیکن باوجود اس کے قوم میں گداگری کی صفت کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔

اسپین کا ذکر مصنف نے نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ شروع کیا ہے۔ سرحد میں داخل ہوتے ہی مصنف کے دل میں اُس شان و شوکت کا خیال تازہ ہوگیا ہے جو اس

ملک کو اسلام کے عہد میں حاصل تھا۔ اسلامی عہد کی ترقیاں، عظمت و شوکت، نزاکت اور تکلف کے جلوے جابجا اب بھی نظر آتے ہیں اور مصنف انکو دیکھ کر بیتاب ہو ہو جاتا ہے غرناطہ کے قصر حمرا میں پہنچکر اسپر بالکل حیرت طاری ہوگئی اور باوجود اس کے کہ وہ لندن اور پیرس کی عجیب و غریب عمارتیں دیکھ چکا تھا تاہم حمرا نے دفعتاً ان سبکو دل سے بھلا دیا۔ اس موقع پر مصنف کے خاص الفاظ یہ ہیں۔ ویعلم الله اننی ما رایت فی طول سیاحاتی شیئاً ادق واتقن واجمل واکمل مما رایت فی ھذہ المدینۃ یعنی "خدا جانتا ہے کہ میں نے اس تمام سفر میں کہیں ایسی دقیقۃ الصنعۃ استادانہ، خوبصورت عمدہ تر چیزیں نہیں دیکھیں جیسی اس شہر میں دیکھیں"

اس کے بعد مصنف نے فخر کے جوش میں آکر مسلمانوں کے عہد کی ترقی و تہذیب کی مختصر داستان لکھی ہے پھر اسلام کی بے تعصبی اور عیسائیوں کے تعصب کا موازنہ کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے جب اس ملک کو فتح کیا تو عیسائیوں کے تمام حقوق اور مذہبی ارکان برقرار رہنے دیئے برخلاف اس کے جب وہ عیسائیوں کے قبضہ میں آیا تو پوپ کے حکم سے مذہبی مجلسیں قائم ہوئیں جن کے فیصلوں کے مطابق ہزاروں لاکھوں اسلامی تصنیفات آگ میں جلا دی گئیں۔ اس کے ساتھ ہزاروں مسلمان بھی زندہ جلادیئے گئے اور اگرچہ غرناطہ کے فتح کیوقت صریح معاہدہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کے مذہب سے تعرض نہ کیا جائیگا۔ تاہم جب جنرل شمینس شہر میں داخل ہوا تو اس نے شہر کے تمام مسلمانوں کو بزور عیسائی بنانا چاہا چنانچہ پچاس ہزار مسلمان زبردستی عیسائی بنائے گئے۔ اسپر بھی اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ جنرل ترکماڈا نے حکم دیا کہ چونکہ یہ لوگ دل سے عیسائی نہیں ہوئے ہیں اس لئے ان کو بالکل برباد کر دینا چاہیئے

مصنف نے اس بات کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے عہد میں اس ملک کو جو رونق اور عروج حاصل تھا اب اُسکا عشر عشیر بھی نہیں۔ مسلمانوں کے عہد میں اس کی مردم شماری چار کرور تھی۔ اب صرف ایک کرور ستر لاکھ ہے۔ زمینیں کیشر ویران پڑی ہیں اور معاش کے وسائل نہایت کم ہیں۔ مصنف لکھتا ہے کہ قلت آبادی اور کثرت ویرانی کے اسباب میں سے صرف یہ سبب لکھنا کافی ہوگا کہ فلپ ثانی نے چھ لاکھ مسلمانوں کو ایک دم سے جلاوطن کر دیا جو سب کے سب کاشتکار تھے اور جن کی بدولت زراعت کو نہایت ترقی تھی۔

آخر میں مصنف لکھتا ہے کہ اگرچہ عرب اس ملک میں نہیں رہے لیکن اُن کی یادگاریں ہر جگہ موجود ہیں۔ ملک میں جو قوانین اور انتظامات جاری ہیں۔ اُن میں اسلامی قوانین کے آثار موجود ہیں۔ یہاں تک کہ لوگوں کے اخلاق و عادات میں عرب کے اخلاق و عادات کی جھلک پائی جاتی ہے۔ تمام یورپ کے برخلاف یہاں کے لوگ بیگانہ نواز اور مہمان پرست ہیں۔ یہ لوگ اجنبی آدمیوں کے ساتھ نہایت اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ اور ہر کام میں اُسکی اعانت کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ یورپ کے اور ملکوں میں اور اس ملک میں صریحی فرق محسوس ہوتا ہے اور وہ فرق اُنہیں اخلاق کے لحاظ سے ہے جو خاص عرب کے اخلاق ہیں۔ شعر۔

شد عندلیب خاک و چمن از نوا پرست
عالم زماتہی و زافغان ما پرست

کالج میگزین اور اُس کے مضامین

کالج میگزین جب سے میرے ہاتھ میں آیا ہے متعدد مضامین اس میں شایع ہونے کے لیئے جا بجا سے آئے اور چونکہ وہ میگزین کے اصُول کے موافق نہ تھے نظرانداز کیئے گئے لیکن مجھکو اس غلطی کا اقرار کرنا چاہیئے کہ اب تک کسی طریقے سے یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ میگزین کے مضامین کا معیار کیا ہے۔

سب سے پہلے یہ طے کرنا چاہیئے کہ ایک علمی میگزین میں جو قومی حیثیت بھی رکھتا ہو کیا خصوصیتیں ہونی چاہییں۔

آج کل کسی پرچہ کی مقبولیت کا بڑا ذریعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے فخر آمیز کارنامے بیان کیئے جائیں۔ اس مذاق کے بدولت یہ نوبت پہنچی کہ اکثر اس قسم کے رسالے اور تصنیفات جو نہایت اوچھے اور سنے سنائے معلومات پر مشتمل ہوتے ہیں صرف اسوجہ سے عوام میں مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان میں اسلامی عظمت و شان کا شعبدہ دکھایا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ ایک قسم کی تجارت ہوگئی ہے اور چونکہ قوم میں عام طرح سے افلاس پھیلا ہوا ہے۔ اس تجارت کو رواج عام ہوتا جاتا ہے۔

مسلمانوں کے قدیم کارنامے دو حیثیت سے بیان کیئے جا سکتے ہیں۔ (۱) تاریخی حیثیت سے۔ (۲) قوم کو غیرت دلانے کے لحاظ سے۔ اول اول جب یہ طریقہ شروع ہوا تو زیادہ تر یہی دوسری حیثیت ملحوظ تھی۔ لیکن اب تجربے نے قطعی طور سے ثابت کر دیا کہ اس تریاق میں زہر ملا ہوا ہے۔ مسلمانوں کو اپنی اگلی ترقیاں سنکر بجائے اس کے کہ غیرت آئے۔ جھوٹا

غرور پیدا ہوتا ہے اور اُس کی نشہ میں انکو مطلق پروا نہیں ہوتی کہ اب کیا حالت ہے اور اس حالت کا اقتضا کیا ہے۔

البتہ دوسری حیثیت ایک ضروری حیثیت ہے کیونکہ اس حیثیت سے جب دوسری قوموں کے ہر قسم کے کارنامے ظاہر کئے جا سکتے ہیں اور کیئے جانے چاہیں تو اپنی قوم کا بہر حال کچھ زیادہ حق ہے۔ لیکن اس کے لئے ضرور ہے کہ جو کچھ کہا جائے مستند حوالوں سے کہا جائے۔ تحقیقات کے مراحل طے کئے جائیں۔ واقعہ نگاری کا فرض ادا کیا جائے بے شبہ اس قسم کے مضامین ایک علمی میگزین میں جگہ پا سکتے ہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر اسی قسم کے مضامین پر اکتفا کیا جائیگا تو ہمارے لٹریچر کا قدم اسوقت جہاں ہے وہیں رہیگا۔ اُردو لٹریچر کا خزانہ عربی و فارسی کی دولت سے بہت کچھ معمور ہو چکا ہے۔ جو کچھ کمی ہے یورپین سرمایہ کی ہے اور چونکہ اسوقت یورپ تحقیقات اور ایجادات کی کان ہے اس لئے اُردو کا اس کے سرمایہ سے خالی ہونا نہایت افسوس کے قابل ہے۔

یہ بات واقعی نہایت افسوس کے لائق ہے کہ باوجودیکہ قوم میں نئے تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک جماعت موجود ہے۔ اُردو لٹریچر کی ترقی دینے کا خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے انگریزی کی تصنیفات اُردو میں ترجمہ ہوتی جاتی ہیں۔ تاہم اب تک یورپ کے اصلی خزانوں سے اُردو کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ ترجمے جو کیئے جاتے ہیں۔ اگر لفظی ہوتے ہیں تو مفہوم تک نہیں ہوتے اور محاورہ کا خیال رکھا جاتا ہے تو یورپین طرز ادا کی وہ تمام خصوصیتیں جاتی رہتی ہیں جن کے بغیر اُردو کا قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس کے علاوہ ترجمہ بھی وہی کتابیں کی جاتی ہیں جو عام فریب ہوتی ہیں۔ علمی مضامین اور علمی کتابوں کی طرف کوئی شخص رخ بھی نہیں کرتا۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو تعلیم یافتہ ہیں اور اُردو کے لئے نہایت دلسوزی سے

کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ کیا کرنا چاہیے اور کیونکر کرنا چاہیے۔

اس آرٹکل میں ہمکو یہ بتانا ہے کہ انگریزی معلومات۔ یا انگریزی لٹریچر سے اُردو کو کیونکر فائدہ پہونچایا جا سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کے متعدد طریقے ہیں۔

(۱) انگریزی میں علمی مضامین پر کثرت سے کتابیں اور رسالے لکھے گئے ہیں۔ مثلاً اسٹورٹ مِل نے جو انگلستان کا بڑا فلاسفر گذرا ہے۔ شاعری کی حقیقت پر ایک آرٹکل ۳۲-۴۰ صفحوں میں لکھا ہے اس آرٹکل میں اُس نے یہ بیان کیا ہے کہ شاعری کی حقیقت عام لوگ کیا سمجھتے ہیں۔ شاعری درحقیقت کس چیز کا نام ہے۔ عوام جسکو شاعری سمجھتے ہیں۔ اُسمیں شاعری کی حقیقت کے کیا کیا اجزا موجود ہیں۔ شعر۔ کلام بلیغ۔ ڈراما۔ ناول میں قدر مشترک کیا ہے اور کیا کیا خاص خصوصیتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ الگ الگ مفہوم بن گئے ہیں وغیرہ وغیرہ

اسی طرح ریٹرک یعنی فصاحت و بلاغت پر مستقل تصنیفات ہیں۔ ایک پروفیسر نے مذہب کی تاریخ لکھی ہے جس میں اُس نے بیان کیا ہے۔ کہ دنیا میں مذہب کن اسباب طبیعی سے پیدا ہوا۔ رفتہ رفتہ تمدن اور تہذیب کی ترقی سے اس میں کیا کیا باتیں اضافہ ہوتی گئیں مختلف ملکوں کی خصوصیات ملکی نے مذہب میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا کیں وغیرہ وغیرہ

یہ اور اسی قسم کے مضامین دلچسپ بھی ہیں۔ عالمانہ بھی ہیں۔ مفید بھی ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُردو زبان میں ان مضامین کے متعلق کچھ نہ کچھ معلومات پہلے سے موجود ہیں۔ اسلیے ان کے ادا کرنے میں نامانوس خیالات یا نامانوس الفاظ سے کام لینے کی ضرورت نہوگی۔ اس قسم کے مضامین کو اُردو میں لانے کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے ان مضامین کا نہایت غور و فکر سے مطالعہ کیا جائے پھر ان کو اُردو میں اس طرح بیان کیا جائے کہ غیر ضروری باتیں چھوڑ دیجاویں جو خیالات انگریزی تلمیحات (الوژن) پر مبنی ہوں انکو ترک کر دیا جائے۔ جہاں اجمال ہو وہاں

توضیح کی جائے۔ انگریزی کے بجائے اُردو مثالیں پیش کی جائیں۔ غرض اصل مضمون کا ترجمہ نہو بلکہ مستقل آرٹکل ہو لیکن اُسی مضمون سے ماخوذ ہو۔

(۲) بہت سے ایسے مضامین ہیں جنکا محض ترجمہ کردینا کافی ہوگا۔ کسی پرچہ میں ہم اس قسم کے مضامین کی تفصیل لکھیں گے۔

(۳) جس قسم کے مضامین پر مسلمانوں اور اہل یورپ۔ دونوں کی تصنیفات موجود ہیں ان میں موازنہ کرکے بتانا چاہیئے کہ مسلمانوں کا طرز تصنیف کیا تھا اور یورپ کے طرز تصنیف سے اسکو کیا نسبت ہے مثلاً تاریخ۔ بیوگرافی۔ فصاحت و بلاغت۔ تحقیقات مذہب۔ یہ وہ مضامین ہیں جنپر عربی زبان میں کثرت سے کتابیں لکھی گئیں۔ انہیں مضامین پر یورپ نے نئے اسلوب سے لکھا ہے۔ اب موازنہ کرکے بتانا چاہیئے کہ کیا کیا خصوصیتیں دونوں کو جدا کرتی ہیں اور کسکو کس حیثیت سے ترجیح ہے۔

(۴) انگریزی لٹریچر (انشاپردازی) کو آہستہ آہستہ اُردو میں جذب کرنا چاہیئے۔ اسکا یہ طریقہ ہے کہ جن مضامین میں لٹریچر کی خوبی ہو اُنکا ترجمہ کیا جائے اور اسطرح کیا جائے کہ نہ تو محض لفظی ترجمہ ہو نہ اسقدر محاورہ کی پابندی ہو کہ انگریزی طرز ادا کی خصوصیت جاتی رہے یہ امر مسلم ہے کہ موجودہ اُردو پر آپ سے آپ انگریزی رنگ اسقدر چڑھ گیا ہے اور اسقدر نئے اسلوب اس میں جگہ پاتے جاتے ہیں کہ اگرچہ تدریج کی وجہ سے قدیم اُردو کو نئی اُردو تک پہنچنے میں کہیں۔ طفرہ پیش نہیں آیا لیکن دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں کہ اُردو کہاں سے کہاں نکل آئی۔ اب صرف اسپر غور کرنا چاہیئے کہ کیا اسباب تھے جس کی وجہ سے اُردو کے اس انقلاب کا کسی خاص وقت احساس نہیں ہوا۔ انہیں طریقوں کے استعمال سے اُردو کو زیادہ تر انگریزی اسلوب سے آشنا کرنا چاہیئے۔ اس قسم کے مضامین جنہیں اسباب کی خاص رعایت

کی گئی ہو۔ کالج میگزین کے لیئے نہایت قیمتی ہدیہ ہوں گی۔

اگر تعلیم یافتہ جماعت نے ہماری اس تحریر پر کچھ توجہ ظاہر کی تو اسباب میں ہم اور بہت کچھ لکھینگے

ترکیب بند

درتہنیت تشریف آوری ہز اکسلنسی نواب محمد فضل الدین خاں سکندر جنگ اقبال الدولہ اقتدار الملک وقار الامرا بہادر مدار المہام گورنمنٹ ہز ہائینس نظام حیدر آباد دکن۔ بہ مدرستہ العلوم علی گڈھ

رشحات طبع شمس العلما مولوی محمد شبلی نعمانی پروفیسر مدرستہ العلوم

درجہاں چوں سخن از شوکت و از شاں گذرد
نام دستور دکن بر سر عنواں گذرد

صدر جم مرتبہ نواب وقار الامرا
آنکہ گردوں بدرش بندۂ فرماں گذرد

ای خوشا بخت کہ آن داور جمشید حشم
بسر مدرسہ ما ایں سروساماں گذرد

ایں دبستاں بمثل تازہ گلستانی ہست
خواجہ ابریست کہ برطرف گلستاں گذرد

گذر فتاد ہما کو کبۂ جاہش را
تشنہ بنگر کہ بر چشمۂ حیواں گذرد

ابر دیدی کہ گہر ریزرود بر سر خاک
موکب خواجہ ما نیز بدینساں گذرد

بمثل و قصہ مور و سلیماں باشد
گر حدیث از شرف و پایۂ مہماں گذرد

دل و را مدح تو اندازہ ما نیست ولے
خوش بود گر سخن از عالم احساں گذرد

یادگار کرم دولت آصف جاہی است
بنظر ہر چہ دریں منزل و ایواں گذرد

میوزیم کو شرف نسبت نامش دارد
جاے نشت کہ از طارم کیواں گذرد

خاص و عامی ہمہ از فیض کفش سیراب اند ابر ہم بر چمن و ہم بہ بیاباں گذرد

صاحبا گوش من دار کہ تا شرح دہم آنچہ بر ما ز سیہ کاری دوراں گذرد

بود روزے کہ گراں پایگی تربت ما بیش ازاں بود کہ در وہم سخنداں گذرد

حالیا کار بہ آں بے سر و پاے بکشید کہ بہ ہر کہ رسد بر زدہ داماں گذرد

بگذرد از غم و آزار ز پاپای بر ما آنچہ بر شیشہ ز افتادن سنگ آں گذرد

ہر چہ از جانب کسی و ذلت و خواری بینی خود عیان است و مپرس آنکہ بہ پنہاں گذرد

گر نہ این مکتب و این مدرسہ برپا می گشت بیم آں بود کہ ایں درد ز درماں گذرد

این مسیحانہ اگر بہر مداوا می خاست بیم آں بود کہ رنجور خود از جاں گذرد

برسد بر در او ہر کہ بود طالب فن آنکہ گوہر طلبد جانب عماں گذرد

گر بدیں گونہ بود گرمی ہنگامہ او خود ز غرناطہ و بغداد و صفاہاں گذرد

ہر دم ایں مدرسہ را زیب دگر می گردد
اندکے باش کہ ایں قطرہ گہر می گردد

تا خود از دانش و فن نام و نشاں خواہد بود جوی ایں فیض بدینگونہ رواں خواہد بود

تا ابد طالب فن روے بدو خواہد کرد تا ابد قبلۂ دانش طلباں خواہد بود

گر بدینگونہ بود مائدۂ فیض دراز یک جہاں زلہ ربای سر خواں خواہد بود

دوست افسانۂ شادی بزباں خواہد راند خصم را دیدۂ حیرت نگراں خواہد بود

ہست چوں در کنف قیصر و دارای دکن ایمن از فتنۂ و آسیب زماں خواہد بود

ملک و ملت ہدف تیر حوادث بودہ است آستانش حرم امن و اماں خواہد بود

آرزو ہاست در اندیشہ و از فضل خدای آنچہ اندیشہ نمودیم ہماں خواہد بود

گر بہ آئین سلف بہرہ رُبائیم ز علم — رخش اقبال دگر در تہ راں خواہد بود
باز در راہ طلب گرم بخیزیم زجا ہی — خواب وحشیئہ ما چند گراں خواہد بود
می تواں غلغلۂ اوج و ترقی انگیخت — تا بکے بر لب ما آہ و فغاں خواہد بود
بود آں ہم کہ بما نیز گہے یار شود — چرخ تا چند بکام دگراں خواہد بود
ہاں بسنجی کہ نژاد عرب و آل بوے — ایں چنیں خستہ و رسوای جہاں خواہد بود
آں چمن زار کہ پروردۂ ابر کرم است — ہاں میندیش کہ تاراج خزاں خواہد بود
بس بود اینکہ نداریم سر تاج و کلاہ — بخت زیں بیش چہ در فکر زماں خواہد بود

با ہمہ خستگی۔ آں فطرت آبائی ہست
خاک گشتیم و ہنوز آں سر و سودا باقی است

مسٹر والس سابق پروفیسر مدرستہ العلوم

آج اس واقعہ جگر خراش کو جب مسٹر والس اپنے آخری لکچر کے بعد نہایت مفید اور دلپذیر نصائح کر کے اپنے شاگردوں سے رخصت ہوئے تھے پورے پانچ سال گذرے ہیں۔ لیکن اس مدت کے گذرنے پر بھی جس وقت وہ حسرت خیز الوداعی سین آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے تو ایک عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسکا بیان کرنا میری قدرت سے باہر ہے البتہ وہ سب لوگ جو اُس موقع پر موجود تھے بجائے خود اندازہ کر سکیں گے کہ وہ کیسا جادو کا اثر تھا جو مسٹر والس کے سچے اور محبت آمیز الفاظ کے ساتھ بجلی کیطرح دلوں میں سرایت کر گیا تھا اور جس سے ایک عجیب قسم کی محویت کل کلاس پر طاری ہو گئی

تہی۔ اُسوقت مسٹر والس کے شاگردوں کے سینوں میں جو محبت اور اخلاص کا جوش موجزن تہا اُس سے یہ مترشح ہوتا تہا کہ ایک نہایت قریب زمانہ میں یہ لوگ ایک ایسی مستقل یادگار اس عدیم المثال شخص کی جس نے اپنی لیاقت۔ محنت۔ جانفشانی۔ محبت۔ خلق۔ مروت۔ اور نیکی سے ہر ایک دل کو مسخر کرلیا تہا۔ قائم کرینگے کہ جو کالج کی تاریخ میں اُس کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھے گی۔ لیکن اس عرصہ میں کسی قسم کی تحریک نہ ہونے سے اس امید کے پورا ہونے کی طرف سے ایک گونہ مایوسی ہوگئی تہی۔ بارے خدا کا شکر ہے کہ چند باہمت لوگ اس طرف متوجہ ہوے ہیں۔ مولوی طفیل احمد صاحب سے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے مکرم اور مسٹر والس کے شاگرد رشید مولوی سراج احمد صاحب ایم اے جو آجکل* اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ناگپور ہیں اس خاص معاملہ میں نہایت سرگرمی سے سلسلہ جنبانی کر رہے ہیں۔ چنانچہ پچہلے ہفتہ میں جب علی گڈہ جانیکا موقع ملا اور چند پرانے احباب سے نیاز حاصل ہونے کا اتفاق ہوا تو اُن سب کو اسی امر پر نہایت گرمجوشی سے آمادہ پایا۔ چونکہ اس خیالی تجویز کو عملی شکل میں لانے والے زیادہ تر وہ لوگ ہوں گے جنکو مسٹر والس سے تلمذ کی عزت حاصل ہوئی ہے اور جنمیں سے اکثر اس تحریک سے واقف نہیں ہیں پس اس خیال سے کہ قبل طے ہونے کسی خاص امر کے ان سب صاحبوں سے استصواب نہایت ضروری ہے اس مختصر التماس کو بذریعہ کالج میگزین اس امید پر شایع کرنے کی جرأت کی جاتی ہے کہ وہ کل اصحاب جنکو ذرہ برابر بہی اس تحریک سے دلچسپی ہے وہ اپنی بیش بہا راے سے مطلع فرماکر خود اپنے فرض ضروری سے سبکدوشی حاصل کرینگے۔

خاکسار حبیب اللہ۔ اترولی ضلع علی گڈہ ۱۲۔ اگست ۹۹ء

---

* مولوی سراج احمد صاحب ایم اے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ناگپور نے ولیس میموریل کے لیے مبلغ [illegible] روپیہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔

ہمکو اس بات کے سننے سے بہت بڑی خوشی ہوئی ہے کہ تہذیب الاخلاق میں جسقدر سر سید احمد خاں بہادر کے مضامین شایع ہو چکے ہیں اُن کو منشی فضل الدین صاحب تاجر کتب لاہور نے علیحدہ چھاپدیا ہے۔ ہم منشی فضل الدین صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اُنھوں نے اس ضروری کام کو اپنے ذمے لیکر پورا کیا۔ سر سید کے مضامین تہذیب الاخلاق کی روح ہے اور شایقین کو اُنکا یکجا دستیاب ہونا بہت بڑی بات ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ناظرین اس کی قدر کریں گے اور منشی فضل الدین صاحب کو آیندہ بھی ایسے ایسے کام کرنے کی جرأت دلائینگے۔ اس تمام مجموعہ مضامین کی قیمت صرف تین روپیہ ہے +

ہمکو اس بات سے نہایت خوشی ہے کہ بمبئی کے روشنضمیر سربرآوردہ مسلمانوں نے ایک نہایت عمدہ اور اعلی درجہ کا اخبار نکالا ہے جس کے دو نمبر ہمارے سامنے ہیں۔ بلحاظ چھپائی اور کاغذ کے اس سے بہتر اخبار ہمنے نہیں دیکھا۔ مضمون بھی اس میں نہایت عمدہ ہوتے ہیں۔ یہ اخبار تین زبانوں میں جدا جدا نکلتا ہے۔ انگریزی اور گجراتی پرچے کا نام مانیٹر ہے اور اُردو کا مرأۃ الاخبار ہے۔ ہمکو امید ہے کہ یہ اخبار اپنے عمدہ مقاصد میں جلد کامیاب ہوگا۔ اور مسلمانان بمبئی جن میں عقلی اور علمی تحریک کی سخت ضرورت ہے اس سے مستفید ہوں گے۔ تینوں پرچوں کی قیمت پانچروپیہ سال ہے (بلا محصول) انگریزی اور اُردو کی الگ الگ چار سال۔ اور بمبئی فورٹ چرچ گیٹ اسٹریٹ نمبر ۹۰ کے پتہ پر منشی خورشید حسن صاحب تپش منیجر اخبار سے مل سکتی ہے۔،،

فضل حسین

فطری تخالف

بعض آدمی قدرتاً بعض رنگوں کو نہیں دیکھ سکتے مثلاً اگر سرخ رنگ کی کوئی چیز اُن کے سامنے رکھ دیجائے تو اُنکو مطلق نظر نہ آئیگی بعض ایک خاص قسم کی آواز کو نہیں سُن سکتے بعض ایک خاص ذائقہ محسوس نہیں کر سکتے۔ ان تمام تغیرات کی ایک بہت ہی معقول وجہ بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے مختلف حواس میں مختلف قسم کی چیزوں کو محسوس کرنیکے لیئے مخصوص آلات موجود ہیں اور یہ آلات نہایت ہی باریک اور لطیف رگیں اور پٹھے ہوتے ہیں۔ مثلاً ہماری آنکھ میں ایک خاص باریک پٹھا سُرخ رنگ دیکھنے کے لیئے مخصوص ہے اور ایک سبز رنگ دیکھنے کے لیئے اور اسی طرح جسقدر چیزیں بینائی سے تعلق رکھتی ہیں سب کے لیئے الگ الگ آلات احساس مقرر ہیں اسی طرح مختلف اشیا کے سونگھنے اور سننے اور چکھنے کا حال ہے۔ لہذا وہ لوگ جو ایک خاص قسم کے رنگ کو نہیں دیکھ سکتے یا خاص آواز کو نہیں سن سکتے یا ایک خاص بو کو نہیں سونگھ سکتے اُن میں اُن چیزوں کی حس کے آلات موجود نہیں ہوتے۔ ان تغیرات کو دیکھنے سے جیسے تعجب ہوتا ہے ویسے ہی اس معقول وجہ کے سننے سے اطمینان بھی ہو جاتا ہے لیکن بعض انسانوں میں ایک اور قسم کا تغیر پایا گیا ہے جو مذکورہ بالا سے کہیں بڑھ کر تعجب انگیز اور حیرت خیز ہے اور جس کی اب تک کوئی وجہ بیان نہیں کی گئی۔

بعض انسانوں کو قدرتاً بعض اشیا سے ضد اور نفرت ہوتی ہے۔ وہ اپنی فطری مخالف چیزوں سے سخت ڈرتے ہیں۔ اور اُن کو دیکھنے یا چھونے سے حواس باختہ ہو کر بیہوش ہو جاتے ہیں۔ امیٹس لشیانس جو روم کا باشندہ تھا اُس کے ایک دوست پادری کو گلاب کے پھول سے اسقدر ضد معلوم ہوتا تھا کہ اگر پھول کو اُس کے سامنے کیا جاتا تو وہ فوراً بیہوش ہو کر گر پڑتا تھا

اور گلاب کے پہولوں کی شگفتگی کے موسم میں ہمیشہ اپنے کمرے میں بند رہتا تہا۔
نامو حکیم پیٹر ڈاپنو اور مارٹن شوکم جو فلاسفی کا پروفیسر تہا۔ ان دونوں کو پنیر کی بو سے غشی آجاتی تہی اور گہنٹوں بیہوش پڑے رہتے تہے۔ بعض آدمیوں کو سیب سے اتنا ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو بندوق کی گولی سے بہی نہ معلوم ہوتا ہوگا۔

ایک بہادر سپاہی ڈیوک آف ایران خرگوش کے ننہے بچے کو دیکہتے ہی بیہوش ہوجاتا تہا۔ حالانکہ بڑے خرگوش کو دیکہ کر اسکو کچہ اثر نہ ہوتا تہا۔ سینر ڈابرٹ اُس منز سے اُٹہ کر بہاگ جاتا تہا جہاں نہایت چہوٹے سور کا گوشت رکہا ہوتا تہا۔ اور عجیب بات یہ تہی کہ اگر بکانے سے پہلے اُسکا سر کاٹکر کہیں دور پہینک آئے ہوں تو پہر اُسے کسی قسم کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تہی۔

ایک سپاہی تہا جس کے سامنے اگر سوتی کپڑے کو پہاڑتے تہے یا کاٹتے تہے تو اُسے غشی ہوجاتی تہی۔ نامی فلاسفر ہابز جو انسان کی طبعی خودغرضی کے اُصول کا سخت قائل تہا۔ اُس کی یہ حالت تہی کہ اگر ایک لحہ بہی اُسے اندہیرے میں چہوڑتے تو حواس باختہ ہوجاتا۔ ٹائیکو برتہیہ اگر کسی خرگوش کو دیکہ لیتا تو مہینوں بیمار پڑا رہتا تہا۔ مشہور فلاسفر بیلی کو جاری پانی کے بہنے کی آواز سنکر تشنج ہوجاتا تہا۔ حکیم بائیل کے زیر علاج ایک مریض تہا جس کے پاؤں میں کچہ زخم ہوگئے تہے۔ بائیل اُس کے لئے ایک مرہم طیار کرلایا جس میں اُس نے شہد بہی ملا دیا تہا۔ بیمار کو کچہ معلوم نہ تہا کہ مرہم میں کیا کیا اجزا ہیں لیکن مرہم کے جسم سے چہوتے ہی وہ چلا اُٹہا کہ اس میں شہد ملا ہوا ہے برائے خدا اسکو دور کرو ورنہ میں مرجاؤنگا۔

جولیا شاہ نیپلز کی دختر گوشت کو اگر اتفاقاً چکہہ بہی لیتی تہی تو قریب المرگ ہوجاتی تہی سکالیجر کا رنگ پودینے کو دیکہ کر زرد پڑجاتا تہا۔ ایک پادری کا ذکر ہے کہ جب اُس کے سامنے

جرمیا کی انجیل میں سے کوئی خاص آیت پڑھی جاتی تھی تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑتا تھا۔ اور ایک سپاہی کا ذکر ہے کہ اگر اُس کے سامنے جراحی کے عمل کا کوئی ذکر کیا جاتا تھا تو نہایت سخت بیمار ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ اتفاق سے کسی نے سنٹ جان مقتول کا نام لے لیا۔ اس نام کے سنتے ہی سپاہی صاحب ہم سے زمین پر گر پڑے اور لوگ ان کو اُٹھا کر گھر لے گئے +

ہمارے سابق کمانڈر انچیف لارڈ رابرٹز کا یہ حال تھا کہ بلی کے نام سے کوسوں بھاگتے تھے۔ اگر کمرے کے کسی ایسے کونے میں بلی چھپ کر بیٹھی رہتی جہاں دوسرا آدمی اُسکو نہ دیکھ سکے تو لارڈ رابرٹز بلی بلی پکارتے ہوئے فوراً کمرے سے باہر بھاگتے تھے اور تلاش کرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ واقعی اُس کمرے میں بلی موجود ہے۔ اور بعض وقت ایسا بھی ہوا کہ تمام فوجی افسروں کی محفل کے وقت اتفاق سے بلی کسی پیچھے کے دروازے سے بے خبر اندر گھس آئی تو لارڈ رابرٹز کو بھی وقت اسقدر درد سر اور بے چینی شروع ہوتی کہ آخر کو کمرہ چھوڑ کر بھاگنا پڑتا یا بلی وہاں سے فوراً نکلوائی جاتی + یہی نیچر کی نیرنگیاں ہیں جو ع بیروں زنشان رہنمونان؟ اور یہی قدرت کے تماشے ہیں جو ع برتر زخیال ذوفنوناں + کے مصداق ہیں +

یورپ کے تمام فلاسفران باتوں کو سنکر دم بخود ہیں کسی کی عقل ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی کہ انسان کی فطرت کے عجائبات کا سراغ لگا سکے +

بہرحال جن لوگوں کو تمام حواس نہایت صحیح و سالم عطا ہوئے ہیں۔ اُن کے لئے نہایت شکر کا مقام ہے۔ ایک باریک رگ و پٹھے کے کم و بیش یا اِدھر اُدھر ہو جانے سے کیا کیا تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہی گلاب کا پھول جس کے دیکھنے سے آنکھوں کو تازگی اور راحت جس کے سونگھنے سے دماغ کو تراوٹ اور فرحت اور جس کے چھونے سے جسم کو لطف اور سرور حاصل ہوتا ہے اسی کو دیکھ کر بعض انسان ایسے ڈرتے اور بھاگتے ہیں جیسے باؤلا کتا پانی سے ڈرتا اور

بہا گنتا ہے۔ وہی لطیف اور مزیدار سیب جن کو انسان حیوان چرند پرند سب دل وجان سے چاہتے اور بڑی خوشی سے کھاتے ہیں بعض آدم زادوں کے لیے بندوق کے گولے سے بھی بڑھ کر خوفناک ہیں۔ وہ شہد جو خلقت کو اسقدر مرغوب ہے بعض کے لیے زہر کا اثر رکھتا ہے۔ یہ اسرار انسان کی حد عقل سے باہر ہیں جن کی جستجو کی حرص فضول اور جنکا دریافت کرنا محال ٭ شعر کنہش بخرد شناخت نتواں زیں عقدہ بجز گذشت نتواں

اشتہار ڈپوٹی شاپ (دوکان الفرض)

کتب ذیل درخواست کرنے پر بصیغہ ویلیو پایاب سال زر نقد دوکان الفرض سے مل سکتی ہیں۔

المامون۔ مصنفہ شمس العلما مولوی شبلی صاحب قیمت بلا محصول		۱۲/
سیرۃ النعمان۔ مصنفہ مولانا شبلی صاحب	ایضاً	۱۴/
سفرنامۂ روم و مصر و شام۔ مولانای موصوف الصدر۔ ″	زیر طبع	۱۲/
کتب خانہ اسکندریہ	ایضاً	۵/
دیوان حالی۔ مصنفہ مولانا الطاف حسین حالی	۸/ ۳/	۱۱/
مسدس حالی۔ مع ضمیمہ فرہنگ مصنفہ مولانا موصوف	زیر طبع	۱۲/
شکوۂ ہند	ایضاً	۲/
مناجات بیوہ	ایضاً	۲/

لیل و نہار نظم بطور مسدس مصنفہ منشی احمد علی صاحب شوق لکھنوی اڈیٹر اخبار آزاد

علاوہ ان کے اور کتابیں بھی موجود ہیں مگر اس مختصر میں گنجایش اندراج نہیں راقم ولایت حسین

مینیجر ڈپوٹی شاپ مدرستہ العلوم علی گڈہ محمڈن کالج علی گڈہ

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A.-O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs 3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. p. for Rs 3 or for Re. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 2 annas per line or Rs. 2 per page in Urdu.

THEODORE BECK,
English Editor,
MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,
Urdu Editor.
NIAZ MUHAMMAD KHAN,
Manager.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 2.	OCTOBER 1, 1895.	No. 10.

CONTENTS.

EXTRAORDINARY.

Printed at the Institute Press, Aligarh.

For Siddon's Union Club.

علیگدھ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتازالدین کے اہتمام سے چھپا

محمدن اینگلو اوریئینٹل کالج میگزین

نمبر ۹	یکم ماہ ستمبر سنہ ۱۸۹۵ ع	جلد ۲

فہرست مضامین

انگریزی میں

اُردو میں

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتاز الدین کے اہتمام سے چھپا

کالج میگزین

قریباً چار برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اردو ملا ہوا — علیگڈہ کالج سے نکلنا شروع ہوا — اول اول وہ علیگڈہ انسٹیٹیوٹ کا ضمیمہ بن کر نکلتا رہا — لیکن سنہ ۱۸۹۴ع میں اس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی — اس کے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے — اور اس وجہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپی نہ تھی *

اس خیال سے اس کے منتظموں نے اس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جائے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ — مسلمانوں کے علوم و فنون — تاریخ اور لٹریچر کے متعلق — مفید اور پر زور مضمون لکھے جائیں — اس غرض سے اس کے ۲۴ صفحے بالکل اردو کے لیئے مخصوص کردیئے گئے — اور اس صیغہ کا اہتمام خاص میری سپردگی میں دیا گیا میں اس رسالہ کے ترقی دینے میں حتی الامکان کوشش کرونگا *

ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی — نواب محسن الملک — مولوی نذیر احمد — اور ماسٹر ذکاءاللہ — وغیرہ بزرگوں نے اس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہے — اور اہل قلم بھی اگر اس کی اعانت فرمائینگے تو ہم نہایت شکر کے ساتھہ قبول کرینگے *

ہم کو امید ہے کہ ہندوستان کی اسلامی جماعت خریداری سے اس کی اشاعت میں مدد دیگی — میگزین کے کل صفحات ۴۰ ہیں اور قیمت مع محصول ڈاک — (ے؍) *

شبلی نعمانی — پروفیسر

مدرسۃ العلوم علیگڈہ

اللہ اکبر

تعلیم انگلستان

جبکہ زمانے کے پرزور اسباب اور برٹش گورنمنٹ کی تہ کو پہونچنے والے اثر ہندوستان کے لوگوں کو تعلیم انگلستان کی طرف روز بروز بڑہتی ہوئی زیادتی کے ساتھہ توجہ دلا رہے ہیں تو یہ نہایت مناسب بلکہ لازم ہے کہ تعلیم انگلستان کی حقیقت اور اُس کے لازمی نتائج پر پورے غور کے بعد اُس کے متعلق ایک صحیح جانچ کی جائے اور جو طالب علم وہاں بہیجے جائیں اُنکے بہیجنے والوں اور خود اُن کے ذہن میں اُس جانچ کا پورا اندازہ رہے۔

چونکہ مجکو بھی انگلستان میں تین سال تک قیام اور تعلیم کی خوش نصیبی حاصل ہو چکی ہے اس لیئے میں اپنے خیالات اپنے ملک اور قوم کے بزرگوں کی خدمت میں اس مسئلہ کے متعلق اس غرض سے پیش کرتا ہوں کہ بعد ذاتی تجربہ کے جو رائے میں قائم کرسکوں شاید اُس سے آیندہ جانیوالوں کو کچھہ مشورہ یا مدد ملسکے۔

میں اس مضمون کو دو حصوں میں تقسیم کرونگا۔ اول حصہ میں اس امر کی بابت اپنے خیالات ظاہر کرونگا کہ جو طلبا ہندوستان سے انگلستان بغرض تعلیم جاتے ہیں اُن کو وہاں کس کس قسم کی تعلیم ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے۔ دوسرے حصہ میں اُن مقاصد کی

نسبت اپنی رائے لکھوں گا جو ہندوستانی طلبا کے وہاں جانے سے ہوتے ہیں یا ہونے چاہیں اور یہ لکھونگا کہ انگلستان پہونچنے کے بعد ان کو کس طرح رہنا چاہیئے اور وہاں کے لازمی اور ضروری اخراجات ایک محتاط شریف الطبع شخص کے لیئے کیا ہیں۔ چونکہ اکثر صاحبوں کو اخراجات کی نسبت صحیح اندازہ کرنے میں اکثر دقت ہوتی ہے اور اسکے نسبت تحقیق کے اکثر ضرورت ہوتی ہے اس لیئے اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر میں وہاں کے اخراجات کی بابت اگر ہو سکا تو کسیقدر تفصیل کے ساتھ دوسرے حصہ میں تحریر کرونگا۔

حصۂ اوّل

تعلیم کا اصلی مقصد جہاں تک کہ میں سمجھ سکتا ہوں یہ ہے کہ خدا نے جو قوتیں ہمکو عطا فرمائی ہیں اُن سب سے کامل طور پر اور اپنی حالتوں کے لحاظ سے عمدہ اور جائز طور پر ہم میں کام لینے کی خواہش اور قابلیت پیدا ہو جائے۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ جو ہندوستانی طلبا انگلستان تعلیم کے لیئے جاتے ہیں اُن کو وہاں کس قسم کی اور کس درجہ تک کی تعلیم ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے۔ ہندوستان میں عام خیال یہ ہے کہ جو ہندوستانی نوجوان انگلستان تعلیم کے لیئے جاتے ہیں وہاں جاکر وہ یا تو کسی کالج میں داخل ہو جاتے ہیں یا پرائیوٹ طور پر کسی اُستاد سے پڑھ کر اپنے امتحان وغیرہ کے لیئے طیاری کرتے ہیں اور وہاں تین یا چار یا پانچ سال رہکر یا تو بیرسٹر ہو آتے ہیں یا کسی یونیورسٹی کے ڈگری بھی حاصل کر لیتے ہیں یا بعض بعض ایسے بھی خوش قسمت ہیں جو سول سروس میں کامیاب ہو آتے ہیں۔ غرضکہ تعلیم انگلستان سے اُن کے ذہن میں اُسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے جیسا کہ یہاں کے کالجوں کی تعلیم کی بابت انکا خیال ہے کہ کلاس وار اور مقررہ مضامین و کتابوں کی خواندگی ہوتی ہے اور مقررہ اوقات پر طلبا امتحان دیکر بشرط کامیابی سرٹیفکٹ حاصل کرتے

ہیں۔ یعنے عام طور پر یہاں کے لوگوں کے خیال میں تعلیم انگلستان کتابی تعلیم پر محدود ہے مگر تعلیم انگلستان کی نسبت یہ خیال ٹھیک نہیں ہے۔ نہ یہ خیال اُس کی پوری اصلیت پر مبنی ہے۔ کتابی تعلیم تو اس تعلیم کا ایک جزو ہے جو انگلستان میں جا کر حاصل ہوتی ہے۔

جو تعلیم ایک نوعمر ہندوستانی کو انگلستان میں حاصل ہوتی ہے اسکو میں نے پانچ قسموں پر تقسیم کیا ہے۔ اول کتابی تعلیم۔ دوم عملی تعلیم۔ سوم سوشیل تعلیم۔ چہارم پولیٹکل تعلیم اور پنجم دماغی تعلیم۔

اسمیں شک نہیں کہ تعلیم کا خواہ وہ کسی قسم کی ہو پورے طور پر حاصل ہونا یا نہونا بہت کچھ خود طالب علم کے شوق اور ذہن پر منحصر ہے لیکن میری غرض یہ بیان کرنے کی ہے کہ جو نوعمر ہندوستانی انگلستان تعلیم کی غرض سے جاتے ہیں اُنکو متذکرۂ بالا پانچ قسم کی تعلیم حاصل کرنے کے پورے مواقع حاصل ہیں بلکہ ایک حد خاص تک تو اُنکو ضرور (وہ پوری توجہ کریں یا نہ کریں) کچھ نہ کچھ ان میں سے ہر ایک قسم کی تعلیم حاصل ہوتی ہی ہے۔ اب ان پانچوں قسم کی تعلیم کے نسبت میں اپنے خیالات نہایت مختصر طور پر تحریر کرونگا۔

اول کتابی تعلیم۔ کتابی تعلیم سے میری مراد وہ تعلیم ہے جو طلبا کو کالجوں میں پڑھنے اور امتحانوں کے لیئے کتابیں مطالعہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ وہ تعلیم ہے جو کہ خود ہندوستان میں ہی اب نہایت خوبی اور کامیابی کے ساتھ ہمکو حاصل ہو سکتی ہے۔ جو کتابیں انگلستان میں پڑھائی جاتی ہیں وہ یہاں بھی پڑھائی جاسکتی ہیں اور اکثر پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔ جو مضامین کہ وہاں کے یونیورسٹیوں اور کالجوں کے کورسوں میں داخل ہیں وہ یہاں کے کورسوں میں ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ البتہ میرے خیال میں تین باتوں میں انگلستان کی کتابی تعلیم کو ہندوستان کی تعلیم پر ترجیح ہے۔ اول یہ کہ چونکہ تمام اعلی اور جدید مضامین زبان انگریزی میں ہیں اسیلئے

زبان انگریزی کی لیاقت اور عمدہ لیاقت اُن کو پورے طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے چونکہ
زبان انگریزی کو حاصل کرنے کے لیے انگلستان جاکر ہمکو عمدہ مواقع ملتے ہیں اس لیے ان
کتابوں کو جو یہاں بھی پڑھائی جاتی ہیں ان کو وہاں جانے کے بعد عمدہ طور سے سمجھنے کے لیے
زیادہ سہولت ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں کے استاد بلاشبہ زیادہ اور بہت زیادہ لائق ہیں
اکثر وہ کتابیں جو یہاں کے کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں خود انہیں کے مصنف انگلستان کے
یونیورسٹیوں اور کالجوں میں پروفیسر اور لکچرار ہیں۔ دنیا میں آج جتنے اعلی اور جدید
مضامین ہیں اُنپر زبان انگریزی میں جسقدر کتابیں لکھی گئی ہیں یا لکھی جاتی ہیں اُن میں سے
اکثر کے مصنف وہی علما ہوتے ہیں جو کیمبرج یا اکسفورڈ یا دیگر یونیورسٹی ہائے انگلستان میں
پروفیسر یا اوستاد ہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایسے اوستادوں کے شاگردوں کو
اعلی لیاقت حاصل کرنے کا کسقدر عمدہ موقع حاصل ہے۔ انگلستان کی یونیورسٹیوں میں
یہ عام قاعدہ ہے کہ جس عالم کو کسی خاص مضمون میں قدرتی دلچسپی اور لگاؤ ہو وہ اُسی کی تحقیق
اور ترقی میں اپنا وقت اور توجہ صرف کرتا ہے اور کالجوں میں اُس مضمون پر وہی لکچر دیتا ہے
۔ جو انگلستان کے اور ہندوستان کے اوستادوں کی تعلیم میں فرق ہے وہ ویسا ہی ہے
جیسا کہ تازہ اور رکھے ہوئے پھلوں میں ہوتا ہے۔ جو ذائقہ کابلی انگوروں کا کابل میں ہوتا ہوگا
وہ پٹاریوں میں بند ہو کر یہاں آنے کے بعد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ کیفیت اُن تصانیف کی ہے
جو انگلستان کے علما کی یہاں پڑھائی جاتی ہیں۔ اس لیے انگلستان میں ایک طالب علم کو اپنے
خاص مضمون میں اعلی درجہ حاصل کرنیکا نہایت عمدہ موقع حاصل ہے بشرطیکہ وہ اُس سے فائدہ
اُٹھائے۔ تیسرے یہ کہ بعض امتحانات ایسے ہیں کہ جو صرف انگلستان ہی میں دیئے جا سکتے
ہیں جیسے کہ بیرسٹری اور سول سروس وغیرہ۔ متذکرہ بالا تینوں وجوہ سے انگلستان میں

جو کتابی تعلیم ہکو حاصل ہو سکتی ہے اُسکو ہندوستان کی تعلیم پر بیشک ترجیح ہے۔

اب دوسری قسم کی تعلیم کی نسبت کچھ بیان کرونگا یعنی عملی تعلیم۔ اس سے مراد وہ تعلیم ہے جو ایک نوعمر ہندوستانی کو انگلستان کے لوگوں کے روزانہ زندگی طرز و عادت و اخلاق دیکھنے اور برتنے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ وہ تعلیم ہے جس سے ہمارے طرز عمل پر اثر پڑتا ہے۔ جو ہمکو دل اور ارادے سے کام کرنا اور ہمت سے اپنے فرض کو ادا کرنا سکھاتی ہے۔ یہ تعلیم ہکو موجودہ حالت کے لحاظ سے اپنے ملک میں حاصل نہیں ہو سکتی۔

ایک نوعمر ہندوستانی کو انگلستان پہونچکر عجیب کیفیت نظر آتی ہے۔ وہاں کے باشندوں کے طرز و عادات و طریقۂ کام و باہمی میل جول یہ سب اُسکو اپنے ملک سے مختلف اور نرالی معلوم ہوتی ہیں۔ جس شخص کو وہ دیکھتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت نوجوان ہو یا لڑکا بوڑھا ہو یا بچہ سب کے سب مستعد اوقات کے پابند اپنے فرائض کو سمجھنے والے اور سمجھکر اُن کو دل و ارادہ سے پورا کرنے والے۔ ہمدرد سچے۔ جھوٹ سے متنفر۔ ایک دوسرے کی خوشی اور ترقی پر دل سے خوش ہونے والے۔ اڑے وقت پر خود بخود مدد کرنیوالے "اپنی مدد آپ" کے اصول پر کاربند۔ اپنی موجودہ حالت کی ترقی کی فکروں میں ہر وقت مصروف اپنے ملک کے درجہ کو دنیا میں اعلیٰ پایہ پر قائم رکھنے والے۔ اور دنیا میں مستقل اور کامیاب اثر ڈالنے والے ایسے لوگوں کو وہ سب طرف دیکھتا ہے اُن کی صحبت اُسکو نصیب ہوتی ہی۔ اُن سے ہر وقت اُسکو کام پڑتا ہے ہر موقع پر عالی خیالی اور عالی حوصلگی کی مثالیں دیکھکر اُس کی طبیعت حیران ہوتی ہے۔ یہ مثالیں اُس کے دل میں طرح طرح کے نئے جوش و ولولے پیدا کرتے ہیں۔ جبکہ وہاں ہر شخص وقت کا پابند ہے تو اس لئے اُن سے کاروبار میں اس کو بھی پابند ہونا پڑتا ہے چونکہ مستعدی اور ہمت وہاں ہر شخص کی عادت میں داخل ہو لہذا

اس کی عادتوں میں بھی وہ اثر کر جاتی ہیں جبکہ ہر طرف اولوالعزمی اور عالی حوصلگی اپنے آثار دکھاتے ہیں تو اُس کے دل میں بھی بڑے بڑے جوش اُٹھتے ہیں اور اس میں ایک قسم کی نئی زندگی پیدا ہوتی ہیں۔ انگلستان کے لوگ ادنی سے لیکر اعلے تک نہایت محنتی۔ جفاکش اور پرہمت ہیں۔ وہاں کے لوگوں کو اور یہاں کے لوگوں کو بلحاظ کام کرنے کی قوت کے وہی نسبت ہے جو کہ ایک انجن کو چھکڑے سے۔ غرضکہ وہاں کے لوگوں کے طرز و عادات و کاروبار سے بہت بڑا اثر ہوتا ہے اور اگر کسی پر نہو تو اُس کی حالت ناگفتہ بہ ہے ایسے لوگوں کو انگلستان ہرگز نہیں بھیجنا چاہیئے ورنہ اگر کچھ بھی سمجھ ہو تو ممکن نہیں کہ وہاں کی جفاکشی۔ ہمت۔ ایمانداری۔ پابندی اوقات اور جرأت جن کے ساتھ وہاں کے لوگ اپنے فرائض ادا کرتے ہیں ہمارے دلوں پر دائمی اثر نکریں اور ہماری آیندہ زندگی پر عمدہ اثر نہ ڈالیں یہ وہ بیش بہا تعلیم ہے جو ہمکو اس ملک میں حاصل نہیں ہوسکتی۔

تیسری قسم کی تعلیم جو ایک نوعمر ہندوستانی کو انگلستان میں حاصل ہوتی ہے وہ سوشیل تعلیم ہے اس سے وہ تعلیم مراد ہے جو انگلستان کے شرفا سے ملنے جلنے اور وہاں کے مرد و عورتوں کے باہمی تعلقات اور طرز معاشرت کے دیکھنے اور برتنے سے حاصل ہوتی ہے۔ سوشیل تعلیم ہندوستان میں جہاں تک کہ میں سمجھ سکتا ہوں موجودہ حالت سوسائٹی کے لحاظ سے ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں کی عورتوں کی حالت سوشیل تعلیم کی مانع ہے۔ اس مسئلہ کی نسبت آج کل دنیا بھر میں اور خاصکر ہندوستان میں سخت اختلاف رائے ہے۔ اس موقعہ پر صرف یہ کہنا کافی ہے کہ جو مُراد سوشیل لائف سے ہے وہ اس ملک میں موجود نہیں ہے۔ مردوں اور عورتوں کا علیحدہ علیحدہ دو فریق ہونا اور ایک دوسرے کی سوسائٹی بالکل جدا ہونا اُس سوشیل لائف کے قطعی مانع ہے جو ہم انگلستان میں

پاتے ہیں اور جو میرے خیال میں مجموعی حالات اور نتائج کے لحاظ سے قابل تعریف اور ذریعہ بہبودی اور خوشی ہے۔

جو عورتوں کی ہر طرح کی ترقی کے خواہاں ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ بھی اپنی خداداد قوتوں کو کام میں لانیکے قابل بنائی جائیں وہ ضرور اس قسم کی تعلیم کی قدر کرینگے۔ عورتوں کی تعلیم اور اُن کی جائز اور محدود آزادی کی نسبت آج کل ہندوستان میں عجب عجب خیالات پھیلے ہوئے ہیں مگر جو خیال کہ اب تک حاوی رہا ہے اور ہے وہ یہ ہے کہ عورتوں کو زیادہ تعلیم اور آزادی دینے سے ان کے اخلاق درست نہیں رہتے۔ ایک ہمارے بڑے مشہور مصنف نے اپنے حال کی تصنیف میں اس مسئلہ کے دونوں پہلو دکھا کر آخر کار فیصلہ عورتوں کی اعلی تعلیم اور آزادی کے خلاف کیا ہے۔ علاوہ ان کے اور جو ہمارے ہادیان رائے و خیال ہیں اُن میں سے اکثر اس مسئلہ کی نسبت نہایت سخت اور یکطرفہ رائے رکھتے ہیں میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ عورتوں کی ترقی تعلیم کے دل سے خواہاں ہیں وہ ضرور اس تعلیم کی قدر کریں گے اور چاہیں گے کہ ہمارے ملک کے نوعمروں کو وہ حاصل ہو اور اُس کا اثر اس ملک کے سوشیل حالت پر اُس کی خاص حالتوں اور ضرورتوں کے موافق پڑے مگر یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ وہ غلط اور بے بنیاد خیالات جو تعلیم یافتہ عورتوں کے اخلاق واطوار کی نسبت یہاں عام طور پر اثر پائے ہوئے ہیں اُن کی اصلاح ہو۔ اس اصلاح کا اگر کوئی عمدہ طریقہ ہے تو وہی سوشیل تعلیم ہے جو صرف انگلستان جا کر حاصل ہو سکتی ہے۔ علاوہ اس کے ہماری ملکی سوشیل حالت کی درستی کے لیئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خلاف نیچر تقسیم جوذات کے قاعدہ نے ملک کے باشندوں کی کی ہے اُس میں ترمیم اور تبدیلی ہو۔ شاید کسی چیز نے اس ملک کی مجموعی قوت کو اسقدر متفرق اور کم نہیں کیا جیسا کہ ذات کے طریقہ نے

اور اس کا اثر صرف ہندؤں ہی تک محدود نہیں بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں کے خیالات بھی اُس میں بہت رنگے جا چکے ہیں اور ان کے خیالات بھی بہت کچھ حقوق مخلوق کی نسبت غیر منصف اور بے رحمی کی بنا پر قائم ہو گئے ہیں۔ انگلستان کی تعلیم کا یہ بہت بڑا اثر ہے کہ انسان کی عظمت بطور انسان ہونے کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ اس ملک میں وہ رشتہ جو ہر ادنی و اعلے میں بوجہ ایک خالق کی مخلوق ہونے کے قدرت سے قائم ہے۔ روزانہ زندگی میں دکھائی دیتا ہے اور کل ملک کے برتاؤ میں اُس کا بہت کچھ اثر پایا جاتا ہے کیا سبق سیکھنا چاہیئے اُس ملک سے جس نے کروڑ روپیہ اور ہزاروں جانیں صرف کر کے افریقہ کے مظلوموں کو غیر ملک کے ظالموں کے چنگل سے چھڑایا ہو اور جسنے غلامی کے تاریخی دھبہ کو مہذب دنیا سے مٹا کر انسانی آزادی اور برابری کے اصول کو ایک نئی اور مضبوط بنا پر قائم کیا ہو۔

ہمارے ملک کی سوشیل حالت کی درستی کے لیئے میرے خیال میں یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ ہم غریب سے غریب اور مظلوم سے مظلوم ہم ملک کو ہمدردی اور قدر کی نگاہ سے دیکھیں نہ تکبر اور خود پسندی کے ساتھ۔

ہندوستان میں چونکہ صدیوں سے زبردست زیردستوں کے ساتھ خلاف انصاف برتاؤ کرتے آئے ہیں اس لیئے یہاں کی ہوا میں اس قسم کے خیالات رچ گئے ہیں۔ وہ لوگ جو عالی خاندان کہلائے جاتے ہیں وہ غربا کو رذیل سمجھنا اور اُن کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرنا اپنی بزرگی کے قیام کے لیئے لازمی خیال کرتے ہیں۔ ان خیالات کو دور یا کم کرنے کے لیئے انگلستان جیسے انصاف پسند آزاد و مہذب ملک کی تعلیم میرے خیال میں لازمی ہے۔ میں تعلیم انگلستان کے اس اثر کو نہایت امیدوں بھرے دل کے ساتھ پسند کرتا ہوں اور

یقین کرتا ہوں کہ رفتہ رفتہ اس کی بدولت ملک میں سے سوشیل ظلم کم اور باہمی اتفاق و اخلاص زیادہ ہوگا۔

چوتھی قسم کی تعلیم جو انگلستان میں حاصل ہوتی ہے وہ پولٹکل ہے۔ پولٹکل تعلیم اون اُصول کی تعلیم ہے جنپر گورنمنٹ حال بنتی ہے۔ ہندوستان کی موجودہ حالت پر غور کرتے ہوئے اور اُس رشتہ اور تعلق پر غور کرتے ہوئے جو آج اُس کے اور انگلستان کے درمیان واقع ہے یہ یقینی امر ہے کہ جو پولٹکل تعلیم ہماری خاص ضرورتوں کے لحاظ سے ہمکو انگلستان میں ہو سکتی ہے اور کہیں نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان میں تو پولٹکل تعلیم موجودہ حالت میں ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ نہ یہاں کے لوگوں کو اس قسم کے امور سمجھنے کی لیاقت ہے اور نہ انکو کوئی موقع حاصل ہے کہ وہ اُس میں تعلیم حاصل کریں۔ انگلستان کے پولٹکل لحاظ سے ایک خاص حالت ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں ملک کے لوگوں کو پولٹکل معاملات میں نہ کچھ دلچسپی ہے اور نہ کچھ دخل۔ اس کے برخلاف انگلستان میں وہاں کے عام لوگوں کو سب ملکوں سے زیادہ دلچسپی اور سب ملکوں سے زیادہ اصلی دخل حاصل ہے۔ اور نہ صرف آسودہ اور خاص خاص لوگوں کا بلکہ غربا اور مزدوروں تک کا بھی ملک کے گورنمنٹ میں بہت کچھ اثر ہے۔ جب کوئی قانون بنتا ہے اول اُس کی تجویز بہوں اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے کل ملک کے سامنے پیش ہوتی ہے اُسپر سب بحث کرتے ہیں۔ بحث کے بعد جب ایک کافی تعداد ملک کے لوگوں کی اُسکو پسند کرتی ہے تب وہ پارلیمنٹ میں پہونچتی ہے۔ پھر جس شکل میں کہ وہ پارلیمنٹ میں پیش ہوتی ہے اُسپر کل ملک میں بحث ہوتی ہے اور اُس کے کل پہلوؤں پر کل ملک غور کرکے اخباروں رسالوں اور جلسوں کے ذریعہ سے اپنی رائے ظاہر کرتا ہے اور اُسکا پورا اثر پارلیمنٹ پر پڑتا ہے جو ملک کی مرضی کے خلاف کوئی تجویز

نہ پیش کر سکتی ہے اور نہ منظور۔

اس سے مطلب یہ ہے کہ جبکہ ملک کے عام لوگونکا اس قدر حصہ قانون کے وضع کرنے اور منظور کرنے میں ہے تو اس سے ملک کے پولٹکل حالت کو کسقدر ترقی ہوتی رہتی ہے اور ملک کی پولٹکل زندگی میں کس قدر قوت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ بڑے بڑے وزرا مزدوروں اور کسانوں کی خوشامد کرتے ہیں اور رات دن اسی فکر میں رہتے ہیں کہ رعایا ان کی کارروائی اور خدمت سے آرام و آسایش پا کر ان سے خوش ہو۔

ایک نوعمر تعلیم یافتہ ہندوستانی جبکہ کئی سال تک ایسے لوگوں میں اور ایسی پولٹکل ہوا میں رہیگا تو ظاہر ہے کہ اُسپر کیا اثر ہونا چاہیئے۔ ان باتوں کو دیکھنے اور سمجھنے سے وہ کچھ کچھ اُن اُصول کو بھی سمجھنے لگتا ہے جنپر کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ ہند مبنی ہے یعنی یہ کہ انگلستان کا ہندوستان پر حکومت کرنا خود ہندوستان کے نفع و ترقی کے لیئے ہے نہ کہ ذاتی غرض سے۔ انگلستان کا جو طرز حکومت ہے وہ اُس سے واقف ہوجاتا ہے انگلستان کی مجموعی اور جمہوری جو قوت ہے اور دنیا پر جسقدر آج اُسکا اثر ہے اُس کا بھی اُسکو کچھ کچھ اندازہ ہوجاتا ہے۔ غرضکہ وہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ انگلستان کی حکومت سے جو ہندوستان میں بہتر نتایج دکھلائے ہیں اُن کی وہ قدر کر سکے اور جن طریقوں و قوانین کے ذریعہ سے وہ نتایج ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ ان کی اصلیت کو سمجھنے لگے۔ جو لوگ ملک کے سچے بہی خواہ ہیں وہ ضرور پولٹکل تعلیم کی قدر کریں گے کیونکہ گورنمنٹ کے قیام اور استحکام اور ملک کے امن و امان کے لیئے یہ ضروری ہے کہ رعایا گورنمنٹ کے اُصول و طرز حکومت کو سمجھکر اس قابل ہو کہ گورنمنٹ کی قدر کرے اور گورنمنٹ

گو اپنی بہبودی او خدمت کے لیئے ضروری سمجھے جہاں تک کہ میں سمجھ سکتا ہوں اُس پولٹکل تعلیم کا جو انگلستان میں حاصل ہوتی ہے یہ لازمی نتیجہ ہے کہ رعایا ہند برٹش گورنمنٹ کو مجموعی حالات کے لحاظ سے اپنے لیئے سب سے بہتر سمجھے۔ جنکو وہ تعلیم حاصل ہوئی ہے وہ جہاں تک کہ مجکو علم ہے ضرور سمجھتے ہیں۔

پانچویں قسم کی تعلیم جو انگلستان جانے سے حاصل ہوتی ہے دماغی تعلیم ہے۔ ہندوستان میں ہماری زندگی اس قدر تاریک او رسست حالت میں ہے کہ ہماری خداداد قوتوں کو اپنی ترقی اور کام میں آنے کا پورا موقعہ نہیں ملتا۔ اسوجہ سے ہمارے خیالات کا دائرہ نہایت محدود رہتا ہے۔ انگلستان جانے سے ہماری دماغی اور عقلی قوتیں سب کام میں آنا شروع ہوتی ہیں۔ بہت سے نئے مضامین نئے طرز اور نئی حالتیں ہمارے دماغوں کے سامنے پیش ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے کثرت سے نئے خیالات دماغوں میں پیدا ہوتے ہیں او نئے خیالات پیدا کرنے کی دماغوں میں رغبت اور قوت پیدا ہوتی ہے اس سے جو دماغی ورزش ہوتی ہے اور اُس ورزش سے جو دماغی ترقی ہوتی ہے اُسکو میںنے دماغی تعلیم بیان کیا ہے۔ یہ میرا خیال ہے کہ جس درجہ تک یہ دماغی تعلیم ہمکو انگلستان جاکر حاصل ہوتی ہے یہاں نہیں ہو سکتی ہے

۶۔ اپنے ملک سے چھ ہزار کوس کا فاصلہ طے کرکے ایک غیر ملک میں جانا اور وہاں چند سال رہنا خود ایک بہت بڑی چیز ہے خاصکر جبکہ وہ ملک انگلستان ہو۔ ہندوستان کے کنارے سے روانہ ہوتے ہی بالکل نئے اور عجیب واقعات اور حالات دکہائی دیتے ہیں جہاز ہی میں نئے لوگوں اور نئی حالتوں سے واقفیت ہونا شروع ہوتی ہے اور دماغ میں نئے نئے خیالات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ پھر انگلستان پہونچنے پر وہاں کی دولت۔

شوکت۔ثروت۔وہاں کے لوگوں کے عالی خیالات اور عمدہ صفات عجب عجب خیالات سجھاتے ہیں۔انگلستان کی ترقی کو دیکھکر اور اپنے ملک کی ذلت اور خستہ حالی کی یاد اگر جو دونوں کی حالتوں کے مقابلہ کے بعد اُن کے اسباب کی نسبت دل میں خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ بیان سے باہر ہیں۔

آج کل ہمارے ملک میں ہمدرد اور روشن دماغ لوگ ملک کی خراب حالت کی نسبت لوگونکو توجہ دلا رہے ہیں۔کتابیں لکھی جاتی ہیں۔مضامین شائع ہوتے ہیں لکچر اور اسپیچیں دیجاتی ہیں۔مگر ظاہرا کچھ بہت اثر معلوم نہیں ہوتا۔لیکن ہر دے سے مردہ دل اور بہتے سے بہتے ہندوستانی کو لندن لیجاکر دکہاؤ تو ممکن نہیں کہ اُس کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ہمارے ملک میں اور اس ملک میں اسقدر فرق کیوں ہے۔اس کی کیا وجہ ہے اسکا جواب اُس کی عقل کچھ ہی دے مگر اُس کے دماغ میں ممکن نہیں کہ اس قسم کی تحریک نہو۔اور یہ ہر ایک حالت کی نسبت۔دولت کی نسبت۔تہذیب کی نسبت۔علم کی نسبت غرضکہ جن جن امور میں انگلستان کے لوگ ہم سے برتر ہیں (اور یہ ظاہر ہے کہ قریب قریب ہر ایک چیز میں آج وہ ہم سے بڑھے ہوے ہیں) اُن سب کی نسبت ایک نوعمر ہندوستانی کے دل میں ایک حسرت بھری خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش اُس کے ملک میں بھی ایسی ترقی ہوتی۔ایسے اثر سے جو دماغ میں خیالات پیدا ہوتے ہیں اور اُس سے جو دماغی تعلیم ہونی چاہیئے وہ ظاہر ہے۔اور ان خیالات کے پیدا کرنے کے لیئے ایسا ہی پر عظمت۔پر شوکت اور پر دولت ملک درکار ہے جیسا کہ انگلستان۔علاوہ اس کے انگلستان کی روزانہ زندگی میں دماغ کا بہت خرچ ہے۔قریب قریب ہر ایک شخص کا کم یا زیادہ تعلیم یافتہ ہونا کل علوم کا عام طور پر رائج ہونا کتابوں کا کثرت سے پڑھا جانا اخباروں و رسالوں کا کثرت سے چرچا ہونا ان سب وجوہ سے عام گفتگو میں

وہ فضا میں رہتے ہیں جن کے سمجھنے اور جن پر گفتگو کرنے کے لیئے دماغ کے صرف کرنے کی ضرورت ہے۔ جو ہندوستانی طالب علم انگلستان میں کچھ سال رہتے ہیں ان پر ضرور اس دماغی زندگی کا اثر پڑتا ہے۔

متذکرۂ بالا سطور میں نہایت اختصار کے ساتھ میں نے اُن امور کیطرف توجہ دلائی ہے جن کی تعلیم ایک نوعمر ہندوستانی طالب علم کو انگلستان میں لازمی طور پر کم یا زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ آیندہ حصہ میں انشاء اللہ میں وہاں کے رہنے۔ طریقوں تعلیم اور اخراجات کی نسبت تحریر کرونگا۔ . . . . باقی آیندہ

آفتاب احمد خاں احمدی

بی۔ اے دبیرسٹرایٹ لا

نپولین اعظم کا مصر میں آنا

جسقدر دلچسپی عام مسلمانوں کو نپولین اعظم کے مصر میں آنے کے واقعہ سے ہو سکتی ہے وہ غالباً انکو اس کے سوانح عمری کے اور کسی واقعہ سے نہیں ہو سکتی۔

کہتے ہیں کہ اس موقع پر اس عظیم الشان فاتح نے جو صرف چند سال بعد تقریباً آدہے یورپ کو فتح کر کے اپنے زیر قدم لانے والا تہا۔ علانیہ اپنا میلان خاطر مذہب اسلام کی طرف ظاہر کیا مشہور ہے کہ جب وہ مصر میں سب سے بڑے بڑے ایسے مقبروں کی سیر کرنے گیا تہا۔ جو زمین کے نیچے بطور سرداب کے بنے ہوئے ہیں۔ تو اُسنے ایک مفتی سے حیلۃً بیان کیا تہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ اور اُسکے روبرو بظاہر اعتقاد اور صداقت کے طرز سے کلمہ شہادت بہی پڑہا تہا لیکن نپولین کا پرائیویٹ سیکرٹری جو اس سفر میں اس کے ہمرکاب تہا ان بیانات کی قطعی تکذیب

کرتا ہے۔ یہ بیان صحیح ہوں یا غلط۔ تاہم نپولین کا عام رویہ اور برتاؤ مصر میں اسی قسم کا تھا جس سے کہ اس قسم کی خبریں ظاہر ہوئیں۔ اور غالباً نپولین ان کے تسلیم ہونے سے ناراض نہ تھا

پہلے ہم مختصر طور سے اس حکمت عملی پر نظر ڈالتے ہیں جس سے اس مہم کی بنا پڑی۔ نپولین کا یہ حملہ تمام قوانین جنگ کے بالکل خلاف تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں فرانس اور ٹرکی میں صلح تھی۔ اور اس وجہ سے فرانس کو کوئی حق حاصل نہ تھا۔ کہ ٹرکی کے ایک صوبہ پر فوج لیکر چڑھ آئے۔ لیکن نپولین کی بلند خیالی اور عالی حوصلگی اس قسم کے خیالات سے کب رُکنے والی تھی۔ نپولین کو امید تھی کہ مصر کے فتح ہو جانے سے فرانس کو ایسی آبادی پر قبضہ حاصل ہو جائیگا۔ جو جزائر غرب الہند کے تمام فرانسیسی مقبوضات کی مقابلہ میں بہت زیادہ زرخیز اور مفید مطلب ہے۔ اسکا ارادہ تھا کہ دریائے نیل پر ایک فرانسیسی بستی آباد کرتا جس کی ترقی اور بہبودی کے لیئے غلاموں سے کام لینے کی ضرورت نہ پڑتی۔ بلکہ یہ بستی فرانس کی اشیاء صنعت کے خرید و فروخت کے لیئے ایسا مفید بازار ہو جاتی۔ کہ فرانس کے ہر قسم کے کارخانجات صناعی کو اس سے بہت بڑا فائدہ پہنچتا۔ افریقہ کے باشندوں کی ضروریات مہیا کرنے کے لیئے صرف فرانسیسی کاریگر کام میں لگائے جاتے اور اُس کے بدلے میں فرانس کو مصر سے گیہوں۔ چاول۔ شکر (Nitre) شورا وغیرہ افریقہ اور ایشیا کے تمام پیداوار مل سکتیں۔ علاوہ ازیں نپولین سمجھتا تھا کہ اگر فرانس کا اقتدار مصر میں قائم ہو گیا۔ تو انگریزوں کو زیادہ عرصے تک ہندوستان میں قدم جمانا ناممکن ہو جائیگا۔

خاکنائے سویز میں نہر کاٹنے سے ہندوستان کی تجارت انگریزوں سے نکلکر فرانسیسیوں کے قبضہ میں آجائیگی اور انگریزی سوداگری کے جہاز جو اس زمانے میں راس امید کے گرد ہوکر ہندوستان میں آتے جاتے ہیں۔ انکا کاروبار جاتا رہیگا۔ نپولین کی تجویز تھی کہ بحیرۂ احمر کے ساحل

جہازوں کے بیڑے طیار کرائے۔ جنگی سامان رسد اور ضروریات زندگی تو مصر کی پیداوار سے ملجائیں۔ اور فرانسیسی فوجیں جو مصر میں مقیم کیجائیں۔ ان میں بھرتی ہوں۔ اس تدبیر سے نپولین سمجھاتا کہ میں ہندوستان کا مالک بن جاؤنگا۔ قبل اس کے کہ انگریزوں کو میرے ارادوں کے دریافت کرنے کا موقع ملے۔ یہ بھی ایک تعجب انگیز امر ہے کہ اُسنے مرہٹوں اور ٹیپو صاحب سے مدد چاہی تھی۔

مصر میں پہنچنے کے بعد نپولین سنے ٹیپو صاحب کو یہ کہلا بھیجا تھا کہ آپ کو پہلے ہی اطلاع ہو چکی ہے کہ میں ایک نہایت زبردست اور ناممکن التسخیر فوج لیکر بحیرہ احمر کے ساحل پر آپہنچا ہوں۔ اور آپ کو انگریزوں کے ظالم پنجے سے چھڑانے کی خواہش رکھتا ہوں

اسی قسم کی دلیرانہ اور بلند نظری کی تدبیروں کو پورا کرنے کی غرض سے نپولین مصر کو فتح کرنا چاہتا تھا وہ صرف کسی ایسے حیلہ کا محتاج تھا جس سے وہ مصر پر تو حملہ کر سکے مگر ٹرکی سے جنگ نہو۔ اس لیئے اسنے وزیر اعظم ٹرکی کو لکھ بھیجا۔ کہ فرانس کی فوج مصر میں آگئی ہے تاکہ فرقۂ مملوک کے سرداروں کو بیباکی کی سزا دے۔ کہ وہ فرانسیسی سوداگروں کے ساتھ ہمیشہ گستاخی اور مزاحمت کرتے رہتے ہیں۔ ساتھ ہی نپولین سنے سلطان ٹرکی سے ایک فرمان کی درخواست کی جس میں اُس سنے اجازت چاہی کہ وہ ملک مصر کی قسمت کا فیصلہ قطعی طور سے کرے۔ اور تمام امور ریاست کا انتظام اس خوبی سے کرے کہ اُس سے سلطنت ٹرکی اور سرکار جمہوریہ فرانس کی عظمت و شان زیادہ ہو جاسے۔ اور نیز بے اور مملوک جو دونوں سلطنتوں کے دشمن ہیں بالکل پامال کر دیئے جائیں۔ لیکن یہ کہنا کچھ ضرور نہیں۔ کہ ترک کسی طرح نپولین کی ان دلفریب باتوں میں نہیں آئے۔

یہ امر بیشک درست ہے۔ کہ اُس زمانے میں مملوک فرقہ کے آزاد و خود مختار ہونے کے سبب

ملک مصر کی حالت بہت افسوسناک تھی۔ بلکہ غالباً اس حالت کی مثال تاریخ میں نہیں مل سکتی معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ مملوک کی ابتدا سلطان صلاح الدین کے زمانے میں ہوئی۔ سلطان موصوف نے اس فرقے کے لوگوں کا ایک رسالہ بطور اپنے ذاتی محافظ یعنی باڈی گارڈ کے بنایا تھا۔ لیکن یہ رسالہ بجز سلطان کی ذات کے کسی اور شخص کے ماتحت یا متعلق نہ تھا۔ مملوک بچپن سے صوبہ جات سرکیشیا اور جارجیا سے خرید ہوتے تھے اور جس طرح سے کہ قسطنطنیہ میں *جینی سری ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کی تعلیم و تربیت بھی محض جنگی خدمات کے لیئے ہوتی تھی۔ مملوک عرب کے عمدہ سے عمدہ گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے۔ اور ان کی جمعیت سلطان صلاح الدین کی فوج میں نہایت باشان و شوکت تھی۔ کچھ عرصے میں یہ تیز فہم اور طاقتور گروہ رفتہ رفتہ جنگجو ہوگیا۔ اس گروہ کی ۲۴ جماعتیں قائم ہوگئیں۔ جو بجز اپنے اپنے سرداروں کے کسی اور کا حکم نہ مانتی تھیں۔ ان کے سردار بے کہلاتے تھے۔ اور اُن کے ماتحت سب لوگ مملوک کہلاتے تھے۔ یہ سب گروہ ملکر ایک ایسی جنگجو طاقت بن گئی تھی جو خودمختاری سے ملک پر حکومت کرتی تھی۔ سلطان کی برائے نام حکومت کی کچھ پرواہ نہ کرتی تھی۔ بلکہ سلطان کے مذہبی اعتقادات کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔

نپولین نے اپنے مصر میں پہنچنے سے پیشتر ہی یہ کام کیا۔ کہ ملک مصر کی تمام رعایا کے نام ایک اعلان جاری کیا۔ جس میں اُس نے فرقہ مملوک کی ظالمانہ حکومت کو بہت بُرا بتایا۔ اور ظاہر کیا کہ میں ملک مصر میں امن اور آسایش قائم کرنے کی غرض سے نجات دہندہ بن کر آیا ہوں۔ اسی اعلان میں نپولین نے یہ بھی درج کیا تھا کہ میں۔ خدا۔ رسول اور قرآن شریف کی

* جینی سری (جان نثار) سلطنت عثمانیہ کے ایک مشہور دستہ فوج کا نام ہے۔ جو پہلی دفعہ ۱۳۶۲ء میں قائم ہوا تھا اسی دستہ کو ینگچری بھی کہتے ہیں

ملوکیوں سے زیادہ دوست رکہتا ہوں نیز علما مذہب کی طرف خطاب کرکے لکہا تہا کہ قاضی شیخ اور امام سب لوگوں سے کہدیں۔ کہ ہم بہی مسلمانوں کے دوست ہیں ہم وہی ہیں جس نے پوپ کو برباد کیا جو کہتا تہا کہ مسلمانوں سے جنگ کرنا ضروری ہے۔ ہم نے جزیرۂ مالٹا ــــ کے نائٹ (غازی) تباہ کرڈالے۔ کیونکہ وہ کم فہم جنگ آور یقین رکہتے تہے۔ کہ خدا نے انکو مسلمانوں سے لڑنے کے لیئے مخصوص کیا ہے۔ جو لوگ ہماری طرف ہوں گے انکو تین خوشیاں حاصل ہونگی۔ وہ اپنی دولت اور مرتبہ میں ترقی پائینگے۔ وہ لوگ بہی جو جانبین میں سے کسی طرف نہوں گے خوش رہینگے۔ کیونکہ انکو ہماری غرض اور نیت سمجہ لینے کا موقع ملیگا۔ پہر وہ ہمارے جانبدار ہو جائینگے۔ لیکن افسوس ہے بلکہ سخت افسوس ہے اُن لوگوں پر جو ملوکیوں کے طرفدار بنکر ہمارے خلاف ہتہیار اوٹہائینگے۔ اور ہم سے لڑینگے۔ ایسے لوگوں کے لیئے کوئی امید باقی نہیں وہ ضرور فنا ہوں گے۔

اسی طرح نپولین۔۔۔ ایک اور تحریر میں جو اس نے چند مہینے بعد پاشائے عکّہ کے نام بہیجی تہی۔ دین اسلام کا حامی اور محافظ ہونے کا دعوے کرتا ہے۔ وہ لکہتا ہے "میں جو مصر میں آیا۔ اور فرقۂ مملوک کے سرداروں سے لڑا۔ یہ کام میں نے صرف تمہارے فوائد کے لیئے درست اور مناسب سمجہ کر کیا ہے۔ کیونکہ مملوک تمہارے دشمن ہیں۔ میں مسلمانوں سے جنگ کرنے نہیں آیا ہوں۔ تمکو معلوم ہے کہ جزیرۂ مالطہ میں پہنچکر پہلا کام جو میں نے کیا وہ تہا۔ کہ میں نے دو ہزار ترکوں کو جو برسوں سے غلامی اور قید میں پہنسے ہوئے تہے۔ آزاد کرا دیا۔ مصر میں آکر میں نے رعایا کی ہمت بڑہائی اور مفتیوں۔ اماموں اور مسجدوں کی حفاظت کی مجہ سے بڑہکر کسی اور نے زائرین مکّہ معظمہ کے ساتہ توجہ اور مروت سے سلوک نہ کیا ہوگا۔ حال میں پیغمبر خدا کی محفل میلاد اس دہوم دہام سے کی گئی ہے۔ کہ کبہی نہ ہوئی تہی۔ بیس فرانسیسیوں سے

زیادہ مسلمانوں کا اور کوئی دوست نہیں ہے"۔

اس مضمون کے لکھنے کا یہ منشا نہیں ہے کہ مصر میں جو لڑائیاں فرانسیسوں سے ہوئیں۔ انکا بیان کیا جائے۔ یا اُن معرکوں کا ذکر ہو جن کی وجہ سے فرانسیسوں کو اس مہم میں ناکامی ہوئی راقم صرف اسقدر بیان کرنا چاہتا ہے۔ کہ نپولین نے مصر میں مذہب اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کس قسم کے تعلقات رکھے۔ بیشک اس نے حتی المقدور کوشش کی۔ کہ مسلمانوں کے دل اپنے ہاتھ میں لیے۔ نپولین کے حکم سے قرآن و احکام الٰہی اور ملکی اور مذہبی محکمہ جات کا بہت ادب کیا جاتا تھا۔ شادی کی رسوم اور عورتوں کی بہت احتیاط سے حفاظت کیجاتی تھی۔ جس زمانے میں نپولین قاہرہ پر قابض تھا۔ اس نے پیغمبر خدا کی میلاد کی محفل بہت دھوم سے منعقد کی۔ نپولین مذہبی تقریبوں میں بڑی شان و شوکت سے شریک ہوتا تھا۔ اور بعد میں شیخ اعظم کے ساتھ پرتکلف ضیافتیں کھاتا تھا۔ وہ اکثر شہر کے خاص خاص مشایخ کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے کے لیے مدعو کرتا تھا۔ اور مذہبی بحثوں پر اُنسے دیر تک گفتگو کیا کرتا تھا۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ کہ نپولین کا یہ طریقہ محض پولٹیکل تدبیروں کی وجہ سے تھا۔ نہ کہ مذہبی خیالات سے۔

اُسکا سیکرٹری اسکی بابت صاف طور سے کہتا ہے کہ "بلاشبہ نپولین مقامی مذہب یعنے اسلام کی طرف بہت توجہ کرتا تھا اور بیشک اسکا رویہ زیادہ تر مسلمانوں جیسا تھا۔ نہ کہ عیسائیوں کے مانند۔ ایک روشن دماغ فاتح کو اپنی فتوحات مستحکم کرنے کے لیئے ضرور ہے کہ مفتوح رعایا کے مذہب کی حفاظت اور تعریف کرے۔ بلکہ اس کی خوبیوں میں مبالغہ کرے۔ نپولین نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ وہ سب مذہبوں کو انسان کی اختراع سمجھ کر یکساں جانتا تھا۔ لیکن وہ مذہب کی عزت انکو حکمرانی کا ایک مضبوط و معاون آلہ سمجھکر کرتا تھا۔ تاہم میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر اس کی

مشرقی فتوحات اس درجہ قابل قدر ہوتیں۔ تو وہ تبدیل مذہب نہ کر دیتا" جو باتیں وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ مذہب اسلام یا قرآن شریف کی بابت ملک کے سر برآوردہ لوگوں کے سامنے کرتا تھا۔ اُن پر وہ خود تنہائی میں ہنسا کرتا تھا۔ لیکن وہ چاہتا تھا۔ کہ اس کی باتیں ہر شخص کی زبان پر عام ہو جائیں۔ اور اس کے مذہبی خیالات کا ترجمہ عربی اشعار میں کیا جائے تاکہ عام لوگوں کا گمان اُس کے حق میں نیک ہو۔ اسی لحاظ سے اسنے اپنے ایک جرنیل کو لکھا تھا۔ "میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تمنے ہمارے پیغمبر کی عزت کی ہے"۔ یہ بھی مسلم ہے کہ نپولین نے اسلام کے بہت سے علماء مذہب سے بحث کی تھی۔ لیکن اس نے اپنی تحقیقات کبھی سچے دل اور خلوص نیت سے نہیں کی۔ یہ کام صرف وہ دل بہلانے کی غرض سے کرتا تھا وہ مولوی جو ہم فرانسیسوں کو مسلمان بنا کر بہت خوش ہوتے۔ اپنی گفتگو میں ہمارے لئے بہت سی تخفیفیں اور رعائتیں بیان کرتے تھے۔ لیکن یہ مباحثے کبھی اسقدر صاف باطنی اور صداقت دلی سے نہیں ہوئے جن سے شبہ ہو سکے کہ کسی وقت میں انکا کوئی عملی نتیجہ ظہور میں آتا۔ اگر نپولین نے کسی وقت میں اپنے آپ کو مسلمان بتایا۔ تو صرف اسوجہ سے کہ وہ ایک افسر فوج اور پولیٹیکل سردار کی حیثیت سے ایک مسلمانی ملک میں آیا ہوا تھا۔ اسکو اپنی کامیابی۔ اپنی فوج کی خیر و عافیت اور اپنی نیک نامی کا خیال مد نظر تھا۔ کسی اور ملک میں بھی جا کر وہ اس قسم کے اعلان جاری کرتا۔ اور اسی طرز کی گفتگو وہاں کے باشندوں سے بھی کرتا۔ مثلاً ایران میں وہ حضرت علیؑ کا معتقد بن جاتا۔ تبت میں لاما کا چیلا اور چین میں کنفیوشس کا پیرو ہو جاتا اگرچہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ نپولین نے خود کبھی مسلمان ہونے کا قطعی ارادہ کیا ہو۔ لیکن اس کے چند سردار واقعی مسلمان ہو گئے۔ جنرل منو جسنے مذہب مع لقب عبداللہ نام اختیار کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس افسر کو ملک مصر اور وہاں کے مذہب کے ساتھ اصلی ہمدردی

تھی۔ اسنے (Ros-sett) رشیدیہ کی رہنے والی ایک مصری خاتون سے شادی
کی جس کے ساتھ وہ فرانسیسیوں کے مانند بہت اخلاق سے پیش آتا تھا۔ کھانے کے کمرے
میں داخل ہوتے وقت جنرل منو اپنی بیوی کو ہاتھ کا سہارا دیتا تھا۔ میز پر اُسے سب سے اچھی جگہ
بٹھاتا تھا۔ اور عمدہ سے عمدہ کھانا ہمیشہ اُسکو کھلاتا تھا۔ اگر اُسکا رومال گر پڑتا تھا تو وہ دوڑ کر اٹھا دیتا
تھا۔ اس کی بیوی نے یہ باتیں اور مسلمان خاتونوں سے بیان کیں۔ تو اُن سب نے ملک سلطان کبیر
یعنی نپولین (کیونکہ مصر میں وہ اسی لقب سے مشہور تھا) کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی
اور درخواست کی کہ ان کے خاوند بھی اسی طرح اُن کے ساتھ اخلاق سے برتاؤ کرنے پر مجبور کیے
جاویں۔

جنرل منو مصر سے اپنے سب ساتھیوں کے بعد روانہ ہوا جبکہ سنہ ۱۸۰۱ء میں فرانسیسی فوج
نے اس ملک کو خالی کر دیا۔ اور نپولین کی یہ خواہش کہ مشرق میں ایک عظیم الشان سلطنت قائم
کرے۔ مرجھا کر بالکل معدوم ہو گئی۔ فقط راقم ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ صاحب پروفیسر فلاسفی۔

مترجمہ سلام الحق

انجمن الفرض کا چوتھا سالانہ جلسہ

خدا کے فضل سے اس انجمن کا سالانہ جلسہ ۶۔ اگست کی شام کو پرنسپل ہال میں بہت
رونق اور شان سے منعقد ہوا۔ طالب علموں کی کثرت سے ہال میں کرسیاں بچھانے کی
گنجایش نہ تھی۔ اس لیے مشرقی طرز محفل کے مطابق سب کے لیے فرش کرا دیا گیا تھا خود پرنسپل
صاحب ایک چوکی پر جلوہ افزائے صدر تھے۔ سب سے پہلے انجمن کے معزز امین پروفیسر
آرنلڈ صاحب نے اپنی سالانہ رپورٹ پڑھی جسکا انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ سال گذشتہ

میں ماہ [illegible] کے لیے [illegible] وظائف۔ اور [illegible] تعمیر کے فنڈ میں جمع ہوا۔ باوجودیکہ امسال اکثر طالب علم کچھ بھی فیس [illegible]۔ تاہم اسقدر چندہ پہلے کبھی کسی برس میں نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں فری بورڈنگ فنڈ میں جو اعث [illegible] روپیہ جمع ہیں۔ اور [illegible] منافع ہوا۔ القرض کی دوکان میں اسباب [illegible] حسب تفصیل ذیل موجود ہیں۔ مال فروختنی [illegible] قرضہ واجب الوصول [illegible]۔ نقد جمع [illegible]۔ اس مجموعہ میں سے [illegible] بابت قرضہ دادنی اور [illegible] بطور قسم ناقابل وصول وضع کر دینے کے بعد دوکان کے فنڈ میں [illegible] کی رقم بچتی ہے۔ کل آمدنی میں امسال خرچ اسطرح ہوا۔ کہ [illegible] وظیفوں میں دیئے گئے [illegible] آنریری سیکرٹری کالج کمیٹی کو ایک جدید کمرے کی تعمیر کے لیے دیئے گئے جسکا کرایہ وظائف میں لگایا جائیگا اور [illegible] نقد القرض کے نام سیونگ بنک میں جمع ہوئے۔ تعمیر کے فنڈ میں سے [illegible] ایک اور کمرے کی بابت جو سکول کے طالب علموں کے واسطے بلا کرایہ ہوگا۔ صرف کیے گئے ہیں۔ تاہم اس فنڈ میں [illegible] جمع ہیں۔ انجمن کی مستقل راس المال میں [illegible] کے کمرے بنے ہوئے ہیں۔ اور اعث [illegible] وظائف کے فنڈ میں نقد موجود ہیں۔

فاضل امین کی رپورٹ ختم ہونے کے بعد صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب ایم اے نے ایک مدلل اور فصیح تقریر میں اس انجمن کی مختصر تاریخ اور اس کے اغراض و مقاصد بیان فرمائے۔ صاحب موصوف نے جتایا۔ کہ اس کالج کی تکمیل میں مدد دینا ہر طالب علم کا فرض ہے۔ کیونکہ اسی کی تکمیل پر قوم کی تمام آیندہ امیدیں وابستہ ہیں۔ اور کہا کہ جہاں تک ممکن ہو۔ دامے درمے سخنے۔ قدمے۔ ہم سب کو کالج کی امداد لازم ہے۔ ان کے بعد سرفراز خاں صاحب نے بہت خوبی سے مقاصد انجمن کی تائید کی۔ اور اپنے کالج کے دوستوں سے التجا کی۔ کہ

الغرض کے لیئے کمر ہمت باندہیں۔ بعدہٗ محمد علی خانصاحب نے اپنی اُردو تقریر میں انجمن کے
فوائد اور اغراض وضاحت سے بتائے۔ ان کے بعد حافظ ولایت اللہ صاحب بی اے نے
اپنی اُردو نظم پڑہی جو اسی پرچہ میں ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہے۔ حافظ صاحب کا کلام جو سادگی اور پاکیزگی
کی وجہ سے ہمیشہ مقبول ہوتا ہے تعریف کا محتاج نہیں ہے۔ پہر سید محمد صاحب نے انگریزی
میں بہت خوبی اور صفائی سے تقریر کی۔ ان کے بعد سلام الحق نے بہی اور سب صاحبوں کی تقلید
کرکے انجمن کے مقاصد وغیرہ بتانے کی کوشش کی۔ آخر میں لوی بہادر علی صاحب ایم اے نے
گفتگو فرمائی۔ انجمن کی پچہلی کارروائیاں بیان کرکے آیندہ کامیابی کی امیدیں دلائیں اور کہا کہ
نہ صرف اس انجمن کی بلکہ کالج اور تمام قوم کی آیندہ بہبودی صرف ہم نوجوان طلبا کی ہمت۔
جوش اور قومی ہمدردی پر موقوف ہی۔ اس لیے ہم سبکو لازم ہے کہ اپنی خواب غفلت سے
بیدار ہوں اور رفاہ قوم کے کاموں میں مدد کرکے تلافی مافات کریں۔ سب کے بعد جناب پرنسپل
صاحب نے نہایت جوش سے انگریزی میں ایک بلیغ و فصیح لکچر دیا جو اسی پرچہ میں ناظرین کے
ملاحظہ کے لیئے شایع کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ طلبا پر اسوقت تمام تقریروں کا معقول
اثر ہوا۔ اکثر نے چندہ کے کارڈ اور عرضداشت لیں۔ اور حتی المقدور انجمن کے لیئے کوشش
کرنے کا وعدہ کیا۔ جلسہ کی کارروائی میجک لین ٹرن کے تماشے کے بعد جو سید زین الدین صاحب
نے بہت صفائی سے دکہایا ختم ہوئی۔ خدا کرے کہ آیندہ سال بہی پچہلے برس کی طرح آمدنی
سب سے بڑہ کر رہے۔ اور اسی طرح اس انجمن کو روزافزوں ترقی نصیب ہو۔ آمین۔

از حافظ محمد ولایت اللہ تبلی ای طالب علم مدرسۃ العلوم در جلسہ سالانہ انجمن الفرض منعقدہ ۲۹ دسمبر ۱۸۹۰ء

عبث ہے یہ سب میری ہرزہ سرائی
کہ واقف ہے مدت سے ساری خدائی

مسلمانوں پر ہے کچھ ایسی بن آئی
کہ مشکل سے ممکن ہے جس سے رہائی

جسے دیکھئے ہے پریشان خاطر
نہ ہمدرد کوئی نہ غمخوار و یاور

نہ علم و ہنر ہے نہ صنعت نہ حرفت
نہ ہے پاس دولت ۔ نہ کچھ پاس عزت

طبیعت میں غیرت نہ قومی حمیت
ارادوں میں وسعت نہ رفعت نہ ہمت

کبھی تھے جو باجاہ و ذوالقدر و ذیشاں
وہ پھرتے ہیں سب خوار و مفلس پریشاں

یہ سب کچھ بری ان کی حالت ہوئی ہے
مگر اب بھی دیکھو تو غفلت وہی ہے

جو پوچھو کہ کوئی خطا وار بھی ہے
تو الزام سے صاف ہر ایک ہی ہے

زمانے کے نالاں ہیں قسمت کے شاکی
کہ مجبور ہیں ۔ ہم نے کوئی خطا کی

ذرا سوچو سمجھو حقیقت کو جانو
زمانے کو مت بیچ میں لا کے سانو

جو ایمان کی پوچھو اسے سر مانو
تو ہے سو کی اک بات یہ تو نہ مانو

زمانے پہ ناحق ہیں الزام سارے
یہ کرتوت ہیں سب ہمارے تمہارے

یہ کس طرح حالت ہماری سنبھلتی
یہ ٹلتی بھی ہے تو کس طرح ٹلتی

کسی کی اگر آپ کے آگے چلتی   تو حالت ہماری یقیناً بدلتی ! !

نہیں تم میں ہمت یہ سارا سبب ہے

جو مل جاؤ اس پر تو مشکل ہی کب ہے

یہ کہتا نہیں میں کہ وقت کرو تم !   ابھی کام مشکل جو ہو مت کرو تم !

مگر قوم کی کچھ تو خدمت کرو تم   جو کچھ ہو سکے تم سے ہمت کرو تم

تو دیکھیں مصیبت یہ ٹلتی نہیں ہے

ہماری یہ حالت بدلتی نہیں ہے

لکھانا پڑھانا یہ سید کے سر ہے   اُسے بھی یہی دل سے منظر ہے

مگر آپ کو اس کی بھی کچھ خبر ہے   کوئی کام ہوتا بھی بے سیم و زر ہے

مدد پوری پوری نہ جب تک کروگے

سمجھ لو یوں ہی سب پریشاں رہوگے

یہ تعطیل آئی ہے ہو جاؤ یک دل   معطل نہ بیٹھو نہ بن جاؤ کاہل

نکل جاؤ بازار میں بن کے سائل   کرو حسب مقدور ہر اک سے حاصل

تو سب کام مشکل یہ آسان ہوویں

جسے دیکھ کر سارے حیراں ہوویں

یہ ہے بھائیو عرض تم سے ہماری   کرو ہو سکے جو مدد اور یاری

لگاؤ جو تم زور سب باری باری   تو آساں ہوں کام بھاری سے بھاری

یہ ہوں گے تو بس ساتھ سب کے دئیے سے

کہ ہوتے نہیں ایک دو کے کئے سے

محمدن پریس   فقط   علی گڈھ

اِشتہار

ڈیپوٹی شاپ (دوکان انجمن الفرض)

کتب ذیل درخواست کرنے پر بصیغہ ویلیو پے ایبل پارسل یا زر نقد دوکان الفرض سے مل سکتی ہیں *

المامون مصنفہ شمس العلما مولوی شبلی صاحب نعمانی
قیمت بلا محصول [illegible]
سیرۃ النعمان مصنفہ مولانا موصوف [illegible]
سفر نامہ روم و مصر و شام ایضاً [illegible]
کتب خانہ اسکندریہ ایضاً [illegible]
دیوان حالی مصنفہ مولانا الطاف حسین صاحب حالی [illegible]
مسدس حالی مد و جزر اسلام مع ضمیمہ
و ڈھلک [illegible]
مناجات بیوہ مصنفہ مولانا الطاف حسین صاحب حالی [illegible]

علاوہ ازیں اور کتابیں بھی موجود ہیں مگر اس مختصر فہرست میں گنجایش اندراج نہیں *

راقم

ولایت حسین

مینیجر ڈیپوٹی شاپ

DEATH OF YUSUF KHAN, SON OF GAUHAR KHAN

We are very sorry to announce the death of Yusuf Khan, one of the late students of our College, who has been killed in a skirmish with the troops of the Khan of Kalat. It was a wrong step to take that promising youth in the neighbourhood of his outlaw father, who it was certain would take him away with himself as he actually did. Had Yusuf Khan been allowed to remain in the College for a couple of years more, he would have become a little wiser and would never have fallen in the snares of his father even if compelled to death.

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE

In the next two months our subscribers, we hope, will be contented to get only Urdu portion of the paper, instead of nothing, as given in the notice on the title page.

NIAZ MOHAMMED KHAN,

Manager.

cated and civilised of the nations of Islam, but may go forth as missionaries of education to other Mahomedan countries. All that is needed is to stir the stagnant pool of your society, to arouse and call into play the latent ability that is now wasted, to kindle in all classes, rich and poor, the fire of enlightened patriotism, a patriotism that sees that as British citizens, if only they rouse themselves to energetic action, the capacity for progress among the Mahomedans is boundless. We have to combat the intellectual blindness that fails to see that only by education can the position of the nation be improved, the fatalism that drugs the activity of the individuals and produces moral stupor, and the selfishness that deadens the heart and renders it indifferent to national degradation. I call on you, students of this College and members of Duty, to go forth on this good work, and to prove that you at least are not wanting in enterprize and in patriotism. Let each one of you feel that on his shoulders rests a burden of responsibility; that on him to some extent, however humble his position, depends the future of his nation. If you do this your labours will assuredly be crowned with success; your College will prosper; and the Mahomedans of India will in time take their proper rank among the civilized nations of the world.

—o—

ships, expenses of supervision &c. and we arrive at a total of 5 lakhs of rupees. Gentlemen, if we can collect 5 lakhs of rupees in the next ten years, I think we may have 1,000 boarders at the end of that time. A sum not less than this has been collected since the College was founded. There is therefore nothing inherently impossible in the task. Hitherto the funds of this College have been collected by the great Founder of this institution. The burden of collection must in future be taken upon themselves by the students of this College. If they do not collect the money there is no hope of the College realising its lofty ambition I am extremely glad to observe that the members of the Duty have been year by year increasing the amount of their collections. I hope that this year they will beat the record of previous years. You have before you the disagreeable task of appealing to many of the wealthy whose hearts are apathetic to the sunken condition of their community. Bring before the minds of these men the miserable small number of English-educated Mahomedans. Ask them whether they wish that their nation should retain its honour or sink to the level of the low castes of Hindus. Point out that the spread of English education is essential to progress ; and that a great central national institution with at least 1,000 students would very soon put new life into the nation. Although your arguments may in many cases fall on barren soil, yet here and there I cannot doubt you will find men who have the intelligence necessary to appreciate these facts and sufficient patriotism to take action on them. It is time that this College pushed ahead and gave the Mahomedans some notion of what we intend to make of it. We have to turn out educated men not by tens and twenties but by hundreds, so as to proportion our work to the size of the community we have to effect. There are twice as many Mahomedans in India as there are Englishmen in England, yet there is I suppose one hundred times as much education in England as there is among the Indian Mahomedans. You heard the other day of the miserable state of ignorance in the Mahomedans of Morocco. Gentlemen, I look forward to the time when if we only carry out our work with proper energy the Mahomedans of India may not only become the most edu-

THE DUDY.

At the Annual Meeting of the Duty, held on Aug. 5th, the President, Mr. Beck, spoke as follows :—

GENTLEMEN,

I should like on this occasion to sketch a programme of what the College should attempt to achieve during the next ten years. Our ultimate aim for this College is that it shall be in itself a University like Oxford and Cambridge, based on the principle of the residence of the students in the College buildings and conferring its own degrees. I do not think there is any chance of our attaining this end in the present generation, but I think it very necessary that our ultimate aim should be widely known throughout the Mahomedan community and should be kept steadily in view. I wish all of you to grasp this idea and to propagate it. Now what is a reasonable ambition for the next ten years of our efforts ? I think it would be sufficient if at the end of this time we could show 1,000 Mahomedan students, of the School and College departments combined, in the College Boarding-House. Up to the present we have succeeded in becoming a College of the second grade so far as numbers are concerned. We should now be determined to rise to an institution of the first grade. The number of students we educate is so small as to make scarcely a perceptible difference to the percentage of educated Mahomedans throughout India. In order to bring up the Mahomedan nation to its proper level of English education we must work on a bigger scale. This would be easy if we had more boarding-houses and more funds. This year I have I suppose declined fifty or sixty applications for scholarships from students who are too poor to pay the expenses of higher education. There would be no difficulty in largely increasing the number of our College Class students if we had room to house them, and scholarships wherewith to assist them. We have now 300 boarders, and the new Debenture rooms will enable us to put up 60 or 70 more. We want accommodation for at least 600 more students. At the rate of 3 boarders for Rs 1,000 we require two lakhs of rupees. Add half a lakh for additional class-rooms, and we have two lakhs and a half. Add a similar sum for scholar-

of his colleagues. There is I am convinced no College in India in which the managers and the members of teachnig staff are more in sympathy with the taught, or in which the personal influence of the teachers is more powerful and beneficial.

STUDENTS OF THE M. A.-O. COLLEGE :—

I am glad to have this opportunity of meeting a new generation of students of this College. Even more than your predecessors you enjoy the good fortune of belonging to a College of high and increasing reputation, which is rendered attractive by its fine buildings and extensive grounds, and in which you have not only great advantages with respect to tuition, but enjoy the benefit of a well organized Collegiate life and close association with your contemporaries in work and amusement. I see from recent reports that you fully maintain in all respects whether in the class-rooms or at games, in character and conduct the reputation established for your College by your predecessors, and that to this are added an active feeling of loyalty to the College, and practical efforts to improve its position. To my mind this last development is a very pleasing feature in the history of this institution, and one which is equally creditable to the authorities and to the students.

"I trust that you will persevere in this generous spirit of loyalty and that there are not a few among you who will in after life succeed by conscientious work and by honourable and manly bearing in doing what you can to prove to the world the goodness of the training which is given here, and in this way to maintain and extend the reputation of a College which has not only been a benefactor to its students, but has already exercised great and beneficial influence, direct and indirect, upon education in India."

At the close of the address the Hon'ble Haji Ismail Khan thanked Mr. Cadell on behalf of the trustees of the College. Three cheers were then proposed by the students for Mr. Cadell, and for the English ladies and gentlemen. Mr. Cadell then proposed three cheers for Sir Syed Ahmed Khan and for Mr. Beck. The Lieutenant-Governor then inspected the mosque and other buildings of the College.

poned for lack of funds. In this connection, the contributions which are beginning to come in from former students of the College are peculiarly gratifying, and it may be hoped that as the number of men who have passed from this College into various professions increases, the generous support of their *alma mater* which has already begun, will gradually increase, and will prove to be important in volume, as well as admirable in spirit which prompts it.

And this brings me to what is perhaps the most important change of all which has occurred since I left the district. Then your attitude was largely one of hope, however confident, but now that so many of the students of this College have gone out into the world you can speak not only of promise but of performance. Both what I have observed myself, and what I have heard from others, lead me to share in the belief expressed by your Principal in his last report " that the tone of the College encourages truthfulness, honesty and honour," and to hold that its teaching tends to turn out men who are not only well-educated, but are also manly and straightforward, and are anxious to carry into the practical business of life, the high principle to inculcate which is a chief object of your training here. And I am convinced that the physical exercises which are encouraged in this College, and the executive duties which are imposed upon your students, tend to develop the energy, the tact and the practical common sense, which are so essential to success in life.

So far I have been speaking of changes which have taken place. I would now congratulate you on the fact that in the managing body and in the teaching staff, recent changes have been comparatively speaking so few, and above all that the venerable founder of this College is still able to devote himself to the noble task which he has set before him, of educating and elevating the youth of his community, and that he continues to have the assistance of able and earnest coadjutors.

I am glad also to find among the teaching staff, not only the faces of old friends, but if possible even more than the old enthusiasm for and devotion to the work on which its members are engaged. I would specially congratulate the Principal Mr. Beck on the success which has attended his efforts and those

and before it, have continued, and may now be looked upon as firmly established and traditional.

"I have been pleased on the occasion of each successive visit to Aligarh to see in the substantial buildings which have been rising year by year, such convincing signs of the energy of your management, and to hear of the popularity of the institutions under your care, and of their steadily increasing success. I find that, during the eight years which have passed since I left the district, the number of boarders has been nearly trebbled, while the number of graduates has increased tenfold. When you can show progress such as this, you can, I think, afford to endure patiently the unfavourable results of the Entrance and Intermediate Examinations of a single year, and to look forward to the success which is certain to reward increased effort. At the same time it must be admitted that if the results complained of are due to a sudden variation in the standard insisted upon, such changes are to be deprecated.

I have listened with attention to your Principal's views on the important educational questions which he has discussed, and which his position in the University will enable him to impress on the attention of its authorities. The specialization of Colleges is a question which has already attracted the attention of the Director of Public Instruction, and the only point which I need mention now is, that if Colleges are specialized, Mahomedan students will have to leave this the Mahomedan College of the Provinces when they take up subjects which the College may elect to discard. It may be wise to disregard this objection but the subject requires the fullest consideration.

I am glad to learn that your funds are increasing, and that H. H. the Nizam continues the enlightened and munificent liberality towards the College, for which all interested in education in this part of India should be grateful. There can be few institutions which are more worthy of his support than this is, and none I believe in which funds, destined for the extension of Mahomedan education, are more faithfully or more usefully applied. It may be hoped that in time, the support received from the more wealthy members of your community, in this part of India, will become more general, and that you may then be able to take up the many improvements which are now post-

and Cambridge and of the Scotch and German Universities, the better will be our education. We shall thus in time, I hope, remove the reproach that our Indian higher education fails to turn out real scholars.

"But an objection is sometimes raised that nothing we do can be of any use, because we have such a wretched lot of students that it is impossible to light in their sordid souls the generous spark of love of knowledge for its own sake. I reply that a bad workman complains of his tools. No one would have supposed that our students had a physique robust enough to enable them to play the British soldier on equal terms in the football field, yet experience has proved they have. I believe we have excellent material to work on, and that as the love of learning has flourished for centuries both among Hindus and Musalmans, it is not our students but ourselves who are to blame if the University fails to foster it. Among the prizes which your Honour will distribute to-day are some for monitors. The monitorial system was introduced some years ago in the College, but without success. However by further work, and by taking advantage of previous experience, it has succeeded admirably. I take this as an instance that it is foolish to give up as hopeless without trial any branch of education we may wish to encourage."

The Lieutenant-Governor then distributed the prizes, after which he made the following speech :—

TRUSTEES OF THE MAHOMEDAN ANGLO-ORIENTAL COLLEGE,—I have to thank you for the kind words with which you have received me, and for the honour which you propose to confer upon me in associating my name with a scholarship in your College.

"I am afraid, gentlemen, that you set too high a value on what I was able, when a Magistrate here, to do for the district. And with respect to this College, I can only claim to have maintained and passed on to my successor, the attitude of friendly and respectful sympathy towards its management, which was and is due to an institution of great importance to the State as well as to the people of Northern India. I am glad to know that the friendly relations between the district officials and the authorities of this College which existed in my time

lectures on subjects not included in the Univ ersity Examinations, so as to arouse in our students a disinterested taste for knowledge and culture. And if any student have pa ssed the highest examinations in any subject, say the M. A. in Mathematics or Science, and wish to pursue his studies further, he should have the chance of doing so under the guidance of an able Profsssor. If out of every 100 graduates we could thus produce one real scholar, no amount of time and labour spent on his education would be thrown away, for the seeds of learning would be planted in this country and would in time yield a noble and plentiful fruit. But this requires in the Colleges a surplus of power after the needs of the examination have been satisfied, and it is to the Government we must look for setting an example in this direction. Those institutions that rest on popular support would be accused of wasting their resources in unproductive labour. Such lectures as I allude to would require ample leisure for preparation such as is unattainable under the Indian system of running a College like a school, and thereby forcing the Professor to teach several lessons daily out of a text-book instead of enabling him to deliver carefully prepared lectures. A distinguished Professor of Bombay, who now occupies a chair in a European University, said that if a tour be made round India, commencing with Bombay and proceeding through Madras to Calcutta, thence to the North-West Provinces, and finishing with the Punjab, it would be found that the system of College education steadily deteriorated, more lectures being expected per week from the Professor, and less time given in vacation to prepare for them. It is worthy of remark that Bombay, with four months of vacations, and a maximum number of two lectures per day for the professors of the best College, stands first among Indian Universities for producing native scholars of a European reputation. It is a mistake to suppose that the vacation is a time to be spent by the Professor in idleness. It is essential to him for the proper preparation of his work and for that self-culture and study without which he cannot be a man of learning, but must become an intellectual drudge. I am firmly convinced that the more in these and other respects we follow the system of Oxford

allowed to usurp the position of a capricious and tyrannical master. How this may be achieved is a technical question for experts, on which it would be unsuitable and tedious for me to express my opinions here. I will deal only with the second consideration, as to what positive steps can be taken to encourage original research. The Faculty of Arts of the Allahabad University passed a resolution in favour of giving one or more gold medals to graduates who wiote scholarly theses. The proposal has not yet been carried into effect, but I hope it will be, and experience will show how far it is successful. The University of Madras includes an original dissertation as one of the qualifications for the M. A. degree in History, and I was told by a very able friend of mine belonging to the Madras Civil Service, who has examined them, that they often show real merit and patient research. A second way in which learning may be encouraged is by the specialisation of the various Colleges in different directions. I am glad to see that Government has taken a step in this direction by the appointment of a second Science Professor for the Muir College. The teaching of science in these provinces has hitherto been little better than nomial. The University has now, however, instituted a B. Sc. degree. The teaching Physics and Chemistry has been provided for, and when professors of animal of, vegetable biology, with laboratories, have been added, the province will possess a fairly complete school of science. The University is also by degrees opening the way for other Colleges to take special lines. It is proposed to institute a course of Political Economy and Political Philosophy for the B. A. degree, and we intend to teach it here. Economics afford an excellent intellectual discipline; little is known of the subject in Indian society in spite of its great importance, and India offers special problems for investigation. By degrees every College will, I hope, strike out its own line and our University will come to possoss that many-sided variety, which its name implies, and which is essential to higher development, instead of the mediocre uniformity that has hitherto distinguished it.

"As a further step towards the encouragement of learning, it would, I think be well if our Colleges could give some

of which is charged on the College funds. The number of students last year in the College Department was 205, and in the College and School together 565. Of these 329 were boarders.

"In the last University Examination, out of 27 candidates for the B. A. Degree, 21 passed, one of whom took Honours in English, and another in Additional Mathematics. In the Intermediate, out of 65, only 22 passed, and in the Entrance, out of 59, only 19. These small percentages are similar to those in the University at large. We are very sorry that many promising students have thus been thrown back in their studies, and are unaware of the cause of this severity, not knowing whether to attribute it to any special defect in our students, or to any fresh policy inaugurated by the University.

"In physical education we have likewise made progress, and last year saw the institution of a Riding School in the College.

"Finally, we request of you the favour that you will allow us to found a permanent memorial of your kindness to us—a memorial that shall last so long as God gives life to this institution—namely, a scholarship to be named after your Honour and to be given to a student of the College classes."

Mr. Beck then spoke as follows :—

Your Honour, Ladies and Gentlemen.—Before requesting you to be so kind as to distribute the prizes I may be permitted perhaps to make a few general remarks on education. The objects of a University and consequently of the Colleges that compose it, are two ; first, to give a liberal education to the gentry, professional classes, and state servants of a people, and second, to promote scholarship. In the latter of these aims we have so far achieved no success. I am not aware of any graduate of the University of Allahabad having produced any original work of any description. I attribute this failure to two causes ; first, that we take no steps to encourage scholarly research, and second, that we allow our examinations to monopolise the motives of study and so stifle the love of learning. I am fully alive to the importance of the examination as a test, but it should be used as a well disciplined servant and not

Honour's Collectorship is remembered by all, rich and poor, in Aligarh, on account of the peace and good order that prevailed, although the times were such as to give just cause for alarm. Moreover the health of this district and with it the health of the students of this College, owe a very marked improvement to the embankment which you constructed, and which has ever since effectively preserved this town from the floods that formerly did so much damage. The strength of character and the genuine heartfelt sympathy for the progress of the natives of India, of which your Honour left a lasting impression on the minds of the people of Aligarh, caused them to feel the liveliest pleasure when your Honour was appointed to the exalted position of Lieutenant-Governor of these Provinces. We therefore offer our thanks to you with no ordinary feelings. We welcome you as a kind friend of this College, whose generosity is perpetuated on the stones of this Strachey Hall, and as a Ruler whom we have for years learnt to admire and respect.

"It is, therefore, needless for us to enter into detail as to the objects of this institution. Your Honour has had a personal opportunity of judging as to the spirit of loyalty which we wish to impress on the students of this College and of the kind of education we endeavour to impart. Since you left Aligarh the College has progressed in funds, in buildings, and in the number of students. The most substantial addition to our funds has been due to the generosity of His Highness the Nizam of Hyderabad, who has increased the permanent *jagirs* which he has presented to the College, so that we now derive an income of Rs. 24,000 per annum from this source. We feel sure your Honour will be glad to know that His Highness the Nizam has thus shown himself an enlightened patron of the cause of progress among the Mussalmans of India. Our buildings, as you will observe, have made some progress during the past few years, though much yet remains to be done. In particular we have experienced great difficulty in providing boarding accommodation for the students who wish to come here to study, and have been obliged to refuse many applicants for admission in consequence. At present a set of 51 rooms is being built, with money borrowed on debentures, the interest

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 2.	SEPT. 1, 1895.	No. 9.

THE M. A.-O. COLLEGE AT ALIGARH.

DISTRIBUTION OF PRIZES BY Mr. CADELL.

THE QUESTION OF HIGHER EDUCATION.

On August 8th, Mr. Alan Cadell, Lieutenant-Governor of the North-West Provinces, received an address from the trustees of the M. A.-O. College, Aligarh, in the Strachey Hall of that institution, and distributed the prizes to students of the College. A large audience, including all the English residents of the station and the leading native gentry of the district, was assembled on the occasion. The address, which was read by Mr. Syed Mahmood, ran as follows :—

"MAY IT PLEASE YOUR HONOUR,—We the trustees of the Mahomedan Anglo-Oriental College, on behalf of ourselves and the supporters of this College, offer you our heartfelt thanks for the favour you have done us in visiting our College at great personal inconvenience to yourself.

"Our pleasure on this occasion far exceeds that which we naturally feel when the Ruler of the Province condescends to visit our institution. For we have in your Honour not only a respected Ruler, but a patron who has for years shown his friendship and sympathy for our College. The time of your

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A.-O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs 3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. p. for Rs 3 or for Re. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 2 annas per line or Rs. 2 per page in Urdu.

THEODORE BECK,
English Editor,

MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,
Urdu Editor.

NIAZ MUHAMMAD KHAN,
Manager.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 2.	SEPT. 1, 1895.	No. 9.

CONTENTS.

(ENGLISH.)

Printed at the Institute Press, Aligarh.

For Siddon's Union Club.

محمدن اینگلو اورینٹل کالج میگزین

جلد ۲	یکم ماہ اگست سنہ ۱۸۹۵ ع	نمبر ۸

فہرست مضامین

انگریزی میں

اردو میں

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتاز الدین کے اہتمام سے چھپا

کالج میگزین

قریباً چار برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اردو ملا ہوا - علیگڈہ کالج سے نکلنا شروع ہوا - اول اول وہ علیگڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ کا ضمیمہ بن کر نکلتا رہا — لیکن سنہ ۱۸۹۴ع میں اس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی — اس کے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اُس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے — اور اِس وجہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپی نہ تھی *

اِس خیال سے اِس کے منتظموں نے اِس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جائے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ - مسلمانوں کے علوم و فنون — تاریخ اور لٹریچر کے متعلق مفید اور پر زور مضمون لکھے جائیں - اِس غرض سے اِس کے ۲۴ صفحے بالکل اُردو کے لئے مخصوص کردیئے گئے - اور اِس صیغہ کا اہتمام خاص میری سپردگی میں دیا گیا میں اِس رسالہ کے ترقی دینے میں حتی الامکان کوشش کرونگا *

ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی - نواب محسن الملک - مولوی نذیر احمد — اور ماسٹر ذکاءاللہ — وغیرہ بزرگوں نے اِس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہی — اور اہل قلم بھی اگر اِس کی اعانت فرمائینگے تو ہم نہایت فخر کے ساتھہ قبول کرینگے *

ہم کو اُمید ہی کہ ہندوستان کی اِسلامی جماعت خریداری سے اِس کی اشاعت میں مدد دیگی — میگزین کے کل صفحات ۳۰ ہیں اور قیمت مع محصول ڈاک - (۳) *

شبلی نعمانی — پروفیسر

مدرسۃالعلوم علیگڈہ

امیر تیمور صاحبقران گیتی ستاں

امیر تیمور دنیا کے اُن چند اولوالعزم شہنشاہوں میں سے ہے کہ جنہوں نے ساری دنیا کے فتح کا ارادہ کیا تھا اور فقط یہ ارادہ ہی نہیں کیا اُسکو کر کے دکھا دیا۔ تیمور کے نام کے ساتھ جو گیتی ستاں لکھا جاتا ہے وہ صاحبقراں کی قافیہ بندی کے لیے نہیں لکھا جاتا بلکہ وہ حقیقت میں اس خطاب کا مستحق تھا۔ اگر اُس کی عمر چند سال اور وفا کرتی تو دنیا کا کوئی ملک اُس کے حملے سے نہ بچتا۔ اس لئے ہم اس کا حال بالاجمال لکھتے ہیں۔ امیر تیمور ایک عجیب پیکر بشر مظہر قدرت آفریدگار و مصدر غرایب آثار و بدایع اطوار تھا۔ اس میں رنگ برنگ کے نیرنگ عجیب عجیب نظر آتے تھے۔ شجاعت و دلاوری اس درجۂ کمال پر تھی کہ ابتداءِ عمر سے آخر عمر تک کسی ورطہ و مہلکہ میں دہشت و خوف اُس کی خاطر کے پاس نہ آئے۔ اصابت رائے اس مرتبہ پر کہ مدۃ العمر میں جو تدبیر اُس کے فکر و اندیشہ میں آئی وہ تقدیر کے موافق تھی۔ قہر و سیاست وہ کہ خدا تعالےٰ کے اوصاف جلالی کا آئینہ۔ رقت قلب وہ کہ جسوقت پروردگار کا سپاس گذار ہو تو آنکھوں سے آنسوؤں کا پانی رواں ہو جس میں دل اسکا شکر کی طرح گداز ہو۔ اولوالعزم ایسا کہ اس نے یہ ارادہ کیا کہ مصر و افریقہ کو فتح کر کے دریائے نیل سے گذرے اور بحر اطلانطک

میں جائے اور آبنائے جبل طارق کی راہ سے یورپ میں آئے اور تمام یورپ کی سلطنتوں
کو مطیع کرکے صحرا اور روس و تاتار کو طے کرکے پھر اپنے گھر میں آئے۔

سمرنا میں بیٹھ کر چین کی تسخیر کا منصوبہ باندھنا اُس کی ہمت بلند کو بتاتا تھا کہ اُس کی حدّ
نہایت نہ تھی۔ چین سے چنگیز خاں کی اولاد کی سلطنت کے جاتے رہنے کو وہ اپنی قوم کا
ننگ جانتا تھا اور اُسکا انتظام لینا اپنے اوپر فرض سمجھتا تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ میں نے اور
میرے لشکر نے جو ہزاروں مسلمانوں کے قتل کرنے کا گناہ کبیرہ کیا ہے اسکا کفارہ چین کے
کافروں کے قتل کرنے سے اور بت خانوں کو ڈھا کر اُن کی جگہہ مسجدیں بنانے سے ہوجائیگا
بحکم (ان الحسنات یذھبن السیئات) سبب آمرزش میرے اور میرے لشکر کے گناہوں کا
ہوگا۔ اس کی ہیبت ایسی تھی کہ یورپ کی تمام عیسائی سلطنتیں اُس کے نام سے کانپتی تھیں
وہ ان سب کو محکوم و مسلمان بنانا چاہتا تھا۔ بری قوت اُس کی انتہائے زمیں پر پہونچی ہوئی
تھی۔ مگر بحری قوت اتنی بھی نہ تھی کہ یورپ اور ایشیا کے درمیان جو ایک سمندر چھوٹا سا ہے
اُسپر تسلط ہوسکتا۔ بری سپاہ کا شمار نہ تھا اور بحری فوج نام کو نہ تھی۔ لاکھوں سوار پاس تھے
مگر ایک بیڑا جہازوں کا جو جنگی سامان رکھتا ہو اُس کے پاس نہ تھا۔ اس لئے دریائے سیحون سے
پار اپنی پُرانی اور نئی رعیت کی فوج بری بھیجکر مغلوں اور قالموقوں کو مطیع کیا اور جنگل میں شہر
اور چراخور آباد کیے۔ اور ایک نقشہ نہایت درست اور صحیح اُن ملکوں کا جو اب تک معلوم نہ تھے
ارطش سے لیکر دیوار چین تک بنوایا۔ اپنے ایام سلطنت چھتیس سال میں ولایت ماوراءالنہر۔
خوارزم۔ ترکستان۔ خراسان۔ عراقین۔ آذربائجان۔ فارس۔ مازندران۔ کرمان۔ دیار بکر۔
خوزستان۔ مصر۔ شام۔ روم و ہند وغیرہ وغیرہ کو اس کشور کشا نے فتح کرلیا۔ ۷۸۹ھ
میں اصفہان کے آدمیوں نے فتنہ و فساد برپا کیا اس لئے اُس شہر کو قتل عام کیا۔ وہاں سے

دارالملک فارس میں آیا۔ آل مظفر اُس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ توقیش خاں کہ فرمانروا
دشت قبچاق کا تھا اور اُسی کا تربیت یافتہ تھا اُس نے مخالفت کی اور دو دفعہ لشکرکشی
اسپر ہوئی اور فتح ہوئی۔ دشت قبچاق کا طول ہزار فرسنگ اور عرض چھ سو فرسنگ تھا۔ اُسکی
سیر خود بہ نفس نفیس کی۔ اور فتنہ و فساد کے خس و خاشاک سے اُسکو پاک صاف کیا۔ ۷۹۵ھ
ہجری میں ایران میں دوبارہ جاکر شاہ منصور کو جو سرکش ہوگیا تھا شیراز میں قتل کیا۔ آل مظفر کو
پامال کیا۔ پھر بغداد کو فتح کیا۔ کئی دفعہ گرجستان میں آیا۔ ۸۰۱ھ ہجری میں دریائے سندھ
پر پل بناکر عبور کیا۔ اور ہندوستان کو فتح کیا۔ ۸۰۳ھ ہجری میں شام کا ارادہ کیا اور حلب کو
فتح کیا۔ پھر یہاں سے دمشق پر فوج کشی کی اور امراء شام جو قید میں تھے اُنکو قتل کیا۔ دوسرے
سال روم کا ارادہ کیا۔ ۸۰۴ھ ہجری میں انگوریہ میں معرکہ مصاف آراستہ ہوا اور ایلدرم
بایزید سلطان روم گرفتار ہوکر امیر تیمور کے سامنے آیا تو نہایت اسکا اعزاز کیا۔ وہاں سے
آذربائجان میں آیا۔ ڈیڑھ سال زابلستان کا انتظام کیا۔ سلطان مصر نے روپیہ اور اشرفیاں
پر امیر تیمور کے نام کا سکہ لگا کر اُس کی خدمت میں بھیجے اور اس حدود کی سب فرمانرواؤں
نے اطاعت اختیار کی۔ حرمین شریفین اور اماکن شریفہ کے منابر پر اس کی فرمانروائی کا خطبہ
پڑھا گیا۔ ۸۰۵ھ میں فیروزکوہ میں وہ آیا اور یہاں فتح حاصل کرکے خراسان میں گیا اور ۸۰۶ھ
میں نیشاپور کی راہ سے ماوراءالنہر میں آیا اور وطن مالوف میں امیرزادہ الغ بیگ۔ امیرزادہ ابراہیم
سلطان۔ امیرزادہ انجل۔ عمر شیخ۔ امیرزادہ احمد بایقرا کی شادیوں کا جشن عظیم فرمایا جسکو
اس زمانے کا چکاگو کی دنیا کی نمایش گاہ کہنا چاہیے جس میں ہر ملک کے آدمی اور چیزیں موجود
تھیں۔ اس جشن عظیم کا مقام کان گل مقرر ہوا جس کی بلندی و پستی و صحرا و دشت کی زمین میں
سبزی اور سبزی میں گلکاری اُگائی گئی اور خس و خاشاک کے بجائے لالہ و گل لگائے گئے

کہ جس نے کان گل کو حقیقت میں کانِ گُل بنا دیا۔ پھر اس زمین مین آسمانی خیموں کا شہر بسایا گیا۔ بادشاہ کے واسطے چار سراپردے اور شاہزادوں اور امرا کے واسطے دو سو خیمہ وخرگاہ لگائے گئے جن کے سایہ میں دس ہزار آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ ہر شاہزادہ و امیر کے واسطے ایک ایک بارگاہ وخیمہ وخرگاہ تہا۔ یہ خیمے ریشمین طنابوں سے تانے گئے سراپردہ خاص زردوزی تہا اور اُس میں موتی اور جواہر لگے ہوئے تھے بارہ پائے اس کے امرا، اور شاہزادوں کے لیئے اپنے اپنے مرتبہ کے بموجب بیٹھنے کے لیئے بنائے گئے تھے مخمل اور سقرلاط سے منڈہے گئے تھے اور خیموں کے ستون ایسے منقش تھے کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک باغ کو بغل میں دبائے ہوئے ہیں۔ بعض خیمے سونے چاندی کے استادوں پر استادہ تھے۔ بعض کے ستون سیم خام کے معلوم ہوتے تھے۔ اُن کے اندر فرش وہ طرح طرح کے گلدار بچھے ہوئے تھے کہ یہ معلوم ہوتا تہا کہ فصل بہار کی چاندنی بچھی ہوئی ہے۔ بادشاہ نے سب شاہزادوں کو سوا مرزا شاہرخ کے اس جشن میں شریک ہونے کو بلایا۔ خاص وعام کو اس میں شریک ہونے کی صلاء عام دیدی۔ چاروں طرف خبر بہیجدی کہ حکام و سرداروا عیان وکل اشراف اس جشن میں شریک ہوں۔ دنیا کا کوئی ملک یا شہر باقی نہ رہا ہوگا جہاں کا آدمی یہاں نہ آیا ہوگا۔ چین۔ سقلاب۔ ہندو روم۔ ایران توران۔ زابلستان ومازندران۔ خراسان ۔ فارس۔ بغداد۔ شام سے آدمی آئے تھے۔ شاہ مصر کا سفیر موجود تہا اور نقد وجواہر وقشہ کے سوا زرافہ اور شتر مرغ کہ صنعت آفریدگار کے عجیب نمونے ہیں نذر کے لیئے لایا تہا ترکستان کا امیر یہاں موجود تہا۔ امرا نامدار وسرداران ذی مقدار۔ بزرگان وپہلوانان لشکر وامیران سپاہ۔ اور سپاہی وشہری۔ خرد وبزرگ۔ آسودہ حال بے اندوہ وملال شاداں وخرم چاروں طرف سے آنکر جمع ہوئے۔ ہر اہل پیشہ وحرفہ نے اپنا اپنا جدا بازا لگایا تہا او

دریامیں صنائع و بدائع سے ایک کامل نمائش گاہ کو دکھایا تھا۔ عمدہ صنعتیں اور انوکھی دستکاریاں در طرح طرح کے اختراع سے جادو کا کام اور اچنبھے کا تماشا بنایا تھا۔ ہر اہل پیشہ نے اپنے اندیشہ کے موافق اپنی دکان کو بطرز لطیف زیب دی تھی۔ جوہریوں نے جوہری بازار لگایا جس کو یاقوت رمانی۔ لعل ناب۔ سفتہ و ناسفتہ درخوشاب سے ایسا سجایا تھا کہ وہاں بلور و مرجان و شبہ پر کوئی نظر بھی نہیں ڈالتا تھا۔ زرگروں نے اپنی دکانوں کو زیوروں سے دلہن بنا رکھا تھا۔ بزازوں نے دیبا و استبرق۔ پرنیاں و حریر سے گلزار بنایا تھا۔ ندافوں نے مرغ باپال و پر بنائے۔ مینار دھنکی ہوئی روئی اور نئے سے ایسے بنائے جیسے خشت و گل سے بنتے ہیں۔ سر سے پاؤں تک اُن پر نقش و نگار بنائے اور اُن کے اوپر لک لگ بنائے۔ چرم گروں نے اپنے دست ہنر سے یہ ذوفنونی دکھائی کہ ایک شتر پر دو ہودج بنائے اور ہر ایک میں ایک پتلی اور پتلی کے ہاتھ میں ایک پوست تھا جس سے وہ پوست بازی اور پاکوبی کرتی تھی۔ بوریا بافوں نے یہ عجیب تماشا دکھلایا کہ بوریوں میں خطوط کوفی و معقلی کی عبارتیں لکھ کر خوشنویسوں کے قطعات کو مات کیا تھا۔ بازیگروں نے اپنی ریسمان تا نگر آسمان پہنچائیں اور اُن پر چڑھ کر ماہ و مہر کا تماشا دکھایا۔ قصابوں نے یہ طلسم دکھایا کہ گوسفند کو صنعت سے آدمی کی صورت بنا کر لاتے اور اُس کا پوست اُتار لیتے۔ بکریوں کے سینگوں پر سونے کی سنگوٹیاں چڑھا لیتے اور برابر آگے پیچھے نچاتے ہوئے لاتے۔ پوستین دوزوں نے پوستینوں کو وہ آرایش دی تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ سارے جنگل کے جانور لومڑی۔ بھیڑا۔ بھیڑیا۔ پلنگ و شتر زندہ کھڑے ہیں۔ صورت میں د نظر آتے تھے معنی میں بری تھے۔ چوب و نے، ریسمان و پلاس کے اونٹ بنائے تھے۔ میوہ فروشوں نے فواکہ کو عجیب دلفریب زیب سے چُنا تھا کہ ایک باغ لگا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اور اُن کی خوشبو سے دماغ معطر ہوتا تھا

ارباب طرب و اہل نشاط نے تو خیمہ گاہ کو اندر کا اکھاڑا بنا رکھا تھا۔ پریرو اپنا کمال دکھاتے تھے کہ ناچتے ناچتے اپنے رنگ ایسے بدلتے تھے کہ کبھی ہاتھی اور کبھی گوسفند بنجاتے تھے کھانا پکانے میں جنگل کی لکڑیاں تمام ہوگئیں۔ گوشت کے مینار لگے تھے۔ طرح طرح کے کھانے جان پرور۔ لذیذ۔ لطیف و معطر پکتے تھے۔ شرابوں میں قوس قزح کی طرح کے سب رنگ موجود تھے۔ صاحبقراں نے فرمان صادر کیا تھا کہ ان ایام سور شادی و عیش میں کسی پر تعدی و قہر و طیش نہ کیا جاوے۔ کسی تیرہ روز یا نیکبخت سے سخت زبانی نہ کیجاوے۔ کسی کا مگار و مبنوا سے چون و چرا نہو۔ کوئی کچھ بھی نیک و بد کام کرے اسپر طعن نہ کیا جاوے۔ کسی کام پر گوشمالی نہ کیجاوے غرض اس شادی کی چہل پہل اور عیش و عشرت کی ریل پیل میں قانون تعزیرات معطل تھا۔

اس وقت بادشاہ کے دسترخوان پر تمام سلطنتوں اور قوموں کے اُمرا کھانا کھاتے تھے۔ یورپ کی سلطنتوں کے سفیر بھی اس دعوت میں داخل ہوئے تھے۔ اس زمانے میں یورپ کو مسلمان اپنے غرور کے سبب سے ایسی نظر حقارت سے دیکھتے تھے کہ یہ لکھا ہے کہ جیسے سمندر میں جھینگا مچھلیاں بھی داخل ہوتی ہیں اسی طرح یہ سفیر بھی اس دعوت عظیم میں شریک ہوئے تھے۔

اول بادشاہ نے اختر شناسوں سے مبارک ساعت اور سب لگن نکاح کے لیے دریافت کی۔ بعد مقدمات عقد کے تصحیح کی شیخ شمس الدین محمد فرزدی نے خطبۂ نکاح پڑھایا۔ اور ملت حنفی کے موافق نکاح ہوا۔ بے شمار در و گوہر نثار ہوئے۔ حضرت صاحبقراں نے جشن گاہ میں تخت پر جلوس کیا۔ اور شان و شکوہ میں جاہ و جلال کا جلوہ دکھایا۔ شاہزادے و امیر و سادات و امام و ایلچی جو چار و نطرف سے آئے تھے ان میں سے ہر ایک اپنے مرتبہ کے موافق سراپردے کے بارہ پایوں پر بیٹھے۔ نذریں گذریں خلعت دیئے گئے۔ پھر رقص و سرود داد رمی

ورود کی مجلسیں منعقد ہوئیں۔ خوب جشن اُڑے۔ نوشاہ شہزادے رسم معہود کے موافق لباس بدلتے تھے اور ہر دفعہ لباس بدلنے پر سیم و زر و لعل و یاقوت و گہر نثار ہوتے تھے۔ جشن گاہ میں دو مہینے تک شاہ و سپاہ نے خوب عیش اڑائے۔ سلطنت کے حاصل کرنے میں جو پچاس سال امیر تیمور کے گذرے تھے اُن میں صرف یہی دو مہینے عیش و نشاط میں بسر ہوئے۔ جب اس جشن شادی سے فراغت ہوئی تو تیمور پھر مصالح ملک، ملت و نظم امور جمہور میں مصروف ہوا اور حکم عام صادر ہوا کہ امر معروف اور نہی منکر میں سعی بلیغ کیجاوے اور پھر کوئی شراب نہ پیئے۔

جشن سے فراغت پاکر چین و خطا کی طرف لوائے عزم کو بلند کیا۔ اُمرائے عرض کیا کہ کل دو لاکھ پیادہ و سوار تیار رہیں جو اعدائے دولت پر بلائے خدا ہیں۔ آپ کے پرتل اور بنگاہ اور سامان جنگ پانچسو بڑے بڑے چھکڑوں اور گھوڑوں اور اونٹوں اور جانوروں پر رواں ہوتا ہے۔

سمرقند سے پکین تک چھ مہینے میں کارواں جاتا ہے اس لشکر عظیم کو اور زیادہ عرصہ اس سفر میں لگے گا۔ موسم ایسا تھا کہ سردی کی شدت اور برف و باراں کی کثرت تھی۔ دریائے سیحون جم گیا تھا اور ڈیڑھ دو گز یخ کھودنے کے بعد پانی نکلتا تھا۔ اسپ گاڑی چھکڑے سوار و پیادے سب بے تکلف چلتے تھے۔ امیر صاحبقراں نے نہ اپنی ستر برس کی عمر پر نہ موسم کی سختی پر خیال کیا گھوڑے پر سوار ہوکر ۷۶ فرسنگ (۳۰۰ میل) اپنی دارالسلطنت سے سفر کرکے اترار کے قریب خیمہ ڈالا جہاں حضرت عزرائیل اس کے منتظر بیٹھے تھے۔ اس سفر کی تکان اور برف کے ٹھنڈے پانی نے بخار کو زیادہ کردیا۔ ملک و سپاہ مال و گنج نے مرض کے رنج کو دفع نہ کیا۔ جب بیماری سے مزاج زبوں ہوا تو تخت و تاج کچھ کام نہ آیا۔ اس حال میں بھی قوائے دماغی اُس کے اول سے آخر تک سلامت رہے۔ جب اسے صائب سمجھا کہ مرض قابل علاج نہیں ہے۔ تو خوانین اور خواص امرا کو بلاکر فرمایا کہ اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں اور تم سب کو خدا کے حوالے کرتا ہوں

میرے لئے نوحہ وزاری اصلا نہ کرنا میری آمرزش کی دعا خدا سے کرنا۔ مجھے یقین ہے گو میرے گناہ بے شمار ہیں مگر خدا سے امید بخشایش ہے۔ اب پیر محمد جہانگیر کو ولی عہد و قائم مقام اپنا کرتا ہوں۔ سمرقند کے تخت پر وہ فرماں روا ہوگا۔ سب امراسے قسم لی کہ اس کی مخالفت نہ کریں گے۔ اسی حال میں مرض کی اور شدت ہوئی۔ سرا ہنے قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ کلمہ توحید زبان پر تھا کہ روح نے پرواز کی۔ یہ واقعہ جہاں سوز ۱۷ شعبان روز چہار شنبہ کو بوقت شب ۸۰۷ھ میں واقع ہوا۔ وفات کی مختلف تاریخیں کہی گئیں اُن میں سے ایک یہ ہے۔

رُباعی

سلطان تیمور آنکہ چرخ را دل خوں کرد — وز خون عدو روئے زمیں گلگوں کرد

در ہفدہ شعبان سوئے علیین تافت — فی الحال ز رضواں سر و پا بیروں کرد

"وداع شہریارے" بھی تاریخ ہے۔ اکہتر برس کی عمر جس کے عدد الم کہ صدر اعظم قرآن شریف ہے مطابق تھی۔ سمرقند کو اس کی نعش روانہ ہوئی۔ ۲۲۔ شعبان کو اپنے قبہ مرقد میں دفن ہوئی۔ مدت سلطنت چھتیس سال تھی۔ یہ عدد ان تین حرفوں۔ ا۔ ل۔ ہ۔ کے موافق ہیں جنسے کلمہ (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ) مرتب ہوتا ہے اور چھتیس آدمی اس کی اولاد میں وفات کے وقت موجود تھے۔ اس کے ساتھ ہی چین کی فتح کا ارادہ ہی گیا۔ لشکر پراگندہ ہوگیا۔ غرض چین بچگیا اور اس کے مرنے کے پندرہ برس بعد اس کی اولاد نے ایک خط دوستانہ پکین کو خاقان چین کے پاس بھیجا۔

امیر تیمور کی شہرت تمام مغرب و مشرق میں پھیلی۔ اس کی اولاد میں سلطنت عظیم قرنوں تک رہی۔ اس کی رعایا نے اسکی تعظیم و تکریم ایسی کی جیسے کہ کسی معبود کی ہوتی ہے۔ اس کو بعض نے اُلوہیت کے درجہ پر پہنچایا۔ اور اس کی عدالت کو ضرب المثل بنایا۔ اس کے سخت سے

سخت دشمن جنہوں نے اُسکو راس الفساق کا خطاب دیا اور یہ کہا کہ امیر تیمور جیسے شریر اور پرتدو
بشر دنیا میں کم پیدا ہوئے ہیں وہ بھی اُسکی مدح وثنا کرنے پر مجبور تھے۔ اگرچہ پاؤں میں لنگ
تھا لیکن صورت میں وجاہت تھی اور دبدبہ شاہانہ اُس کی صورت سے برستا تھا۔ قد وقامت
موزوں اور اعضا میں تناسب تھا جسم ششہ زور تھا۔ ورزش کی عادت تھی۔ غذا میں اعتدال
رکھتا تھا۔ معمولی گفتگو میں شیریں کلام تھا گو عربی زبان نہ جانتا تھا مگر ترکی اور فارسی زبان
نہایت فصاحت اور بلاغت سے بولتا تھا علما سے گفتگو کا شوق تھا۔ زیادہ تر علوم اور تاریخ
کی باتیں اُنسے کیا کرتا تھا۔ فرصت کے گھنٹوں میں شطرنج کھیلا کرتا تھا۔ اور اس میں نئی نئی باتیں
اختراع کرتا تھا۔ جس سے معلوم نہیں کہ شطرنج کی ترقی ہوئی یا تنزل۔ متشرع مسلمان تھا اور
حرارت مذہبی شدت سے رکھتا تھا۔ توہمات۔ شگونوں۔ فالوں۔ خواب کی تعبیروں۔ ولیوں
نجومیوں۔ پیشین گویوں کا قائل تھا۔ اور انپر اعتقاد رکھتا تھا مگر یہ امر مشتبہ ہے کہ ایسا دانشمند
ایسی باتوں کا کب معتقد ہو سکتا ہے۔ یہ فقط اُس کی عاقلانہ پولیسی عوام الناس کے گرویدہ
رکھنے کے لئے تھی۔ وہ اس اپنی وسیع سلطنت میں مطلق العنان تھا نہ کسی دشمن کا مقدور تھا
کہ اُس کے حکم سے سرتابی کرسکے نہ کسی دوست کی یہ طاقت تھی کہ جسکو وہ عزیز رکھتا ہو اُس سے
برگشتہ کرادے۔ نہ کسی وزیر کا حوصلہ تھا کہ اُس کی رائے کو کسی امر سے پھیر دے۔ یہ اُسکا ایک
مستقل مقولہ تھا کہ بادشاہ کے حکم پر خواہ اُسکا نتیجہ کچھ ہی ہو چوں وچرا نہیں ہونی چاہیئے اور وہ
منسوخ نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر اس کے دشمن کہتے ہیں کہ اس مقولہ کے موافق فقط تعزیری
احکام پر عمل ہوتا تھا۔ مگر رحم وشفقت اور مرحمت کے احکام پر اسکا چنداں عمل نہ تھا۔ اس کی
اولاد اور اولاد کی اولاد نہایت مطیع ومنقاد اس کی تھی جب اُن میں سے کوئی اپنے فرض
سے انحراف کرتا تھا تو اُسکو سزائیں تورہ چنگیز خانی کے موافق دیتا تھا یعنی پیروں پر لکڑیاں مار

جاتی تھیں اور پھر بدستور اپنے عہدے پر بحال کر دیا جاتا تھا۔ وہ ملنسار و یار باش تھا۔ دوستوں پر نوازش کرتا تھا۔ دشمنوں کے قصور معاف کرتا۔ تمام قواعد اخلاق عوام کی اغراض پر مبنی ہوتے ہیں۔ بادشاہ کی دانائی جب ہی تعریف کے لائق ہوتی ہے کہ وہ فیاضی اور سخی ایسا ہو کہ خود مفلس نہ ہو جائے اور منصف ایسا ہو کہ اپنے انصاف سے وہ خود قوی اور متمول ہو جائے۔ فرمانروائی اور فرمانبری میں ایک اندازہ موزوں قائم کرے۔ مغرور و سرکش کو سرزنش کرے ضعیف کی حمایت کرے مستحق کو انعام دے۔ اپنی مملکت سے سستی و بدی کو دور کرے۔ مسافر۔ غربا و تجار کے لیے امن و عافیت پیدا کرے۔ سپاہ کو غارتگری سے روکے مزارعین کی محنت پر ہمت بلند ہوئے اور متساوی اور معتدل جمع اس پر مقرر کرے۔ ٹیکسوں کے بڑھانے کے بغیر آمدنی ملک کی افزائش کرے۔ یہ سب باتیں بادشاہ کے فرائض میں داخل ہیں۔ ان فرائض کے ادا کرنے کا معاوضہ اسکو ملتا ہے اب دیکھنا چاہیئے کہ ان فرائض میں سے امیر تیمور نے کونسے فرائض ادا کیئے۔

جب صاحبقراں کی سلطنت کا آغاز ہوا ہے تو ایشیا میں ملوک طوائف اور حکام مختلف کا استیلا و تسلط تھا۔ اور یہ حال سالہا سال سے ہو رہا تھا۔ والیان اور فرمانروایان ملک کی مخالفت اور منازعت سے ملک و شہر تباہ حال ہو رہے تھے۔ ایک دوسرے کو کھائے جاتا تھا۔ راستوں میں کہیں امن و امان نہ تھا۔ راہزن راہوں کو لوٹتے تھے۔ بدکردار شہروں پر دست درازیاں کرتے تھے۔ غرض مزاج عالم اعتدال سے باہر تھا۔ ظاہر ہے کہ پیکر انسانی کے دارالخلافہ پر کہ تمام عالم کا نسخہ ہے جب مواد فاسد غالب ہوا اور مزاج صحت و سلامت کی راہ سے منحرف ہوا تو بغیر قوی تنقیہ کے کہ مادہ مرض کو دفع کرے علاج پذیر نہیں ہوتا۔ اور جب یہ مواد فاسد دفعۃً دفع ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ ضرور مادہ صالح بھی تحلیل ہوتا ہے۔ پس جب حکیم قادر کا یہ ارادہ ہوا کہ مزاج عالم صاحب قراں کے قہر و لطف کے تلخ و شیریں سے اصلاح پاوے اور اعتدال پر آئے

تو تھوڑی مدت میں ممالک گیہان کو مسخر کیا اور گردن کشوں اور جابروں سے سلطنتوں کو چھین لیا اور اپنے عدل واحسان سے یہ امن وامان قائم کیا کہ اگر کوئی شخص یا لڑکا ایک طشت سونے یا چاندی کا بھرا ہوا مشرق سے مغرب کو لیجاوے تو کوئی چور یا شریر اُسکو آسیب نہیں پہونچا سکتا تھا۔

شعر

گرچہ از مشرق بمغرب طشت زر تنہا برد　　کس نیارد تیز در خورشید دیدار عدل او

اس حالت میں بہت سے ہولناک امر بھی صادر ہوئے قتل۔ غارت۔ قید۔ تاراج۔ یہ باتیں جہانگیری کے لیئے ناگزیر ہیں۔ یعنے جو تیمور نے ہولناک کام کیئے انکا عذر معقول ملکوں کی حالتیں کر رہی ہیں۔ ان چار باتوں پر جو پیچھے بیان کیجاتی ہیں اگر ہم غور کریں تو یہ معلوم ہوگا کہ تیمور انسان پر احسان کرنے والا ایسا نہ تھا جیسا اُسکو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیئے کوڑا تھا یعنی انسان کا محسن نہ تھا بلکہ اُس کے لیئے تازیانہ تھا۔ اول بعض خاص بدنظمیوں اور مقامی ظلموں کا علاج امیر تیمور کی تلوار نے کیا مگر یہ علاج مرض سے زیادہ موذی نکلا۔ مثلاً ایران میں چھوٹے چھوٹے حاکم ظالم جابر قاہر ہوتے تھے اور غارتگری اور بدنظمی سے رعایا کو ستاتے تھے۔ مگر اس سے ان کی کل قومیں برباد و پامال نہ ہوتی تھیں۔ لیکن ان حضرت مصلح ملکی کے ہاتھ سے وہ بالکل ستیاناس ہوگئیں۔ وہ سرسبز و شاداب زمینیں جن میں شہر آباد تھے اب اُن میں اہل شہر کے سروں کے ستون اور مینار یں فتوحات تیموری کی یادگاریں قائم ہوئیں۔ تیمور کی آنکھوں کے سامنے اس کی سپاہ نے۔ استراخان۔ خوازم۔ دہلی۔ اصفہان۔ بغداد۔ حلب۔ دمشق بصرہ۔ سمرنا۔ اور ہزاروں شہروں کو تاخت و تاراج کیا یا جلا دیا یا بیخ بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک۔ اگر کوئی ناصح یا حکیم جرأت کر کے امیر تیمور کو ان آدمیوں کی تعداد بتلاتا کہ جو امن اور انتظام کے قائم کرنے میں قتل ہوئے ہیں تو ضرور اُسکا دل لرزجاتا تھا۔

دوم جن جنگہائے عظیم میں اسنے ملکوں کو فتح کیا انپر قبضہ رکہنے اور سلطنت و حکومت کرنے کا بہت تہوڑا خیال کیا۔ ترکستان قبچاق۔ روس۔ ہندوستان۔ شام۔ انٹولیا (ارض روم) آرمینیا۔ جارجیہ۔ پر حملے کیے اور انکو فتح کیا مگر ان دور دراز کے ملکوں پر قبضہ رکہنے اور حکومت کرنے کی تمنا نہ کی۔ ان ملکوں سے غنائم کو لیکر کوچ کیا اور نہ اپنے پیچھے ان میں سپاہ چہوڑی کہ وہ متمرد رعایا کی تنبیہ و گوشمالی کرتی اور نہ کوئی منتظم اور ضابطہ مجسٹریٹ چہوڑا کہ وہ مطیع رعایا کی حمایت کرتا۔ پہلے انتظام کو خاک میں ملا دیا اور اس کے حملے سے جو پہلی برائیاں بڑہ گئیں یا نئی پیدا ہو گئیں انکا کچہہ علاج نہ کیا۔ یعنی برائیوں کا معاوضہ بہلائیوں سے نہیں کیا۔ سوم ماوراالنہر اور ایران کے مہذب اور شایستہ بنانے اور نظم و نسق کرنے میں غرض ہر طرح سے اسکو آراستہ و پیراستہ کرنے میں امیر تیمور نے دل و جان سے کوشش کی اور ساری ہمت صرف کی۔ مگر جب کہیں دور دراز ملک میں دریائے والگا یا گنگا کے کناروں پڑا جاتا تو اس کے حسن انتظام میں ہمیشہ خلل پڑتا اور اس کے ملازم اپنے آقا یہاں تک کہ بیٹے باپ کو اور اپنے فرائض کو بہول جاتے۔ گو وہ حسن انتظام کے قائم کرنے کے لیے تحقیقات کرتا اور مفسدوں کو سزا دیتا مگر جو مضرتیں بدانتظامی سے ہو جاتی تہیں ان کی مکافات ان سزاؤں اور تحقیقاتوں سے نہ ہوتی تہیں۔ مگر اس سے یہ بات تو معلوم ہوتی ہے کہ امیر تیمور کے دماغ عالی میں گورنمنٹ کے کمال کا وسیع خیال موجود تہا اور وہ خوب سمجہتا تہا کہ کامل گورنمنٹ کے کیا معنی ہیں۔

چہارم۔ امیر تیمور کی سلطنت اور گورنمنٹ میں جو خوبیاں اور برکتیں تہیں وہ اُس کی ذات ہی کے ساتہہ بخار بن کر اُڑ گئیں۔ اُس کی اولاد اور اولاد کی اولاد آپس میں عناد رکہتی تہی اور خلق میں فساد اُٹہاتی تہی۔ ان کی بلند ہمتی کا اقتضا یہی تہا کہ وہ اپنے نام پر سلطنت رکہنی

چاہتے تھے مگر خود حکومت کرنے کا شوق نہ رکھتے تھے۔ امیر تیمور کے چھوٹے بیٹے مرزا شاہرخ نے سلطنت کے ایک ٹکڑے کو ماوراالنہر میں کچھ دنوں بافر و شکوہ رکھا مگر اُس کے مرنے کے بعد اس سلطنت پر تاریکی چھا گئی اور خوں ریزی نے اپنا رنگ دکھایا۔ ایک صدی پوری نہ ہونے پائی تھی کہ ماوراالنہر اور ایران کو ازبک اور ترکمان سیاہ و سفید بھیڑی نے پامال کیا اور تیمور کی اولاد کی سلطنت کا نام باقی نہ رہا نسل تیموری کا خاتمہ ہو چکا تھا اگر اُس کی پانچویں نسل میں ایک ہیرو۔ ازبک سے بھاگ کر ہندوستان کے فتح کرنے کے مقصد سے نہ چلا آتا۔ اس کے قائم مقاموں نے جو سلاطین مغلیہ کہلاتے ہیں اپنی حکومت اور تسلط کو ہمارے ملک میں راس کماری سے لیکر کشمیر تک اور قندہار سے خلیج بنگالہ تک پھیلا دیا۔ اورنگ زیب کے عہد سے اس سلطنت میں بھی تنزل شروع ہوا۔ ایک ایرانی ملک میں آیا اور دہلی کے خزانوں کو لوٹ کرلے گیا۔ پھر انگلستان کے تاجروں کی کمپنی نے آنکر تو اسکا نام ونشان بھی مٹا دیا۔

امیر تیمور نے ایک کتاب بہت صاف صاف ترکی زبان میں لکھی ہے جس سے اُس کی کمال درجہ کی لیاقت فرمانروائی اور سلطنت کرنے کی معلوم ہوتی ہے۔ جن کو یہ شبہہ پڑا ہے کہ یہ کتاب کسی اور نے لکھی ہے یا اُس نے اپنے حکم سے لکھوائی ہے غلط معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جو حال تیمور کے اُس میں لکھے ہیں اُنکا کسی اور کے قلم سے نکلنا مشکل ہے۔ اُس نے بعض باتیں اپنی سادہ لوحی کی ایسی لکھی ہیں کہ کوئی اور نہیں لکھ سکتا۔ بعض انگریزی مورخ لکھتے ہیں کہ اس میں ایسی باتیں بنا بنا کے لکھی گئی ہیں کہ چیونٹی کے پاؤں تلے آنے سے کلیجہ دکھ جاتا ہے۔ بھلا جس ترک خونخوار نے شہر کے شہر ملک کے ملک بے چراغ کر دیے ہوں وہ اگر بدھ کا اوتار بھی بنکر دنیا میں آوے تو بھی اُسکا کلیجہ چیونٹی کے پاؤں تلے آنے

ملیگا۔ غرض تیمور کی کوئی مدح کرکے خواہ اُلوہیت کے درجہ پر پہنچائے یا ہجو کرکے اسکو راس الفساق ٹہیرائے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ دنیا کے چند مستثنےٰ ناموز شہنشاہوں اور سپہ سالاروں میں سے ایک ہے قاعدہ ہے کہ اس قسم کے ناموروں کے اعمال اور اخلاق کی میزان میں ایک پلڑے میں حسنات اور دوسرے میں سیات چڑھائے جاتے ہیں کوئی اس پلڑے کو جھکاتا ہے کوئی اُس پلڑے کو اور کوئی دونوں کو برابر رکھتا۔ اصل حقیقت معلوم نہیں۔

خانبہادر شمس العلما مولوی ذکاءاللہ صاحب

مکینکس اور مسلمان

مکینکس یونانی لفظ ہے۔ انگریزی میں یہی لفظ مشین بنگیا ہے۔ جسکو ہماری زبان میں کل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ فن آج کل اگرچہ بے انتہا ترقی کرگیا ہے۔ لیکن اسکا وجود بہت قدیم زمانے سے ہے۔ یونان میں وہ علمی حیثیت سے حاصل کیا جاتا تھا اور مسلمانوں نے جب یونان کے علوم و فنون سیکھے تو صرف علم پر قناعت نہیں کی بلکہ اس فن سے عملی کام بھی لیئے۔ عربی زبان میں اسکا نام علم الحرکات ہے لیکن یونان کا اصلی لفظ بھی صورت بدلکر مستعمل ہے لفظ منجنیق جو عربی و فارسی میں کثرت سے مستعمل ہے اور جس کے اشتقاق کے بیان میں ہمارے علمائے لغت نے سخت غلطیاں کی ہیں دراصل وہی یونانی لفظ مکانک کا معرب ہے۔ البتہ اسقدر فرق ہے کہ منجنیق کا استعمال اب عام حیثیت سے نہیں رہا بلکہ ایک خاص آلہ کا نام رکھدیا گیا ہے

مسلمانوں میں اس فن کی ابتدا اسوقت سے ہوئی جب دولت عباسیہ میں یونانی تصنیفات ترجمہ ہونی شروع ہوئیں۔ چنانچہ اور علوم و فنون کیساتھ اس فن کی بھی تمام کتابوں کا ترجمہ ہوگیا۔ ان میں سے ہمکو جن کتابوں کے نام معلوم ہوسکے انکی تفصیل ذیل میں ہے۔

کتاب عمل آلاۃ التی تطرح البنادق تصنیف ارشمیدس۔ کتاب الدوایر والدوائر تصنیف ہرقل نجار۔ کتاب فی الاشیا المتحرکہ من ذاتہا تصنیف ایرن کتاب آلۃ الزمر البوقی۔ کتاب الۃ الزمر الرحی۔ کتاب الدوالیب تصنیف مارطس۔ کتاب الارغنون۔ کتاب ایرن فی الجر الثقیل۔[1]

ان کتابوں میں سے اوّل اور آخر کتاب۔ آج بھی لندن کے کتب خانہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ پہلی کتاب میں تصویریں بھی بنی ہوئی ہیں۔[2] یونانی تصنیفات سے مطلع ہوکر مسلمانوں نے خود اس فن میں نئی نئی باتیں اختراع کیں اور مستقل وجدید کتابیں لکھیں۔ بنو موسی نے جو مامون کے دربار کے مشہور فلاسفر تھے اس فن میں جو کتاب لکھی اور جسکا نام غلطی سے کتاب الحیل مشہور ہوگیا۔ نہایت محققانہ او ایجادانہ کتاب ہے۔ مورخ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ اس کتاب میں کئی طرح کے مکانکل عمل کا بیان ہے مورخ ابن خلکان نے جو ساتویں صدی ہجری میں موجود تھا۔ لکھا ہے کہ میں نے اس کتاب کو پڑھا ہے اس میں عجیب عجیب نادر باتیں ہیں اور اس فن کی تمام کتابوں سے افضل ہے پروفیسر سیدیو Sedillot جو فرانس کا مشہور مصنف ہے اپنی کتاب

---

[1] دیکھو کتاب الفہرست مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۸۵۔ ۱۲ [2] دیکھو فہرست کتب عربی موجودہ کتب خانہ برٹش میوزیم بزبان لاطین صفحہ ۶۱۹۔ ۱۲ [3] کتاب الفہرست صفحہ ۲۸۵۔ ۱۲۔

HISTOIRE GENERALE DES ARABES. (صفحہ ۹۴۲- جلد دوم) میں لکھتا ہے کہ "ہم کو اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ مسلمانوں کے عہد میں مکینکس کا فن کمال کی کس حد تک پہنچ گیا تھا۔"

پروفیسر لیبان فرانسیسی CUSTAVE LE BON اپنی کتاب LA CIVILISATION DES ARABES میں لکھتا ہے کہ "عربوں کو مکینکس کی اور خصوصاً عملی مکینکس کی بہت واقفیت حاصل تھی۔ وہ آلات جو ان کے بنائے ہوئے آج بھی ہم کو مل سکتے ہیں اور وہ واقعات جو انکے متعلق قدیم مورخوں نے لکھے ہیں ان سے عربوں کی لیاقت کا ایک بلند خیال پیدا ہوتا ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ عرب کے پاس پنڈلم (لنگر) والی گھڑیاں تھیں جو پانی کے گھڑیوں سے بالکل مختلف تھیں۔ یہ بات اُن بیانات سے جو چند مصنفوں نے لکھے ہیں ثابت ہوتی ہے خصوصاً طالیدو TADELA کی بنجمن صاحب BENJAMIN کے بیان سے جو بارھویں صدی عیسوی میں فلسطین گیا تھا اور جسنے دمشق کی مسجد کی گھڑی کا حال لکھا ہے۔"[1]

سب سے پہلی ایجاد اس فن کے متعلق جو بیان کی جاتی ہے وہ وہ گھڑی ہے جو ہرون الرشید نے شارلمین شہنشاہ فرانس کو بھیجی تھی۔ یورپ کے اکثر مورخوں نے اسکا ذکر کیا ہے۔ اور پروفیسر سیدیو نے مکانکس کی ترقی کے ثبوت میں اسی گھڑی کا نام لیا ہے۔ ان مورخوں کا بیان ہے کہ اس گھڑی میں چھوٹے چھوٹے بارہ دروازے تھے۔ ہر گھنٹے کے گذرنے پر گھنٹوں کی تعداد کے موافق دروازے کھلتے تھے اور اسی تعداد کے موافق تانبے کی گولیاں ایک آہنی توے پر گر کر آواز دیتی تھیں۔

---

[1] دمشق کی مسجد کی گھڑی کا حال۔ آگے کسی قدر تفصیل کے ساتھ آتا ہے۔

یہ دروازے برابر کھلے رہتے تھے یہاں تک کہ جب دورہ پورا ہوجاتا تھا تو بارہ سوار دروازوں سے نکل کر گھڑی کی بالائی سطح پر چکر لگاتے تھے۔

مسٹر پامر نے اس گھڑی کے وجود سے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ عرب کے مورخ اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتے۔ لیکن مسٹر پامر کو معلوم نہیں کہ مورخین عرب نے سیکڑوں ہزاروں واقعات قلم انداز کر دیئے ہیں جنکا ثبوت اور اور طریقہ سے قطعاً معلوم ہے۔ مورخین عرب نے تو سرے سے شارلمین کی سفارت ہی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ کیا مسٹر پامر کو اس سے بھی انکار ہوگا۔ یورپ کے مورخوں نے جو اس واقعہ کا ذکر کیا ہے نہایت قوی حوالوں کے ساتھ کیا ہے۔ مثلاً پروفیسر سیدیو نے مارینی - MARiGNY اور ایجی نارٹ EGINHART. کی تصنیفات کی شہادت پیش کی ہے۔ اور آخرالذکر شخص خود شہنشاہ شارلمین کے زمانے میں موجود تھا۔

البتہ یہ تعجب ہے کہ ہرون الرشید نے شارلمین کو جو تحفے بھیجے تھے وہ ابتک فرانس کے معبد پانتیون میں موجود ہیں لیکن گھڑی کا پتہ نہیں۔ احمد زکی مصری جس نے ۱۸۹۲ء میں یورپ کا سفر کیا وہ اس عمارت کے ذکر میں لکھتا ہے کہ "یہاں ایک مشرقی سیاح کے لیئے جو چیز زیادہ دلچسپی کا سبب ہوسکتی ہے وہ وہ کمرہ ہے جس کی دیواروں پر شارلمین کی تصویر اس ہیئت سے بنائی ہے کہ وہ ہرون الرشید کی سفارت کا استقبال کر رہا ہے اور سفارت کے ہاتھ میں بیت المقدس کی کنجیاں ہیں جو ہرون الرشید نے شارلمین کو تحفہ میں بھیجی ہیں۔ یہاں دو ریشمی پردے بھی ہیں جن کی قیمت ۴۴ ہزار روپیے ہیں۔"

بہرحال اس گھڑی کا وجود ثابت ہو یا نہو۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ

مسلمانوں کے عہد میں اور بہت سی گھڑیاں اور مکانیکل آلات طیار ہوئے جن میں سے بعض کا حال ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

علامہ ابن جبیر جس نے ۵۸۰ھ میں شام و حجاز کا سفر کیا تھا۔ اپنے سفرنامے میں دمشق کی جامع مسجد کے ذکر میں ایک گھڑی کا حال ان الفاظ میں لکھتا ہے کہ "باب جیرون کی دیوار میں طاق کی شکل کا ایک دریچہ ہے اور اس میں بارہ چھوٹے پیتل کے طاقچے ہیں۔ ان طاقچوں میں بارہ بارہ چھوٹے چھوٹے دروازے ہیں۔ پہلے اور اخیر طاقچے کے نیچے دو باز بنے ہوئے ہیں جو پیتل کی تھالیوں پر کھڑے ہیں۔ جب ایک گھنٹہ گذرتا ہے تو دونوں باز اپنی گردنیں بڑھاتے ہیں اور اپنی چونچ سے اُن تھالیوں میں اس انداز سے پیتل کی گولیاں گراتے ہیں کہ جادو معلوم ہوتا ہے۔ گولیوں کے گرنے سے گونج پیدا ہوتی ہے اور طاقچے کا دروازہ جو اس گھنٹے کے لیئے بنا ہے خود بخود بند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب ایک دورہ پورا ہو جاتا ہے تو تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں"۔

دنیا میں اوّل اوّل جب گھڑی کی ایجاد ہوئی تو اُس سے صرف گھنٹہ کا حال معلوم ہو سکتا تھا۔ لیکن جتنے گھنٹے گذر چکتے تھے اُن کی تعداد معلوم نہیں ہو سکتی تھی۔ مسلمانوں میں بھی اول اسی قسم کی گھڑیاں رائج ہوئیں دمشق کی اس گھڑی میں دونوں باتیں دو مختلف ذریعوں سے معلوم ہوتی تھیں۔ یعنی گھنٹے کے گذرنے کی اطلاع گولیوں سے ہوتی تھی۔ جو مصنوعی بازوں کے مونہہ سے گرتی تھیں۔ اور گھنٹوں کی تعداد دروازوں سے معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ جتنے گھنٹے گذرتے تھے اسی تعداد کے موافق دروازے خود بخود بند ہو جاتے تھے۔

اس گھڑی میں رات کے لئے اور تدبیر تھی اور وہ یہ کہ جو دائرہ ان طاقچوں کے گرد تھا اس میں تانبے کے بارہ حلقے بنے ہوئے تھے۔ ہر حلقہ میں دیوار کی طرف شیشہ لگا ہوا تھا شیشوں کے پیچھے شمع تھی جو پانی کے ذریعہ سے حرکت کرتی تھی۔ شمع گھنٹوں کی ترتیب کے موافق اُن حلقوں کے سامنے آتی جاتی تھی اور جس حلقہ کے سامنے آتی تھی وہ سُرخ دکھائی دینے لگتا تھا یہاں تک کہ صبح ہوتے ہوتے تمام حلقے سُرخ ہو جاتے تھے[۱]

خلیفہ المستنصر باللہ عباسی المتوفی سنہ ۶۴۰ھ نے۔ بغداد میں جو مشہور مدرسہ قائم کیا تھا اور جس کا نام مستنصریہ تھا اُس کے لیئے ایک نہایت عجیب و غریب گھڑی طیار کرائی تھی اس گھڑی کی صورت یہ تھی کہ لاجورد کا ایک حلقہ آسمان کی شکل کا بنایا تھا اور اُس میں ایک آفتاب تھا جو برابر حرکت کرتا رہتا تھا۔ علامہ ابن جوزی نے اس گھڑی کی تعریف میں یہ چند اشعار لکھے ہیں۔

تهدی الی الطاعات ساعته الناس و بالنجم هم یهتدون

صور فیه فلك دایر والشمس تجری مالها من سکون

دایرة من لازورد حلت نقطة بتر فیه سر مصون

گھڑیوں کے سوا اس قسم کے اور آلات کا بھی پتہ لگتا ہے۔ سلطان عبدالمومن۔ جو مراکش کا مشہور بادشاہ گذرا ہے اُسکو حضرت عثمانؓ کے اُن قرآنوں میں سے ایک قرآن ہاتھ آگیا تھا جو انہوں نے اپنے اہتمام سے لکھوا کر مصر و شام و بصرہ و کوفہ میں بھجوائے تھے۔ عبدالمومن نے اس قرآن کی نہایت قدر کی اور اُس کے لیئے ایک کل کا صندوق

---

[۱] سفرنامہ ابن جبیر مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۷۱، ۲۷۲۔

[۲] یہ تمام تفصیل آثار البلاد قزوینی میں ہے۔ دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ ۱۸۴۸ء مقام جرمن صفحہ ۲۱۱۔

طیار کرایا جس کی کیفیت علامہ مقری نے اس طرح لکھی ہے "یہ صندوق عجیب حکمت سے بنایا گیا تھا۔ جب اس میں کنجی ڈالکر پھراتے تھے تو اُس کے پٹ کھل جاتے تھے اور اندر سے ایک خانہ نکلتا تھا جس میں ایک رحل ایک کرسی پر رکھی ہوئی ہوتی تھی۔ رحل بغیر کسی کے ہاتھ لگائے خود کھلتی تھی۔ جب رحل اور چوکی بالکل باہر آجاتی تھی تو خانہ ازخود بند ہو جاتا تھا۔ کنجی کو جب اُلٹی طرف پھیرتے تھے تو خانہ پھر کھل جاتا تھا۔ اور چوکی و رحل خود صندوق میں جا کر بند ہو جاتی تھیں[۱]۔

البتہ یہ افسوس ہے کہ اس فن سے کوئی بڑا کام نہیں لیا گیا نہ عام پبلک کا موں اس سے کچھ مدد لی گئی۔ علم جرثقیل پر مسلمانوں کی مستقل تصنیفات موجود ہیں لیکن ہمکو معلوم نہیں کہ مسلمانوں نے دنیا کے ہر حصہ میں جو بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں ان میں کبھی جرثقیل سے کام لیا گیا۔ خلیفہ المتوکل باللہ عباسی کے عہد میں کچھ خفیف سا پتہ چلتا ہے لیکن وہ اسقدر غیر معین اور مشتبہ ہے کہ ہم اس موقع پر اسکا ذکر نہیں کر سکتے۔

شبلی نعمانی

بحیرۂ بالٹک میں مسلمانوں کی ابتدائی تجارت

آج کل اخباروں میں جو حالات بحیرۂ بالٹک میں شہنشاہ جرمنی کی طرف سے نہر کھلنے اور اس تقریب میں یورپ کی تمام سلطنتوں کی طرف سے جہازات آنے کی بابت شائع ہوئے ہیں۔ اُن سے غالباً ہمارے ناظرین میں سے بہت کم صاحبوں کو دلچسپی ہوگی۔

[۱] نفح الطیب مطبوعہ یورپ۔ جلد اول۔ صفحہ ۴۰۵۔

اور غالباً ہمارے ناظرین میں سے کسی صاحب نے اس موقع پر ایک ترکی جہاز کے ایک مسلمانی سلطنت کی طرف سے موجود ہونیکو مناسب موقع اور تاریخی تعلق نہ خیال کیا ہوگا لیکن اس تقریب میں ایک مسلمانی جہاز کی شرکت سے خواہ کتنا ہی کم خیال لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا ہو تاہم اس کی موجودگی میں ایک تاریخانہ دلچسپی ہے۔ کیونکہ صرف مسلمانوں کے ذریعہ سے بحیرۂ بالٹک کے ساحل کے ملکوں نے مہذب دنیا سے پہلے پہل تعلق پیدا کیا تھا۔ یہ تعلق اگرچہ بالواسطہ تھا۔ لیکن بہت ابتدائی زمانے میں تجارتی تعلقات سے شمالی یورپ کے ان دوردراز حصوں کا اسلامی مشرق کے ساتھ میل جول تھا۔ یعنے اُس زمانے میں جبکہ اسلامی دنیا روشنی اور تہذیب کا مرکز تھی۔ اور ڈنمارک جرمنی۔ سویڈن ۔ نوروے وحشت اور جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے

اس مضمون کے لکھنے کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کے بحیرۂ بالٹک میں تجارتی تعلقات رکھنے کا حال بیان کیا جاوے۔

اس تجارت کی معقول طور سے وسیع ہونے کی بڑی شہادت بیشمار مسلمانی سکوں کے شمالی یورپ میں جانے سے ملتی ہے۔ جب ہم غور کرتے ہیں کہ ان سکوں کی تعداد جو مے الواقع پائے گئے ہیں۔ اور جن کے حالات تحریر ہوئے۔ ایک لاکھ سے کم نہیں اور یہ تعداد ضرور اُن تمام مدفون خزانوں کا جو ابتک نامعلوم ہیں یا جو وقتاً فوقتاً علما کی نظر چڑھنے سے اور علمی مجالس کے دفتروں میں تحریر ہونے سے پہلے ہی گلائے جا چکے ہیں۔ ایک جز ہوگی تو اس سے کچھ اندازہ اس بیشمار زر نقد کی تعداد کا ہو سکتا ہے۔ جو ضرور اُن ملکوں میں پشمینہ اور پوستینوں کے عوض میں جن کو مسلمان سوداگر خریدتے

* مثلاً نوروے۔ سویڈن۔ ڈنمارک۔ جرمنی روس اور فنلنڈ میں۔

ستے آیا ہو گا۔ یہ سکے عموماً برتنوں یا اور کسی قسم کی محفوظ چیزوں میں پائے گئے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوشیدہ خزانے تھے۔ جن کی موجودگی اور مقام دفن کسیکو مالکوں کی وفات کے بعد معلوم نہ رہے۔ بعض اوقات ان دفائن پر بطور نشان کوئی درخت اُگا ہوا ہے۔ اور کہیں ایک بڑا پتھر کھڑا ہے۔ کہیں کہیں ان سکوں کی تعداد جو ایک ہی جگہ اکٹھے ملے ہیں بہت معقول ہے ایک ہی دفینہ سے ۱۱۰۷۷ سکے نکلے ہیں جن میں ۹۷۰۰ سکے سلطنت سامانیہ کے ہیں۔ اور باقی ۱۴۰ خلفاء بغداد کے ان مقامات کے جہاں یہ دفینے نکلے ہیں نقشے بنائے گئے ہیں۔ اور اس سے قدیمی تجارتی راستوں کی وسعت اور سمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً سویڈن ہی میں ۱۶۹ دفینے صرف مشرقی ساحل پر معلوم ہوئے ہیں۔ لیکن اگر ہم اس قسم کی ان تمام شہادتوں کی جو علماء یورپ نے غور کے ساتھ جمع کی ہیں اور اُن کی فہرستیں بنائی ہیں ایک لمبی تفصیل دیں تو مضمون طویل ہو جائیگا۔ اور غالباً ناظرین اس کے ملاحظہ سے تنگ جائینگے یہاں صرف اسقدر بیان کرنا کافی ہوگا کہ ان شہادتوں سے کیا نتیجے نکالے گئے ہیں۔

اوّل تو یہ ظاہر ہے۔ کہ مسلمان سوداگروں کی روانگی کا مقام سلطنت سامانیہ کا علاقہ اور ماوراءالنہر کے بڑے تجارتی مرکز تھے۔ اور اس طرح سے شمالی ملکوں کی تجارتی پیداوار اسلامی دنیا کے اور حصوں میں تقسیم ہوتی تھی۔

اکثر سکوں پر جنکا بیان کیا گیا ہے۔ زیادہ تر سامانیہ خاندان کی ضرب ہے اور بہت کم تعداد پر بغداد کے عباسیہ خلفاء کا سکہ لگا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں ان دفینوں میں۔ مصر۔ شمالی افریقہ اور سپین کی اسلامی ریاستوں کے سکے بالکل نہیں ملتے اس بات سے اور نیز اس وجہ سے کہ جنوبی جرمنی یا یورپ کے مغرب میں کہیں ایسے دفینے نہیں پائے گئے۔

اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔ کہ ان ابتدائی ایام میں شمالی یورپ اور اسلامی تہذیب کے مرکزوں میں بحری راستے سے آمد و رفت تھی۔ لیکن علاوہ ازیں ان امور سے خشکی کے راستے سے بحیرۂ کیسپین اور بالٹک کے درمیان باہمی تعلق ثابت ہوتا ہے۔ اور اون تجارتوں کی بابت جو مختصر بیانات۔ ابن فضلان۔ ابن حوقل۔ یاقوت وغیرہ عرب کے مورخوں کی تصنیفات میں پائے جاتے ہیں۔ اُن سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

ان تحریری ماخذوں سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان سوداگر دریائے والگا کو عبور کرکے شہر بلغار تک جایا کرتے تھے۔ اس سے آگے وہ نہیں گئے۔ کیونکہ اس کے آگے ملکوں کے باشندے وحشی تھے۔ اور وہ پردیسیوں کو مار ڈالتے تھے۔ اس لیئے ہم بیشمار اسلامی سکوں کے بحیرۂ بالٹک کے ساحل پر پائے جانے سے یہ نتیجہ نکالنے کے مجاز نہیں ہو سکتے۔ کہ کوئی مسلمان سوداگر شمال میں اس بحیرۂ تک کبھی گیا تھا۔ اور نیز عرب کے جغرافیہ دانونکی تحریریں اس خیال کے برخلاف گواہی دیتی ہے۔ لیکن صرف اسی تجارت کے وسیلہ سے سویڈن اور نوروے کے وحشی باشندوں نے پہلے پہل مہذب دنیا سے میل جول پیدا کیا۔ مسلمان سوداگروں کے ہاتھ کھال اور پشمینے بیچنے سے وہ تجارت کے پرامن کاروبار سیکھ گئے۔ مسلمانوں کے سکوں سے جو ان کو معاوضہ میں ملتے تھے۔ ان کو پہلی دفعہ باہمی تبادلۂ اشیا کے ابتدائی طریقہ کو چھوڑ دینا۔ اور نقدی کو معاوضہ کا ذریعہ قرار دینا سوجھا۔ انہی اسلامی سکوں سے انکو خود اپنے سکے بنانے کا ابتدائی خیال پیدا ہوا۔ جس مطلب کے لئے عرب کے سکوں نے نمونہ کا کام دیا خیالات اور فکر کے لیئے ایک وسیع میدان پیدا ہوتا ہے اگر ہم بیان کریں کہ ان تجارتی تعلقات کی چند صدیوں تک اور قائم رہنے اور شمالی یورپ میں اسلامی قوت

کے زیادہ موثر ہوجانے سے کیا نتیجے پیدا ہوجاتے۔ لیکن چند اسباب ایسے ہوے جنسے کہ شمال اور مشرق کے درمیان یہ تعلق گیارہویں صدی کے شروع میں جاتا رہا۔

ان تجارتی تعلقات کے زوال پذیر ہونے کے لیئے اس تاریخ کا قرار دینا اس امر سے ظاہر ہے کہ بسنہ ایکہزار یا ایکہزار بارہ مسیحی سے بعد کے کوئی سکہ نہیں پایے گئے اس وقت کے قریب غالباً بحیرۂ بالٹک کے قوموں کی تجارت مغربی سمتوں میں ہونے لگی۔ جبکہ سویڈن نورویے کے بادشاہوں کے عیسائی مذہب اختیار کرلینے سے انکا میل جول سلطنت روما اور یورپ کی دوسری مغربی ریاستوں سے ہوگیا۔

سنہ ۹۶۶ میں MICISLAV میکیسلاؤ شاہ پولنڈ عیسائی ہوگیا۔ سویڈن کے بادشاہ اولاف نے سنہ۔۔ میں اصطباغ لیا۔ اور اسی زمانے میں بادشاہ کینیوٹ نے عیسائی مذہب ڈنمارک میں پھیلایا۔ علاوہ ازیں نورمن لوگوں کے دور دور پھیل جانے اور شمالی فرانس اور بحیرۂ روم کے ساحل پر آباد ہوجانے سے بھی یہی نتیجہ پیدا ہوا۔ اور یورپ کے شمالی ملک مشرقی اثر سے جدا ہوگئے۔ برخلاف اس کے خود مشرق میں ایسے پولٹکل اسباب پیدا ہوگئے تھے۔ جنسے بحیرۂ کیسپین اور بالٹک کے درمیان جو تجارت ہوتی تھی وہ برباد ہوگئی خصوصاً خاندان سامانیہ کا زوال جس کے بیدار مغز بادشاہوں نے اپنی رعیت میں زراعت اور تجارتی کاروبار کو ترقی اور وسعت دینے کے لیئے بہت کچھ کیا تھا۔ نیز جنوبی ملکوں میں روسیوں کا فوجی اقتدار بڑھ جانا جس سے کہ بلغار اور اطل کے مشہور تجارتی شہر برباد اور تباہ ہوگئے جو مسلمانی سوداگروں کے تجارت کے لیئے بڑے مرکز تھے۔

مندرجۂ بالا مضمون بحیرۂ بالٹک اور اسلامی مشرق کے درمیان تجارت ہونے کا حال ہے اس تجارت کی ہمکو مطلق خبر نہوتی۔ اگر مسلمانی سکے شمالی ممالک میں نہ نکلتے اور

وہاں کے علمی جریدوں میں ہوشیاری اور تحقیق کے ساتھ ان کے حالات درج نہ کیے جاتے۔

پچھلی بات (یعنی اخباروں کی تحریر) بے شک خاص توجہ کے قابل ہے۔ کیوں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ حال کی تحقیقات سے گذشتہ زمانے کے ایسے تاریخی واقعات کو جہالت کی تاریکی سے نکال لینے میں کامیابی ہوئی ہے۔ جن کی بابت کوئی تحریری سند نہیں رہی اور جو واقعہ نگاروں کی تحریر میں درج ہی نہیں ہوئے

لہٰذا جس طرح سے کہ ہمکو ہندوستان کے ابتدائی واقعات اور خاندان گپتا کی تاریخ۔ اور قدیمی زمانے کے بہت سے شاہی خاندانوں کے حالات اُس وقت کے سکوں سے دریافت ہوئے ہیں اسی طرح خاندان سامانیہ کے سکے جو شمالی یورپ کے دفینوں میں محفوظ ہیں ابتدائی مسلمان سوداگروں کے وسیع کاروبار تجارت کی بابت جنکا حال مؤرخوں نے نہیں لکھا ہے۔ خاموش عینی گواہ ہیں۔ فقط

(مترجمہ سلام الحق)

رپورٹ تعلیمی مردم شماری مسلمانان گونڈہ

سید اقبال علی صاحب سب جج گونڈہ نے نہایت قابلیت سے شہر مذکور کی رپورٹ حسب ذیل تیار فرما کر ہمارے پاس بھیجی ہے۔

باشندگان ضلع گونڈہ وتحصیل بلرام پور کے بچے انگریزی تعلیم پاتے ہیں۔ کیونکہ وہاں انگریزی کے ہائی اسکول موجود ہیں۔ ان مقامات کے مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کا رواج ہونا شروع ہوگیا ہے۔

ایسے لوگوں کے بچے جو فکر معاش سے آزاد ہیں اور جو اپنے بچوں کی تعلیم پر خرچ کرنے کی مقدرت رکھتے ہیں۔ وہ تو تعلیم پاتے ہیں۔ مگر قصبات اور دیہات میں چونکہ مدارس انگریزی نہیں ہیں۔ اس لیئے وہاں کے باشندے اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم نہیں دیتے ان مقامات میں بعض ایسے اشخاص ہیں جو انگریزی تعلیم کے خرچ کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ اور جو ان میں سے صاحب ثروت ہیں وہ اپنی اولاد کی مفارقت گوارا نہیں کرتے اور بعض تعلیم کی طرف سے بالکل بے پرواہ ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے معلوم ہوگا۔

میں نے ایک محرر کو تعلیمی مردم شماری کے لیئے دیہات میں بھیجا تھا۔ اُس کے ایک زمیندار سے ملاقات ہوئی۔ اور انگریزی تعلیم کا کچھ تذکرہ شروع ہوا۔ اثنائے گفتگو میں زمیندار نے سختی۔ درشتی سے جواب دیا کہ جاؤ۔ جاؤ تم بڑے عقلمند ہو جو ٹٹو پر سوار ہو کر پھر رہے ہو تم ہی ڈپٹی گیری لیلو۔۔

تحصیلوں میں انگریزی مدارس کے موقوف کرنے کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ جو لوگ اپنے بچوں کو تھوڑے خرچ سے تعلیم دلا سکتے ہیں اب وہ مطلق نہیں پڑھاتے۔

جن اشخاص کے نام فہرست میں مندرج ہیں اُن کی مجموعی آمدنی۔ ۲۴۳۵۔ روپیہ ماہوار ہے

گوشوارہ بابت تعداد اُن مسلمان لڑکوں کی جو قصبات و دیہات

ضلع گونڈہ میں رہتے ہیں اور تعلیم پانیکے قابل ہیں

نام قصبہ یا موضع	مجموعی تعداد اطفال	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
گونڈہ	۹	۴	۵	۷	۲	۰	۰	۹	۰	۶
خراسا	۱۳	۱۲	۱	۱۱	۲	۵	۰	۴	۰	۹
دیوریا	۶	۶	۰	۶	۰	۰	۳	۳	۰	۲
کتوا	۲	۲	۰	۰	۰	۰	۰	۱	۰	۲
جاکسر	۲	۲	۰	۰	۲	۰	۰	۰	۰	۱
جستی پور	۲	۲	۰	۲	۰	۰	۰	۰	۰	۱
اجگڈہ	۲	۲	۰	۲	۰	۰	۰	۰	۰	۱
دہوریا	۲	۲	۰	۰	۱	۰	۰	۲	۰	۲
ٹولوئیل گنج	۲	۲	۰	۰	۲	۱	۰	۰	۰	۱
نواب گنج	۳	۳	۰	۰	۳	۰	۰	۰	۱	۲
ارتراولا	۸	۸	:	۴	۴	۰	۱	۰	۰	۶
تاتاپور	۱	۱	۰	۰	۱	۰	۰	۰	۰	۱
میہوا	۱	۱	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱
چابروپور	۱	۱	۰	۰	۱	۰	۰	۰	۰	۱
بروم بہاری	۱	۱	۰	۰	۱	۰	۰	۰	۰	۱
ریتارام پور	۱۱	۵	۶	۰	۱۱	۰	۱۰	۱	۰	۷
میزان	۶۶	۵۴	۱۲	۳۲	۳۰	۶	۱۴	۲۰	۱	۴۴

میرٹھ

ارشاد الدین صاحب نے ۱۹۰۳ء میں میرٹھ شہر کی تعلیمی مردم شماری مرتب فرمائی تھی۔ اُس میں پچاس اشخاص کے نام درج تھے جو باوجود استطاعت کے اپنے بیٹوں کو تعلیم نہیں دیتے تھے اور ایسے لڑکوں کی تعداد ۶۹ تھی۔ اس سال پھر صاحب ممدوح نے نہایت کوشش اور محنت سے سابقہ فہرست کو ترمیم فرماکر ہمارے پاس روانہ فرمایا ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ منجملہ ۶۹ لڑکوں کے ۴۲ لڑکے انگریزی مدارس میں داخل ہو کر تعلیم پاتے ہیں۔ آٹھ لڑکوں کی عمریں ۱۸ برس سے متجاوز ہوگئی ہیں۔ اس لیئے تعلیم پانے کے قابل نہیں رہے۔ ۴۔ لڑکوں کی نسبت وعدہ کیا گیا ہے کہ اُنکو عنقریب انگریزی تعلیم شروع کرائی جائیگی۔ ۳۔ لڑکے بوجہ افلاس سابقہ فہرست سے نکال دیئے گئے ہیں ۲ اشخاص کا پتہ نہیں ملا۔

علاوہ ازیں ۸ نئے اشخاص کا نام لکھا ہے جو اپنے لڑکوں کو باوجود استطاعت تعلیم نہیں دیتے اور ایسے لڑکوں کی تعداد ۹ ہے۔

خورجہ ضلع بلند شہر

سمیع اللہ صاحب طالب علم مدرستہ العلوم علی گڈھ نے شہر مذکور کی رپورٹ تعلیمی مردم شماری مرتب فرمائی ہے۔ اُس فہرست میں ۔ ۱۴۱ ۔ نام ایسے لوگوں کے درج ہیں جو اپنے لڑکوں کو باوجود استطاعت تعلیم نہیں دیتے ۔ اور ۵۰ ۔ ایسے لڑکے ہیں جو تعلیم سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ ان اشخاص کی مجموعی آمدنی تخمیناً ۔ ۲۶۴ روپیہ ماہوار ہے

it must give a great check to the spread of radical ideas, which, when they find their way to India, prove so utterly unsuited to the people. It will strengthen the House of Lords immensely, for it will establish the strange fact that the hereditary House when it threw out Home Rule represented the opinions of the people of England more accurately than the elected House of Commons. It may be pretty confidently predicted that Home Rule for Ireland is now finally negatived, for even the Liberals must give up hope of ever carrying it. Among the satisfactory incidents of the campaign is the unseating of Mr. Dadabhai Naoroji and the election of Mr. Bhownagree, a Conservative Parsee. The Congresswalas will learn to their dismay that they are not to have the monopoly of Indian members in the House of Commons. Lord Salisbury has shown great tact in thus beating them with their own cards.

---o---

THE BROTHERHOOD AND THE DUTY.

The following contributions have been received by the M. A.-O. College Brotherhood and the Duty:—

THE BROTHERHOOD

1895.				
July	4	Badrul Hasan Sahib	... Rs.	5
	10	Nazir Ahmed ,,	... ,,	2
	12	Badrul Hasan ,,	... ,,	5
	15	S. Abdul Basit ,,	... ,,	2

THE DUTY.

July	5th	Given by Aftab Ahmad, Esquire, on the occasion of the birth of a son ...	,, 20
July	8th	Given by M. Abdul Ghuffar Sahib, Deputy Collector, Gonda, on the occasion of his son's passing the Intermediate Examination ..	,, 10
July	16th	Collected by M. Irshad Uddin Sahib...	,, 8-12-0
		Collected by Muhammad Ishaq Sahib, a student of the College. ...	,, 31-8-0

WANTED.

Three English-knowing Mahomedan School Masters on salaries of Rs 25, Rs 25 and Rs 15 for Mahomedan Schools at Secunderabad, (Deccan), Aonla, and Ichoh (Zila Meerut,) respectively. Applications should be addressed to the Principal, M. A.-O. College.

(Latin Greek, Chaldee, Syriac and English). Undoubtedly he possessed a real thirst after knowledge, for amidst the pressing cares of the many high positions which he filled, he carried on his literary pursuits to the last, and thus deserves to be called a man of action as well as a man of letters.

His learned contributions to the Tahzib-ul-Akhlaq and other periodicals were always received with general admiration and interest. A very favourable judgment has been pronounced on his book on "Proposed reforms in the Ottoman Empire", which he had dedicated by special permission to H. I. M. the Sultan.

The late Nawab was a patriotic friend of his people, whose welfare he had always at heart As a Trustee of the M. A.-O. College he took the most lively interest in its advancement and his death is a misfortune for the institution.

S. H.

THE ENGLISH ELECTIONS AND INDIA.

The general election in England has happened at an unfortunate moment for India, inasmuch as the change of Secretaries of State has necessitated the maintenance of the troops in Chitral until the new Secretary issues an order on the subject, and this will cost the Indian Government several lakhs of rupees. It is doubtful whether the change of government will prove directly advantageous to India, because it deprives her of the services of Sir Henry Fowler as Secretary of State, a man who, in the opinion of competent judges, is the best we have had for many years. His action in connection with the simultaneous competitive examinations and opium questions showed that neither his judgment nor conduct were influenced in the least by popular agitators. A Liberal Government is in a strong position in dealing with such questions inasmuch as it is certain to be supported by the Conservatives if it adopts a strong line of action, whereas there is always a danger of the Conservatives being opposed by the Liberals under similar circumstances, as was the case when Mr. Gladstone declaimed against the Vernacular Press Act. Nevertheless in spite of these disadvantages the indirect effects of the Conservative victory in England are likely to be advantageous to India. For

An additional advantage of this arrangement is that it will increase the circulation of the Magazine. The number of subscribers has now reached 300, which is a satisfactory advance on 104 which was the number in December last. We believe the Magazine meets a real want, for though there are many Mahomedan neswspapers, there is a great deficiency of monthly magazines containing good articles. The increase of circultion is largely due to the energy of the students who in their vacations have brought the Magazine to the notice of the public. We are likewise indebted to the Moslem Chronicle, the Chaudwen Sadi and the Najmul Akhbar for very favourable notices of the paper. Our indebtedness to some other Urdu journals would be greater if the compliment they have paid us by copying our articles were accompanied by an acknowledgment of the source from which they have been derived. We trust our subscribers will assist us still further in getting the Magazine better known, the more so as the contributions are all given without remuneration and the profits of the journal, if any, will be devoted to the Siddons Union Club.

THE LIEUTENANT-GOVERNOR.

Mr. Cadell, Lieutenant-Governor of the North-West Provinces, will visit the College on the 7th or 8th August and will receive an Address from the Trustees of the College.

MAULVI CHERAGH ALI.

We have to perform the sad duty of lamenting the loss which the Musalmans of India have sustained by the untimely death of Nawab Azam Yar Jung, Maulvi Cheragh Ali of Hyderabad. The deceased was reckoned among those few prominent figures of real ability and culture, of whom the Moslems can justly feel proud. A man of sterling abilities, exceptional qualities and patriotic feelings, his loss is keenly felt by his co-religionists in India and abroad. In his public capacity he was an able statesman and administrator, and a zealous student of quiet and unassuming demeanour in private. In addition to having a profound knowledge of Arabic and Persian, of which he was a perfect master, he is said to have availed himself of a considerable acquaintance with foreign tongues

Managers of these companies announce from time to time that they are certainly going to leave next day, so as to draw a larger audience, yet days and weeks pass and still they remain. The people of the city complain likewise of the theatre. They say that the passion to see the performances is so strong in the humbler classes that they reduce themselves to poverty, and are tempted to theft. In Delhi the rage for the theatre was so great that it is said that the *bhisties* sold their *mashks* and left their wives and children starving in order to purchase tickets. At last the Deputy Commissioner had to step in to the assistance of the town and expel the company. It would seem that the theatre, like the ability to borrow given to the peasant, is one of those European institutions which must be introduced cautiously into India. At the Municipality meeting held on July 22nd some measures were taken to restrict theatrical performances in Aligarh. A permanent committee of three, consisting of the Collector, the Principal of the College and Babu Jogendro Nath Chatterjee was appointed to grant permission to companies to perform in Aligarh, to fix the dates of their departure, and to take measures to ensure that no indecent jokes were allowed in the plays. In England this last function is performed by the Lord Chamberlain and is most essential for public decency. Hitherto, in Aligarh at least, no such precautions have been taken. It is gratifying to know that the College authorities will in future have some control over the popular amusements of the town, as is the case in Oxford and Cambridge

THE COLLEGE MAGAZINE.

The College Magazine has now been fixed as a text-book for translation from Urdu to English in the First and Second Year College Classes. The institution of a paper in translation for the Intermediate Examination has made it necessary that translation should be regularly taught. The College Magazine serves excellently for this purpose as it contains a variety of articles by the best living Urdu writers, on different topics and in various styles. It likewise contains poetry by the greatest living Urdu poet. The price is moderate, and the subject matter interesting, and especially for students of the M. A.-O. College.

The second match was with the Station Club. The station people who were our equals in batting but far inferior in bowling scored 96 runs. Lt. Cadell only made a stand for 57, the rest were disposed off for 39. On the first day just after the lunch rain set in and we could not finish our first Innings that day. The following day we had rain again, but we got an opportunity for batting. We scored 115 runs for four wickets. This match too ended in a draw very much in our favour.

The third and the last match was played against the Sherwood School, and this was the only match which we could actually finish. The victory fell to our lot. We won the toss and sent Sherwood in, who were disposed off easily for 66. The home team scored 119 runs for 7 wickets and declared their innings closed. The Sherwood Eleven followed, and scored only 65, thus the home team won the match by an innings and 17 runs.

We made a great show of batting in all these matches. Ziaullah and Shaukat played with great tact and skill always scoring double figures and breaking the bowling of the opponents. Ziaullah's batting average for these 3 matches was 116, being out only once, Sarfaraz and Ahsan who were in good form fared very badly. Abdul Mughni worked miracles both in his batting and bowling. Abdul Hassan's tricky bowling puzzled the best bats; he stands first in the bowling averages. Azmat did very well in batting.

ABDULLAH
C. C.

THE THEATRE IN ALIGARH.

A good deal of nuisance has been experienced of late by the College authorities on account of the length of time which theatrical companies stay in Aligarh. Attracted largely by the College they drain the students of their pocket money, and offer constant temptation to the boarders to break the rule against leaving the College compound at night. The

OUR CRICKETERS AT NAINI TAL.

The idea of our visit to Naini Tal was originated by our late Captain long ago, and it was with great impatience that we were waiting for this longed for occasion. The curiosity of those who had never been to the hills before and the dull and monotonous life of the Boarding-house, helped very much to overcome the obstacles which delayed our departure. We at last decided to start on the 19th of June and reached Naini Tal safely on the 21st.

It won't be out of place here to say a few words in favour of our Cricketers. The perseverance and indefatigable energy with which they treaded the unaccustomed paths of the hills is certainly praiseworthy, and shows the readiness with which they sacrifice the comforts of life for gaining reputation for the College, and carry its name to such parts of the country where no one ever dreamt of it.

We played three matches there. Our first fixture was with the Colvin Cricket Club, one of the best native teams in India. The match began very late, owing to the heavy fall of rain on the preceding night having made the ground wet.

The home team being put in first made a very poor show of batting. This was owing partly to the worry and fatigue of the journey which made them feel stiff and feverish in the beginning, and partly because they were unaccustomed to the ground. But their poor score of 66 startled them, they shook off their laziness, and fielded with such dexterity and carefulness as surprised their opponents. They were disposed off very easily for 45 runs.

The second Innings was begun the same day. The home team going in again scored 113 runs for three wickets Ziaullah, Mughni and Abul Hassan made double figures. We could not finish the match, because the rain which set in the next day, interfered very much. The match which might have resulted in a victory for the home team, ended in a draw, very much in our favour.

found students err in this respect. In fact it is very exceptional to find students not lose a portion of their manners if they are treated with intimacy. I have never met better manners among my students than those of two Rajput taluqdars with whom I was very intimate, and one of whom unfortunately is now dead.

The accidentals of good manners are held so important in society that a man who fails in them is apt to be excluded. Thus an Englishman who does not pronounce the letter *h* or who puts his knife in his mouth when eating is assumed to belong to the lower classes. In particular, care is required about the manner of eating and drinking A man may be excluded from European society for some small things of this nature, when he may falsely suppose that it is due to prejudice against his race, colour or religion. Last year I was staying in a big hotel in Germany. People of all nations had come to drink the medicinal waters of the place. A man arrived whose method of eating was such as to attract general attention. I can not describe it except by saying that he attacked his food with fury like a hungry dog, without that restraint which is characteristic of a gentleman. First of all he sat by a Spanish lady who said to me in French 'He is a savage from the forest.' She spoke to the Manager, and the man was moved further down the table. Next day other people complained and I saw that he was still further off with empty seats on either side of him. Next day he was at a table by himself, and then he left the hotel in a rage at being thus treated. We heard then that he was a Count from Roumania, but his high position could not make him tolerated by an absolutely cosmopolitan society. I thought of some complaints I had heard of Natives of India being excluded from hotels, and of a remark of a Mahomedan friend of mine that he never found any difficulty, and judged that the cause doubtless was that the former were unacquainted with and the latter understood the code of European manners. Hence the importance, if you mix with Englishmen, of making a study of these points, some of which may appear to be trifling matters of detail.

clothes, but daily washing of the whole body and clean under-clothing are equally essential. In English society hawking and spitting are not tolerated and the use of a handkerchief is obligatory. Most English people dislike the habit of chewing *pan*. As a rule in Rome, do as the Romans do, provided that the thing done is not morally forbidden. Thus when you are dining with Englishmen adopt English manners, and similarly with Orientals, but do not take wine even if urged to do so. In conversation listen to the person who is talking to you, and do not constantly interrupt him in his remarks. Do not make cool requests, asking a man for example to lend you his horse or gun when you are not on terms of intimacy. It is bad manners when you force a man to be rude in self-defence, as when you ask for a favour which is declined and you continue to press your request. In saluting cultivate a graceful bearing, and do not toss a finger to your forehead like a ticket collector. In the presence of your superiors adopt a respectful attitude of body and tone of speech. In English society this is equally a condition of good manners, though the differences are more subtle and less marked than in the East. With superiors wait to speak, as a rule, until you are spoken to, unless you have some business to bring forward. Be considerate with inferiors and always thoughtful of their feelings. When the great Sir Salar Jung walked in his garden and a coolie woman saluted him, he used to remove his walking stick from his right hand to his left to return the salutation.

I will add a few more minor points. If you receive an invitation, always answer it at once whether you accept or decline, and if after accepting anything prevents you from going write an apology as soon as you know you cannot go. If you ever enter a Christian Church always take off your head dress; otherwise do not enter. If you receive a letter of condolence from an Englishman on the loss of a relation, you should acknowledge it; if from an Indian it is not necessary as the Oriental etiquette differs in this respect. Never take things not belonging to you without asking. If shown kindness by a superior do not presume on that kindness to become familiar or neglect the due signs of respect. I have constantly

favourably with those of any people in the world. I have never met finer examples of dignity and true courtesy. But there are some points to which I must direct your attention, that will be needed if you mix in English society. The great element of novelty is that you will meet ladies as well as men. And your first rule must be to show a marked increase of respect for women. Among Mahomedan families the respect for women ranges, as far as I have been able to discover, from a degree of respect equal to that which we feel in good English society to a sense of superiority in men over women, whom they prefer to keep ignorant. Among my Mahomedan friends those who feel just as courteous Englishmen do towards the sex treat ladies with the proper deference. But those persons who think, that woman is inferior or if not inferior should be kept inferior through ignorance lest they should not remain in proper subjection (as a young men once confessed to me was his opinion)—such persons are certain consciously or unconsciously to adopt offensive manners in the society of ladies. The great fact to be laid hold of is that woman is the equal of man; but that as he is the stronger, it is his duty to serve her. When you meet ladies you should salute them more deeply than men, observe more deference in your manner of speaking to them, and be ready to oblige them in every trifling way, such as offering a seat, opening a door if a lady leaves a room, carrying anything she may have to take, picking up anything she may let fall. In a word you should always give ladies precedence, obtain for them if possible the best of everything, and count as a privilege every service you can render them. Adopt these manners and your ladies at home will join with English ladies in praise of your good breeding.

You must be careful in conversation with ladies never to allude to subjects of a coarse or indecent character, much less freedom being permissible in mixed society than between men. Never swear, use violent expressions, or speak angrily to another man before ladies.

Turning to another matter, cleanliness is of great importance, as the want of it offends more senses than one. It is not enough to be satisfied with apparent cleanliness of skin and

every one of you who are inclined not to show proper respect to your older relations, that you not only prove yourselves to be wanting in good manners, and decent feeling, but may be actually retarding the education of your community. I have known students blown out with conceit because they wore English clothes, or because they were rich, or because though really poor they had induced others to think them rich by extravagantly spending their father's money in showy clothes.

Good manners take their root deep in the character. Coarse flattery and servility are odious qualities that are incompatible with good manners. Manliness, sincerity, truthfulness and self-respect form the soil on which good manners can be planted. It is a little difficult to explain in words the great difference that exists between conceit and self-respect, two qualities to both of which the word pride is sometimes applied. Self-respect arises out of moral qualities. A man who is too proud to flatter so as to gain a post, or to lie to protect himself from punishment or injury, has self-respect. The man of self-respect resents an insult to his honour, his integrity, his character; while the conceited man resents an insult to his sense of importance, his social position, or his assumed superiority to his fellow men. If you think that because you know some English and have picked up a feeble smattering of European culture you are better than your parents and the old-fashioned Musalmans, your conceit will lead you to behave as cads and not as gentlemen in Mahomedan society. In France, which for centuries has set the standard of manners in Europe, the respect for parents is practised with the utmost vigour. I remember that Gambetta, the greatest man in France at the time, went on a triumphal journey from Paris to the village where he was born to pay his respects to his old father who kept a small grocer's shop, and the whole of France rang with acclamation at his filial piety. But if your pride is of the sort that would make it impossible for you to tell a lie or take a bribe, I hope your pride will be unbounded.

You cannot do better if you want to learn good manners, than take lessons from the manners of the genuine Mahomedan aristocrat, whose manners will compare

Good manners may be classified into the essential and the accidental. In all countries of the world most of the essential elements of good manners are the same, though the accidental may vary. Among the essential elements of good manners are consideration for the feelings and convenience of others, modesty and self-respect. A man of good manners will not make remarks such as would hurt the susceptibilities of any one present who heard him. He would in his conduct take care not to disappoint expectations he had aroused. He would habitually have present to his mind the feelings of the people with whom he has to deal and as far as possible in his words and conduct avoid any occasion of hurting them. Hundreds of instances of bad manners aise from want of consideration of other people. If you fail to keep a promise, or keep some one waiting at an appointment, are unpunctual in attending the cricket or football field when your presence is required in a match (which you often are), you put others to inconvenience and are guilty of bad manners.

The great enemy to good manners is any form of egoism, such as prefering your own convenience to that of others, or being puffed up with self-conceit. Good manners require habitual unselfishness in your dealings with others. And without a sense of modesty good manners cannot exist. The bumptious young man who thinks himself the superior of his fellows or the equal of his betters is certain to let it be seen by some breach of manners. It is therefore necessary for the man who wishes to acquire good manners to think little of himself and his acquirements. And if he will reflect on how little he has to be proud of, and on how much other men surpass him in various respects he will find but little difficulty in recognising how baseless is his conceit. I lay great stress on this quality of modesty because conceit is a besetting vice of many Mahomedan youths, and I have seen men stoop to the basest actions because their silly vanity has been offended. You should show proper deference to age, to position and to learning. I heard not long ago of a Mahomedan gentleman of good position who refused to teach his sons English because he said the young men who learnt English treated their fathers like servants. Now think

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 2.	AUGUST 1, 1895.	No. 8.

MANNERS.*

English education in India has unfortunately been attended by a deterioration of manners. Among the causes of this is doubtless the fact that but little attention has been paid in colleges and schools to this branch of education. Another cause is that a very unsuccessful attempt has been made to exchange Oriental for English manners, the result being as a rule that those persons who have not had the opportunity of mixing freely in good English society have fallen between two stools, and become ill-mannered according to both standards. But I think a third cause is to be found in considerations of a different character. In Europe the arbiters of manners are ladies. They correct the manners of their relations and punish any breach of good manners in others by partial or total exclusion from their society. In India the tone of good manners was set by the royal court, and was maintained by the marked and well graded differences of rank. Now-a-days the non-existence of a court and the greater fusion of ranks arising from the more democratic ideas and methods of the West, has weakened the means of enforcing good manners in India, while the purdah system prevents the women from exercising that influence which they do in Europe. Good manners are not easily acquired, and require continual self-restraint. When no external authority enforces them, a man's manners have a natural tendency to grow bad. Hence the best mannered among you should be constantly on your guard in this respect.

* An address given by the Principal to the students of the M. A.-O College.

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A.-O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs 3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. p. for Rs 3 or for Re. 1—As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 2 annas per line or Rs. 2 per page in Urdu.

THEODORE BECK,
English Editor,

MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,
Urdu Editor.

NIAZ MUHAMMAD KHAN,
Manager.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 2. | AUGUST 1, 1895. | No. 8.

CONTENTS.

(ENGLISH.)

Printed at the Institute Press, Aligarh.
For Siddon's Union Club.

محمدن اینگلو اورینٹل کالج میگزین

جلد ۲ | بابت ۱۵ جولائی سنہ ۱۸۹۵ع | نمبر ۷

فہرست مضامین

انگریزی میں

اردو میں

کالج میگزین

قریباً چار برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اردو ملا ہوا - علیگڈھ کالج سے نکلنا شروع ہوا - اول اول وہ علیگڈھ انسٹیٹیوٹ کا ضمیمہ بن کر نکلتا رہا - لیکن سنہ ۱۸۹۴ع میں اس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی - اس کے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے - اور اس وجہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھ چنداں دلچسپی نہ تھی *

اس خیال سے اس کے منتظموں نے اس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جائے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ - مسلمانوں کے علوم و فنون - تاریخ اور لٹریچر کے متعلق - مفید اور پر زور مضامین لکھے جائیں - اس غرض سے اس کے ۲۴ صفحے بالکل اردو کے لئے مخصوص کردیئے گئے - اور اس صیغہ کا اہتمام خاص میری سپردگی میں دیا گیا - میں اس رسالہ کے ترقی دینے میں حتی الامکان کوشش کرونگا *

ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی - نواب محسن الملک - مولوی نذیر احمد - اور منشی ذکاءاللہ - وغیرہ بزرگوں نے اس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہے - اور اہل قلم بھی اگر اس کی اعانت فرمائینگے تو ہم نہایت قدر کے ساتھ قبول کرینگے *

ہم کو امید ہے کہ ہندوستان کی اسلامی جماعت خریداری سے اس کی اشاعت میں مدد دیگی - میگزین کے کل صفحات ۴۰ ہیں اور قیمت مع محصول ڈاک - (ے م) *

شبلی نعمانی — پروفیسر

مدرسۃ العلوم علیگڈھ

اسلامی حکومتیں اور شفاخانے

ایشیائی قوموں میں کسی سلطنت کی عظمت و شان یا پستی و تنزل کا اندازہ ہمیشہ فتوحات ملکی اور فوجی طاقت سے کیا جاتا تھا اور غالباً یورپ کا بھی آج سے دو سو برس پہلے یہی حال تھا۔ اسکا یہ اثر تھا کہ اُس عہد کی تاریخی تصنیفات میں کسی سلطنت اور حکومت کے متعلق جو واقعات لکھے جاتے تھے وہ زیادہ تر فتوحات اور خانہ جنگیوں کے واقعات ہوتے تھے۔ اسلامی تاریخیں بھی اس الزام سے بری نہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج کل یورپ نے اسلامی تاریخوں کا نام "قصاب کی دوکان" رکھا ہے۔ یورپ کے طعنہ دینے کی بہ نسبت ہمکو زیادہ افسوس یہ ہے کہ اس طرز تحریر نے مسلمانوں کے بہت سے عجیب و غریب کارنامے گمنامی کی خاک میں دفن کر دیئے۔ ہم نہایت قوی دلیلوں سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی حکومت کا زمانہ۔ مہذب حکومت کا زمانہ تھا۔ انتظام کے جدا جدا صیغے قائم تھے اور ہر صیغہ کا وزیر یا سکرٹری الگ تھا۔ ہمیشہ تیسویں برس تمام آراضی کی پیمایش ہوتی تھی ن ۲۵-۶۹۵
اور زمین کی افزایش اور لیاقت کے لحاظ سے دفتر خراج کی اصلاح و ترمیم ہوتی تھی۔ پبلک ورک یعنی منافع عامہ کا وسیع محکمہ تھا جو سڑکوں کی درستی۔ پلوں کی مرمت۔ شہر کی صفائی

حفظانِ صحت۔ اور اس قسم کے تمام امور کا متکفل تھا۔ غرض ایک مہذب سلطنت کے جو لوازمات ہیں سب تھے۔ لیکن آج ہم ان کی تفصیل بتانے سے بالکل عاجز ہیں اور یہی عجز ہے جو ہمکو اپنے قدیم تاریخوں کی شکایت پر مجبور کرتا ہے۔

بہرحال یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کی تہذیب و تمدن کے متعلق جدا جدا عنوان قائم کیے جائیں اور جہاں تک ممکن ہو ان کے متعلق نہایت تفصیلی مضامین لکھے جائیں اگر اس طریقہ میں ہمکو کامیابی ہوئی تو ان مضامین کا مجموعہ جو وقتاً فوقتاً ہمارے میگزین میں شایع ہوتے رہینگے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کی مکمل تاریخ بنجائیگا اور اُسوقت ہم اُسکو ایک مستقل کتاب کی صورت میں شائع کر سکینگے

یہ آرٹکل پبلک ورک کی ایک خاص شاخ یعنے شفاخانوں کے متعلق ہے۔

اس قسم کی خود رو طبابت جو لازمۂ زندگی ہے۔ ہر قوم میں ہمیشہ پائی جاتی ہے اور عرب میں بھی ہمیشہ سے موجود تھی لیکن علمی طبابت جو کسب و تعلّم کی محتاج ہے۔ اسکا پتہ بھی عرب میں مدت سے چلتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے پہلے۔ حارث بن کلدہ نے جو طائف کا رہنے والا تھا۔ فارس میں جاکر طب کی تحصیل کی۔ اور وہاں سے واپس آکر قوم کی زبان سے **طبیب العرب** کا خطاب حاصل کیا۔ طبابت کے تعلق سے اُسنے نوشیرواں کے دربار میں بھی رسائی حاصل کی تھی۔ اسکا بیٹا نضر بن حارث اس سے زیادہ نامور ہوا اور اسکے بدولت علم طب کو عرب میں زیادہ ترقی ہوئی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے جب فارس پر لشکر کشی کی تو فوج کے ساتھ بہت سے طبیب و جراح بھی بھیجے۔ حارث بن کلدہ

امیر معاویہ نے عرب کو چھوڑ کر دمشق کو پایہ تخت بنایا اور سلطنت اور دربار کے ٹھاٹھ جمائے۔ چنانچہ ایک عیسائی طبیب جسکا نام ابن آثال تھا خاص دربار کا طبیب مقرر ہوا۔ اس کے سوا

اور بہت سے طبیب دربار سے تعلق رکھتے تھے۔

تمدن کی وسعت کے ساتھ اس صیغہ کو بھی برابر ترقی ہوتی گئی۔ اور ملک میں بہت سے جراح و طبیب پیدا ہو گئے۔ جو بطور خود اپنے گھروں پر علاج کرتے تھے۔ کیونکہ اسوقت تک شفا خانوں کا طریقہ نہیں قائم ہوا تھا۔ سب سے پہلے جسنے اس کی بنیاد ڈالی وہ حکومت بنی اُمیہ کا تیسرا تاجدار ولید بن عبدالملک تھا۔ ولید کو رفاہ عام کے کاموں سے طبعی لگاؤ تھا۔ اور اس صیغہ میں بہت سے کام ہیں جو اول اسی کے ہاتوں سے عمل میں آئے اول اسی نے مہمان خانہ عام قائم کیا۔ ملک میں جسقدر اندھے اور مفلوج تھے سبکی فہرست مرتب کرا کے ان کے وظیفے مقرر کر دیئے اور ہر ایک کے ساتھ ایک ایک خادم متعین کیا۔ بذامیوں کے روزینے مقرر کر دیئے اور حکم دیا کہ گھر سے نہ نکلنے پائیں۔ اسی سلسلہ میں شفاخانے کی بنیاد ڈالی جو ۸۸ ہجری میں بنکر طیار ہوا اور بہت سے طبیب و جراح علاج کے لیئے متعین ہوئے[1] سب سے پہلا شفاخانہ

محکمۂ طبابت کے قائم ہونے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ یہودی و عیسائی علما کثرت سے دربار میں باریاب ہوئے اور یونانی علوم و فنون سے واقف ہونیکا رستہ کھلا۔ کیونکہ طب کی عمدہ تصنیفات یونانی ہی زبان میں تھیں اور اُن کے ترجمے کے بغیر علاج اور دواسازی وغیرہ میں ترقی نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اُسی زمانے میں ماسرجویہ یہودی نے اھرن قس کی کتاب کا سُریانی زبان سے ترجمہ کیا۔ اور یہ کتاب شاہی کتب خانہ میں داخل کی گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد حکومت میں اس ترجمہ کو کتب خانہ سے نکلوا کر نقلیں کرائیں اور بہت سے نسخے تمام لوگوں کے استعمال کے لیئے شائع اور مشتہر کئے[2]

رفتہ رفتہ تمام ملک میں کثرت سے شفاخانے قائم ہو گئے دولت عباسیہ کے آغاز میں

---

[1] مقریزی دوم ۴۰۵ - [2] طبقات الاطبا، صفحہ ۱۶۳ جلد اول۔

جندیساپور کے شفاخانے نے جسکا مہتمم اور معالج جارجس تھا نہایت شہرت پائی۔ جارجس یونانی زبان کا بہت بڑا ماہر تہا اور فن طب میں اجتہاد کا منصب رکھتا تہا۔ اس نے شفاخانوں کے استعمال کے لیے سریانی زبان میں ایک نہایت عمدہ قرابادین طیار کی جسکا ترجمہ زمانہ مابعد میں حنین بن اسحاق نے عربی میں کیا۔ سنہ ۱۴۸ھ میں خلیفہ منصور عباسی بیمار ہو کر زندگی سے مایوس ہوگیا تو جارجس کے نام طلبی کا فرمان بہیجا۔ جارجس نے شفاخانہ کا اہتمام بیٹے کے سپرد کیا اور دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ اس کے علاج سے منصور کو شفا ہوگئی۔ منصور کی فرمایش سے اسنے یونانی زبان کے بہت سی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کیں۔ اس مشہور شفاخانہ کا دوسرا ڈاکٹر سابور بن سہل تہا۔ جو متوکل کے زمانے میں تہا اور سنہ ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔ اسنے ایک نہایت مفصل قرابادین طیار کی جس میں سترہ باب تھے۔ کئی سو برس تک تمام شفاخانوں میں اسی قرابادین پر عمل درآمد رہا۔ ماسویہ جو ایک نامی طبیب گذرا ہے اور جس کے حالات علامہ ابن ابی اصیبعہ نے کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں۔ اسی ہسپتال میں تیس برس تک دواسازی اور مرہم پٹی کا کام کرتا رہا۔

ویدک کا داخل ہونا

عباسیوں کے ابتدائی زمانے تک تمام شفاخانوں میں یونانی یا فارسی طبابت کے اصول کے موافق علاج ہوتا تہا۔ لیکن رفتہ رفتہ برامکہ کے طفیل سے ویدک بہی شامل ہوگئی۔

یحیی بن خالد برمکی نے جو ہرون الرشید کا وزیر اعظم اور دولت عباسیہ کا دست و بازو تہا ایک شخص کو ہندوستان بہیجا کہ وہاں جو دوائیں اور نباتات علاج میں برتی جاتی ہیں انکو بہم پہنچا کر ساتہہ لائے[1] یحیی نے ہندوستان کے نامی طبیبوں اور ویدکوں کو بہی دربار میں طلب کیا چنانچہ منکہ سالے۔ اور ابن دہن۔ بغداد میں آئے۔ منکہ نے بہت سے سنسکرت کتابوں کا جو طب کے متعلق تہیں عربی زبان میں ترجمہ کرایا۔ ابن دہن اس شفاخانے کا افسر مقرر ہوا جو خاندان برامکہ

[1] فہرست صفحہ ۲۴۵۔

نے بغداد میں تعمیر کرایا تھا۔ بغداد میں اسوقت اگرچہ بہت سے شفاخانے موجود تھے مگر یہ دت براکمہ ہی کے ہسپتال کو حاصل تھی کہ اسکا افسر اور ڈاکٹر ایک ہندو حکیم تھا۔ اس واقعہ سے ہم مسلمانوں کی بے تعصبی اور علمی قدردانی کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں۔ سرو جو ہندوستان کا ایک مشہور حکیم گذرا ہے۔ فن طب میں اس کی ایک نہایت عمدہ تصنیف دس مقالوں میں تھی۔ یحییٰ نے منکہ کو اس کے ترجمہ پر مامور کیا[1]۔ اور جب ترجمہ طیار ہو گیا تو حکم دیا کہ شفاخانہ میں قرابادین کے طور پر کام میں لایا جائے۔

ہرون الرشید نے ایک خاص ہسپتال ادتعمیر کرایا اور ماسویہ کو جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے اس کا مہتمم اور ڈاکٹر مقرر کیا۔ رشید کے زمانے میں طبابت کا مستقل اور وسیع سررشتہ قائم ہو گیا متعدد شفاخانے ایک ایک ڈاکٹر کی نگرانی میں سپرد تھے۔ اور ایک شخص تمام شفاخانوں کا انسپکٹر جنرل ہوتا تھا جو رئیس الاطبا کے لقب سے پکارا جاتا تھا یہ عہدہ اول بختیشوع کو ۱۷۱ھ میں اور بعد اس کے بیٹے جبرئیل کو ۱۷۵ھ میں ملا۔ جبرئیل کی تنخواہ دس ہزار درہم ماہوار تھے اور پانچ ہزار ماہوار بھتہ تھا[2]۔ یہ تو خاص عہدہ کی تنخواہ تھی۔ دربار خلافت۔ زبیدہ خاتون۔ برامکہ وغیرہ کے ہاں سے جو سالانہ مقرر تھا اُس کی تعداد کئی لاکھ تھی جس کی تفصیل خود جبرئیل کے کاغذات حساب سے علامہ ابن ابی اصیبعہ نے نقل کی ہے بختیشوع اور جبرئیل دونوں باپ بیٹے عیسائی تھے۔ اور باوجود اسکے ہرون اور مامون کے دربار میں ان کو یہ عزت حاصل تھی کہ وزراء اور امراء ان کے دست نگر رہتے تھے یہاں تک کہ جبرئیل کا بیٹا بختیشوع۔ لباس۔ سواری۔ ساز و سامان حشمت و شوکت میں خود خلیفۂ وقت کا مقابلہ کرتا تھا۔

انسپکٹر جنرل شفاخانجات کی تنخواہ۔

یہ تعجب ہے کہ باوجود اس کے کہ تمام ممالک اسلامی میں ہر جگہہ شفاخانوں کا رواج ہو گیا تھا۔ مصر میں ایک مدت تک اس مقصد کے لئے کوئی خاص عمارت نہیں تعمیر ہوئی۔ علامہ مقریزی نے

[1] فہرست ۳۰۳ [2] طبقات صفحہ ۱۲۶ و ۱۲۳۔

مسافر کے ایک شفاخانے کا ذکر کیا ہے جو فتح بن خاقان وزیر خلیفہ المتوکل باللہ کے حکم سے تعمیر ہوا تھا۔ لیکن اس کی بنا کی تاریخ یا اور کسی قسم کی تفصیل نہیں لکھی۔ اس سے زیادہ یہ کہ ابن طولون کے ہسپتال کے ذکر میں لکھا ہے کہ اس سے پہلے مصر میں کوئی شفاخانہ موجود نہ تھا۔ ہماری دانست میں اس کی یہ وجہ ہے کہ اسلام سے پہلے۔ مصر۔ فن طب کا مشہور درسگاہ تھا اور بہت بڑے بڑے حکیم وطبیب موجود تھے جو یونانی حکما کے ہم پلہ ہی سمجھے جاتے تھے۔ ان حکما کی وجہ سے۔ مطب اور علاج کو نہایت ترقی تھی۔ ہر حکیم کا گھر گویا ایک مستقل شفاخانہ تھا۔ اور ممکن بلکہ غالب احتمال یہ ہے کہ باقاعدہ شفاخانے بھی موجود رہے ہوں۔ اسلام کے بعد ولید کے زمانے سے شفاخانوں کی بنیاد پڑی اور رفتہ رفتہ اسکا وسیع سررشتہ قائم ہو گیا۔ لیکن اس صیغہ کا تمام اہتمام مدت تک عیسائیوں کے ہاتھ میں رہا اور وہی انسپکٹر جنرل اور ڈاکٹر وغیرہ مقرر ہوتے تھے۔ اس حالت میں چنداں ضرورت نہ تھی کہ جو مطب گاہیں یا شفاخانے۔ نہایت عمدگی کے ساتھ پہلے سے قائم تھے انکو بے رونق کر دیا جائے اور نئی عمارتیں قائم کی جائیں۔ بہر حال وجہ جو کچھ ہو۔ احمد بن طولون کے زمانے تک مصر میں کوئی اسلامی شفاخانہ موجود نہ تھا۔

احمد بن طولون۔ دولت عباسیہ کی طرف سے مصر و مغرب و شام کا گورنر تھا۔ اور چونکہ سلطنت عباسیہ کو روز بروز ضعف ہوتا جاتا تھا۔ اسکی حالت مستقل سلطنت تک پہنچ گئی تھی۔ ۲۶۱ھ میں اس نے ایک نہایت عظیم الشان شفاخانہ کی بنیاد ڈالی۔ اور طیاری کے بعد بہت سی جائداد اس کے مصارف کے لیئے وقف کی۔ صرف کا تخمینہ ساٹھ ہزار دینار رہا۔ جس کے کم سے کم تین لاکھ روپئے ہوتے ہیں اس میں علاج کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی بیمار علاج کے لیئے آتا تھا تو اس کے کپڑے اور جو کچھ اس کے پاس نقدی ہوتی تھی۔ لے لی جاتی تھی۔ اور شفاخانے کے خزانچی کے پاس امانت رہتی تھی شفاخانے کی طرف سے اسکو نیا کپڑا اور بچھانے کے لیئے بستر ملتا تھا۔ صبح اور شام دونوں وقت جراح اور ڈاکٹر

اس کے دیکھنے اور دوا خوراک وغیرہ میں کمی بیشی کرنے کی غرض سے آتے تھے۔ جب صحیح ہو کر اتنی طاقت آجاتی تھی کہ روٹی اور مرغ کا شوربا کھانے لگتا تھا تب اسکو اسکی امانت واپس کردی جاتی تھی اور ہسپتال سے چلے جانے کی اجازت ملتی تھی۔ احمد بن طولون ہمیشہ ہر جمعہ کو خود ملاحظہ کے لیئے آتا تھا۔ اور دواخانہ وغیرہ کی جانچ کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک ایک مریض کے پاس جاکر دیکھتا تھا اور انکا حال دریافت کرتا تھا۔[1] پاگلوں کے علاج کے لیئے الگ کمرے تھے اور نہایت خبرگیری سے انکا علاج ہوتا تھا۔

ایک جدت

احمد بن طولون نے اس صیغہ میں ایک اور جدت کی جو اور کہیں نہ تھی۔ سنہ ۲۶۳ھ میں اس نے جو بہت بڑی عظیم الشان جامع مسجد ایک لاکھ دینار کے صرف سے بنوائی اس میں ایک طرف ایک وسیع مکان بنوایا جس میں ہر وقت ہر قسم کی دوائیں اور شربت موجود رہتے تھے۔ ایک طبیب مقرر تھا جو ہمیشہ جمعہ کے دن وہاں نماز کے اول وقت سے اخیر تک بیٹھا رہتا تھا۔ مسجد میں اتفاقیہ کوئی شخص کسی عارضہ میں مبتلا ہو جاتا تھا تو طبیب کے پاس لایا جاتا تھا اور اسکا علاج ہوتا تھا۔

خلیفہ مقتدر باللہ کے عہد میں شفاخانوں کی ترقی

خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانے میں اس صیغہ کو نہایت ترقی ہوئی اور بہت سی نئی باتیں ایجاد ہوئیں۔ علی بن عیسی وزارت کا منصب رکھتا تھا اور اسکو رفاہ عام کے کاموں پر نہایت توجہ تھی۔ اتفاق یہ کہ اس زمانے میں کثرت سے وبائی امراض پھیلے۔ سنان بن ثابت بن قرہ جو بہت بڑا مشہور طبیب اور صابی المذہب تھا شفاخانوں کا انسپکٹر جنرل تھا۔ علی نے اسکو متعدد فرمان اس بارہ میں لکھے اور شفاخانوں کے متعلق نئے نئے کارخانے قائم کیے۔ سب سے پہلے یہ کیا کہ چونکہ اسوقت تک جیلخانوں کے لیئے علیحدہ ڈاکٹر نہیں ہوتا تھا۔ اس نے سنان کو حکم دیا کہ چند

جیلخانہ کا ہسپتال

طبیب خاص جیلخانوں میں علاج کرنے کے لیئے مقرر کیئے جائیں سیری ڈسپنسری یعنی عارضی

---

[1] یہ تمام تفصیل علامہ مقریزی نے کتاب الخطط والآثار میں لکھی دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۴۰۵ جلد دوم۔

عارضی شفاخانے

ہسپتالوں کا صیغہ قائم کیا۔ بہت سے طبیب مقرر ہوئے کہ چھوٹے چھوٹے قصبات میں جہاں طبیب اور شفاخانے نہیں ہیں دورہ کریں۔ اور ہر جگہ دو دو چار چار دن ضرورت کے موافق قیام کرکے بیماروں کا علاج کریں ان طبیبوں کے ساتھ ایک مختصر دواخانہ ہوتا تھا اور قصبات اور دیہات میں علاج کرتے پھرتے تھے۔

امتحان کا طریقہ قائم ہوا۔

ایک نئی بات یہ ہوئی کہ امتحان کا طریقہ قائم ہوا جو اس سے پہلے بالکل مروج نہ تھا۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ سنہ ۳۱۹ھ میں ایک نیم حکیم نے ایک بیمار کا غلط علاج کیا اور وہ مرگیا خلیفہ کو اُس کی اطلاع ہوئی تو یہ حکم صادر ہوا کہ کوئی شخص باقاعدہ جب تک امتحان نہ دے مطب اور علاج نہ کرنے پائے۔ سنان بن ثابت ممتحن مقرر ہوا اور ہزاروں طبیبوں نے امتحان دیا۔ بغداد کی وسعت اور تمدن کا اس سے اندازہ کرنا چاہیے۔ کہ آٹھ سو ساٹھ[۸۶۰] آدمی امتحان میں پورے اترے اور انکو سند عطا کی گئی حالانکہ امتحان میں وہ لوگ شامل نہ تھے جنکا کمال پہلے سے مسلم تھا۔ یا جو لوگ دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ سند میں تصریح ہوتی تھی کہ کس درجہ کا امتحان دیا ہے اور کس قسم کے علاج کی اسکو اجازت دی گئی ہے۔

آٹھ سو طبیب سند یافتہ تھے۔

مقتدر نے ان انتظامات کے علاوہ متعدد بڑے بڑے شفاخانے قائم کئے۔ ایک شفاخانہ اپنی ماں کے نام سے قائم کیا جسکا سالانہ خرچ سات ہزار دینار تھا جسکے اوّل مرتبہ ۳۵۰۰۰ پینتیس ہزار روپئے ہوئے۔ یہ شفاخانہ آب و ہوا اور منظر کی خوبی کے لحاظ سے دجلہ کے کنارے تعمیر کیا گیا۔ محرم سنہ ۳۰۶ھ میں افتتاح کی رسم عمل میں آئی اور بہت سے طبیب و جراح معقول مشاہرہ پر متعین ہوئے۔ اسی سنہ میں ایک اور شفاخانہ اپنے نام سے قائم کیا جسکا ماہانہ خرچ دو سو دینار یعنی ہزار روپیہ ماہانہ تھا۔[۱]

[۱] یہ تمام تفصیل طبقات الاطبا صفحہ ۲۲۱ و ۲۲۲۔ اور منتظم فی اخبار الامم ۱۶۱ میں ہے۔

علی بن عیسیٰ وزیر سلطنت نے اپنے صرف سے محلہ حربیہ میں ۳۰۲ھ میں ایک شفاخانہ قائم کیا۔ اور مشہور طبیب ابو سعید بن یعقوب الانقرا اسکا ڈاکٹر مقرر ہوا۔ اس زمانے کے قریب یعنی ۳۱۳ھ میں۔ محلہ درب المفضل میں۔ ابن الفرات نے ایک ہسپتال قائم کیا۔ اور ثابت بن سنان کو اسکے اہتمام کی خدمت دی۔ یہ وہ شفاخانے ہیں جو خاص بغداد میں تعمیر ہوئے اور جن کے حالات ہم کسیقدر تفصیل کے ساتھ معلوم کر سکے۔ لیکن اسلامی فیاضیوں نے تمام ممالک میں جس کثرت سے اس قسم کی مفید یادگاریں قائم کی ہونگی انکا شمار کون کر سکتا ہے۔

علی بن عیسیٰ کا شفاخانہ

بغداد۔ اگرچہ شفاخانوں سے معمور تھا تاہم آبادی کی کثرت کے لحاظ سے ابھی اور ضرورت تھی۔ اسی ضرورت کے لحاظ سے عضد الدولہ نے ایک اور شفاخانہ قائم کیا جسکی وسعت خوبی عمارت۔ کثرت آلات۔ ترتیب اور درستی کے لحاظ سے مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ تمام دنیا میں کوئی شفاخانہ اس کے مثل تعمیر نہیں ہوا۔

عضد الدولہ کا بینظیر شفاخانہ

علامہ ابن خلکان کے خاص الفاظ یہ ہیں۔ لیس فی الدنیا مثل ترتیبہ۔ واعد لہ من الآلات ما یقصر الشرح عن وصفہ۔ عضد الدولہ۔ دنیا کے مشہور بادشاہوں میں سے ہے۔ اسلام کی تاریخ میں وہ سب سے پہلا فرمانروا ہے جو بادشاہ کے نام سے پکارا گیا۔ بغداد میں خلفائے عباسیہ کے سوا۔ خطبہ میں کسی کا نام نہیں پڑھا گیا تھا۔ یہ فخر سب سے پہلے عضد الدولہ ہی کو حاصل ہوا۔ اس کی سلطنت نہایت وسیع اور منتظم تھی۔ وہ خود نہایت علم دوست اور خاصکر رفاہ عام کے کاموں کا نہایت دلدادہ تھا اس نے اپنے عہد میں حفظان صحت کے صیغہ کو نہایت ترقی دی۔ تمام اضلاع اور قصبات میں نئے شفاخانے قائم کیے اور پرانوں کی اصلاح اور مرمت کرائی۔ جس عظیم الشان شفاخانہ کا ہم نے اوپر ذکر کیا اس کی عمارت ۳۷۱ھ میں انجام کو پہونچی۔ یہ شفاخانہ درحقیقت ایک میڈیکل یونیورسٹی تھی

۱؎ طبقات صفحہ ۲۲۲

نہایت کثرت سے ہر قسم کے آلات مہیا کیے گئے تھے۔ اور بہت سے مشہور طبیب لکچر دینے کیلیے مقرر تھے۔ علاج کے لیئے دور دور سے مشہور طبیب بلوا کر امتحان کیے گئے تھے ان سب کی تعداد اول ۰۰ تھی۔ انتخاب کے بعد گھٹ کر ۲۴ رہ گئے جن میں۔ ابن بکس۔ ابو یعقوب۔ ابن شکر ایا۔

۲۴ طبیب تھے — ابو عیسی۔ بنو حسنو۔ جیسے نامور اطبا داخل تھے۔

جراح — جراحوں میں سے ابو الخیر۔ ابو الحسن نفاخ زیادہ نامور تھے۔ پٹی باندھنے والوں کا افسر ابو الصلت تھا جو اس فن میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔

کحال — بہت سے کحال تھے جن میں زیادہ مشہور ابو النصر بن الدحلی تھا۔ فزیکل سائنس کے بہت سے اساتذہ تھے۔ غرض فن طب کی جسقدر شاخیں ہیں سب کے مشہور ماہر اور استاد اسمیں لکچر دینے اور علاج کرنے کے لیئے مقرر تھے۔ اور ہر صیغہ میں متعدد لکچرار اور پروفیسر تھے۔ آگے چلکر ایک مناسب موقع پر ہم بعض کے حالات بھی لکھینگے۔

چوتھی صدی — چوتھی صدی میں سلطنت اسلام کی وسعت نے بہت سے صاحب تاج و تخت پیدا کر دیئے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ سامانیہ۔ سلجوقیہ۔ غزنویہ۔ فاطمیہ۔ نوریہ۔ ایوبیہ۔ اتابکیہ۔ وغیرہ بڑی بڑی پر زور اور وسیع سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ اگرچہ اس تفرق اجزا سے مجموعی قوت کو صدمہ پہونچا لیکن رفاہ عام کے صیغہ کو بہت ترقی ہوئی جس کی وجہ یہ تھی کہ جو نئی حکومت قائم ہوتی تھی اسکو قبول عام حاصل کرنے کے لیئے اس سے بڑھ کر کوئی آلہ نہ تھا۔ اس سلسلے نے طبابت کو بھی بہت فروغ دیا

شفاخانوں کی کثرت — اور ہر جگہہ نہایت کثرت سے شفاخانے قائم ہوئے۔ چھٹی صدی میں جب علامہ ابن جبیر نے حج کی تقریب سے عراق و شام کا سفر کیا تو بغداد۔ موصل۔ حران۔ حلب۔ حماۃ۔ دمشق میں اس کثرت سے شفاخانے دیکھے کہ حیران رہ گیا چنانچہ اس نے اپنے سفرنامے میں ان شہروں کے شفاخانوں کا ذکر تفصیل اور اجمال کے ساتھ کیا ہے۔ اس عہد میں سلطان نورالدین اور صلاح الدین نے تمام ممالک

میں کثرت سے شفاخانے قائم کیئے اُن میں سے بعض مشہور شفاخانوں کا ذکر ہم اس مقام پر کرتے ہیں

شفاخانہ نوریہ

نوریہ یہ شفاخانہ نورالدین زنگی نے دمشق میں تعمیر کرایا تھا۔ کروسیڈ کے معرکوں میں یورپ کا ایک فرمانروا نورالدین کی قید میں آگیا تھا۔ اُس نے ایک بیش قرار رقم اپنی رہائی کے لیئے پیش کی اور نورالدین نے اُسکو رہا کر دیا۔ شفاخانہ مذکور اسی رقم سے طیار ہوا اور اس سے اُسکی لاگت کی مقدار کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کے خوب صورت اور بلند دروازے موید الدین نے طیار کیئے تھے جو فن نجاری میں نہایت کمال رکھتا تھا۔ اور جس نے محض فن نجاری کی تکمیل کے لیئے اقلیدس اور مجسطی کی تکمیل کی تھی شفاخانوں کا اب تک یہ دستور رہا کہ اُمرا اور دولتمندوں کو اُس میں علاج کرانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ لیکن نورالدین نے جو وقف نامہ لکھا اُس میں یہ اجازت دی کہ "جو نایاب دوائیں یہاں کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتیں اُن کے استعمال میں غریب و امیر سب یکساں ہیں"۔ علامہ ابن جبیر نے ۵۸۰ھ میں اُسکو دیکھا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس میں بہت سی محرر منشی۔ طبیب۔ خدام نوکر ہیں۔ بیماروں کا رجسٹر منشیوں کے پاس رہتا ہے اور اُسمیں بیماروں کے نام و نشان کے علاوہ اُن کے مصارف اور ضروریات کی تفصیل لکھی جاتی ہے۔ اطبا صبح کیوقت ہمیشہ ہر روز بیماروں کو دیکھتے ہیں اور اُن کی دوا اور غذا کی خبرگیری کرتے ہیں۔ روزانہ خرچ کم و بیش سو روپیہ ہے۔ علامہ مذکور نے لکھا ہے کہ دمشق میں اسی قسم کا ایک اور شفاخانہ ہے۔ لیکن یہ پرانا ہے اور زیادہ پرشان و شوکت ہے۔

صلاح الدین کا شفاخانہ۔

سلطان صلاح الدین نے جب فاطمیین کی سلطنت کو برباد کیا تو شاہی ایوانوں میں سے ایک نہایت شاندار ایوان تھا جسکی دیواروں پر پورا قرآن مجید لکھا ہوا تھا۔ سلطان نے[1] اسکو دیکھ کر کہا کہ یہ مکان شفاخانہ کے لیئے موزوں ہے۔ چنانچہ ۵۶۷ھ میں اسکو تھوڑے سے تغیر اور اصلاح

---

[1] طبقات الاطبا صفحہ ۱۹۰

کے بعد شفاخانہ بنایا۔ اور بہت سے طبیب و جرّاح علمائے طبعیات۔ مشرف۔ عامل۔ خدام مقرر کیے؎

علامہ ابن جبیر نے اُس کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں "قاہرہ کا یہ شفاخانہ۔ صلاح الدین کے مفاخر میں سے ہے۔ وہ ایک نہایت خوبصورت اور شاندار ایوان ہے۔ بہت سے کمرے ہیں ہر کمرہ میں پلنگ بچھے ہیں جن پر سلیقہ سے بچھونے اور تکیے لگے ہیں۔ دواؤں کے لئے الگ کمرہ ہے اور اُس کے لیئے دواسازا ور منشی وغیرہ مقرر ہیں۔ عورتوں کے علاج کے لیئے اسی سلسلہ میں ایک الگ قطعہ ہے اور ان کی خدمت۔ خبرگیری اور علاج کے لیئے عورتیں مامور ہیں۔ پاگلوں کے علاج کے لیئے الگ مکانات ہیں جنکا احاطہ نہایت وسیع ہے اور دریچوں میں لوہے کی جالیاں ہیں۔ شفاخانے کا اہتمام ایک طبیب سکرٹری کے متعلق ہے۔ اس کے ماتحت بہت سے نوکر ہیں جو صبح وشام دونوں وقت بیماروں کا ملاحظہ کرتے ہیں۔ اور ان کی غذا اور دوا میں تبدیلی اور اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ سُلطان ہمیشہ خود شفاخانہ کے ملاحظہ کے لیئے آتا ہے اور بیماروں کے معالجہ اور خبرگیری کی سخت تاکید رکھتا ہے"۔ علامہ مذکور نے لکھا ہے کہ "قاہرہ میں بعینہٖ اسی درجہ کا ایک اور شفاخانہ ہے۔" سلطان مذکور نے اسکندریہ میں جو شفاخانہ قائم کیا وہ بھی نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اور ایک خاص بات میں تمام اور شفاخانوں سے ممتاز تھا۔ یعنے جو لوگ شفاخانہ کے علاج کو خلاف شان سمجھتے تھے۔ اُن کے علاج کے لیئے۔ الگ طبیب اور جراح مقرر تھے جو اُن کے گھروں پر جا کر علاج کرتے تھے۔ البتہ یہ تخصیص تھی کہ یہ فیاضی صرف اُن لوگوں کے لیئے مخصوص تھی جو مسافر اور اجنبی ہوتے تھے۔

نورالدین اور صلاح الدین کی تقلید نے شفاخانوں کے رواج کو اور ترقی دی سنہ ۶۷۳ھ میں ملک منصور قلاؤن جو اُس زمانہ تک فوجی افسر تھا ایک سفر میں دمشق پہنچکر قولنج کے عارضہ

؎ مقریزی صفحہ ۴۰۷ - جلد دوم۔

میں مبتلا ہوا۔ چونکہ مرض نہایت شدید تھا اور اطبا نے جو نایاب دوائیں تجویز کیں وہ اور کہیں نہیں مل سکتی تھیں اس لیئے نورالدین کے شفاخانے سے دوائیں منگوائی گئیں۔ قلاؤن کو جب شفا ہوگئی تو شفاخانے کے ملاحظہ کے لیئے گیا۔ اور دیکھکر متعجب ہوگیا۔ دل میں نیت کی کہ سلطنت حاصل ہوگئی تو اس سے بڑھکر شفاخانہ بنواؤنگا۔ ۶۷۸ھ میں جب تخت نشین ہوا تو شفاخانے کی تعمیر شروع کی۔ جہاں تک ہمکو معلوم ہے شفاخانے عضدیہ کے سوا تمام ممالک اسلامی میں اس عظمت کا کوئی شفاخانہ کبھی تعمیر نہیں ہوا۔ اور بعض خصوصیتوں کے لحاظ سے تو اسکو عضدیہ پر بھی ترجیح حاصل تھی۔

قلاؤن کا بے نظیر شفاخانہ

فاطمین کے شاہی مکانات میں سے ایک بڑا وسیع محل تھا جسکو خلیفہ العزیز باللہ کے بیٹے نے تعمیر کرایا تھا۔ ان کی حکومت کی بربادی کے بعد سلطان صلاح الدین کے قبضہ میں آیا اور اسی کے خاندان میں وراثۃً چلا آتا تھا۔ قلاؤن نے شفاخانہ بنانیکا ارادہ کیا تو اس سے زیادہ موزوں کوئی عمارت نہیں مل سکتی تھی۔ چنانچہ مالک مکان سے اسکو خریدا اور ۶۸۳ھ میں شفاخانے کی بنیاد ڈالی۔ اس مکان کی قدیم صورت یہ تھی کہ چار بڑے بڑے ایوان تھے مکان کا کل احاطہ ۱۰۶۰۰ گز تھا احاطہ ہی میں ایک نہر تھی جس کے ذریعے ایوانوں میں پانی آتا تھا۔ قلاؤن نے ایوانات بدستور رہنے دیئے اور بہت سی نئی عمارتیں اضافہ کیں۔ تین سو قیدی اور بہت سے مزدور روزانہ کام کرتے تھے۔ مصر و قاہرہ میں جس قدر راج اور معمار تھے عام حکم تھا کہ شفاخانے کے سوا اور کہیں کام نہ کرنے پائیں۔ ستون جس قدر تھے عموماً سنگ مرمر یا صوّان یا سنگ خام کے تھے۔ قلاؤن خود روزانہ عمارت کے ملاحظہ کے لیئے جاتا تھا۔ غرض اس اہتمام اور سروسامان سے پورے گیارہ مہینے میں عمارت بنکر طیار ہوئی۔ علامہ سخاوی نے لکھا ہے کہ یہ شفاخانہ قاہرہ کے نامی اور عظیم الشان عمارتوں میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ قلاؤن نے اس کے مصارف کے لیئے بہت سی جائدادیں وقف کیں جن کی سالانہ آمدنی دس لاکھ درہم تھی۔ وقف نامہ میں لکھا کہ یہ شفاخانہ۔ امیر غریب۔

شفاخانہ کی سالانہ آمدنی دس لاکھ تھی۔

غلام۔ آقا۔ بادشاہ۔ رعیت۔ سب کے لئے عام ہے۔ بلکہ جو لوگ شفاخانے میں نہ آئیں وہ بھی
اس کی دوائیں استعمال کرسکتے ہیں۔

ہر مرض کے علاج کے لیے جدا جدا کمرے

ایک خاص التزام یہ تہا کہ ہر مرض کے علاج کے لیے جدا جدا کمرے تہے۔ چنانچہ بخار والوں کے لیے قدیم کے چاروں ایوان تھے۔ آشوب چشم۔ لرزہ۔ اسہال وغیرہ بیماریوں کے لیے الگ مکانات تھے۔ مردوں اور عورتوں کی تفریق الگ تھی۔ یعنے دونوں کے لیے جدا جدا قطعے تہے ان کے علاوہ اور بہت سے کمرے تہے۔ جو کھانا پکانے۔ دوا بنانے۔ بیماروں کے رجسٹر رکھنے۔ طب کے درس دینے اور اسی قسم کے کاموں کے لیے مخصوص تہے۔ لطف یہ کہ ان تمام کمروں میں نہر کے ذریعے سے پانی آتا تھا۔ اور ہر وقت پانی کی جدولیں جاری رہتی تھیں۔

شفاخانے کے ساتھ ایک مدرسہ بھی تھا جس میں چاروں مذہب کے فقیہ تعلیم دیتے تھے انتظام کی درستی اور ترتیب کے لیے شفاخانے کو متعدد صیغوں میں تقسیم کیا تہا اور ہر صیغہ کا سکرٹری الگ تھا جس کثرت سے لوگ اسمیں علاج کو آتے تھے اُنکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ معمولی شربت چھوڑ کر۔ شربت انار وغیرہ کے روزانہ پان سو رطل صرف ہوتے تھے۔

پانسو رطل روزانہ شربت کا صرف تہا

مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے شفاخانے۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بہی بہت سے شفاخانے قائم ہوئے۔ ۶۲۹ھ میں خلیفہ مستنصر نے مکہ معظمہ میں جو عالیشان شفاخانہ بنوایا تہا۔ شریف مکہ حسن بن عجلان نے ۸۱۶ھ میں چالیس ہزار کے صرف سے اس کی مرمت کی۔ سلطان ظاہر بیبرس المتوفی ۶۷۶ھ نے مدینہ منورہ کے قدیم شفاخانے کی مرمت کی۔ اور مصر سے ایک طبیب اور ہر قسم کی معجون اور دوائیں بہجوائیں۔

ہندوستان میں بھی کثرت سے شفاخانے موجود تہے اور اگر ہم مقریزی کی روایت کا اعتبار کریں تو صرف ایک شہر دہلی میں محمد تغلق کے زمانے میں ستر شفاخانے جاری تہے۔" جہانگیر نے ۱۰۱۴ھ میں تخت نشین ہونے کے ساتھ جو بارہ احکام صادر کیے اُن میں ایک یہ تہا کہ شہرہائے

کلاں دار الشفاہا ساختہ اطبا بجہت معالجہ بیماران تعین نمایند و آنچہ صرف و خرچ می شدہ باشد
از سرکار خالصہ شریفہ می دادہ باشند"

شفاخانے کی تاریخ میں چند امور لحاظ کے قابل ہیں۔

شفاخانوں کی کثرت کی وجہ۔

(۱) شفاخانوں کی کثرت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جو شفاخانے کسی بادشاہ کے دور حکومت میں قائم ہوتے تھے وہ اس وجہ سے آیندہ برباد نہیں ہونے پاتے تھے کہ شفاخانہ اور اُس کے متعلق جو جائداد ہوتی تھی وقف میں داخل تھی اور وقف میں شرعاً کسی کو تصرف کا اختیار نہیں ہے نیا حکمراں جو حکومت کے تخت پر بیٹھتا تھا وہ قدیم یادگاروں پر خواہمخواہ کچھ اضافہ کرنا چاہتا تھا۔

(۲) شفاخانے کی کوئی قسم اور کوئی نوع ایسی نہ تھی جو موجود نہ تھی۔ سفری شفاخانے اور جمعہ مسجد کے شفاخانے کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ فوجی شفاخانے کا بھی نہایت معقول انتظام تھا۔

فوجی ہسپتال

طبیبوں اور دواؤں کا انتظام تو خود صحابہ رضؓ کے زمانے میں موجود تھا۔ لیکن فوجی شفاخانہ کی باقاعدہ بنیاد سب سے اول سلطان محمود نے ڈالی۔ سلجوقیوں کا فوجی شفاخانہ دو سو اونٹوں پر چلتا تھا[1]

شفاخانوں کے افسر ماہرین فن ہوتے تھے۔

(۳) ایک خاص امر قابل لحاظ ہے کہ وقتاً فوقتاً جو اطبا۔ شفاخانوں کے افسر یا انسپکٹر جنرل مقرر ہوتے تھے وہ عموماً مجتہد الفن اور استاد الفن ہوتے تھے۔ ابوبکر رازی جو فن طب کا ایک رکن ہے اور جسکی تصنیفات سے (جو سو سے متجاوز ہیں) ابن سینا نے فائدہ اٹھایا ہے۔ رے کے شفاخانے کا ڈاکٹر تھا۔ سعید بن یعقوب دمشقی۔ جو ۳۰۲ھ میں بغداد۔ و مکہ۔ و مدینہ کے شفاخانوں کا افسر مقرر ہوا مشہور حکیم گذرا ہے۔ اس نے عربی زبان میں یونانی وغیرہ سے بہت سی کتابیں ترجمہ کیں سنان بن ثابت جو مقتدر باللہ کے زمانے میں شفاخانوں کا انسپکٹر جنرل تھا۔ فن طب کے ارکان میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ طبقات الاطبا میں اس کے حالات پڑھنے سے اس کی وقعت کا اندازہ

---

[1] تاریخ سلجوق صفحہ

ہو سکتا ہے۔

عضدیہ شفاخانے میں ہمیشہ ۲۴ طبیب کام کرتے تھے اور ہر ایک اپنے فن کا استاد ہوتا تھا ان میں سے بعض کا حال ہم نہایت اختصار کے ساتھ لکھتے ہیں۔

ابوالحسن کشکرایا۔ یہ مشہور حکیم تھا اور پہلے سیف الدولہ کے دربار میں نوکر تھا۔ سنان بن ثابت کے تمام شاگردوں میں نہایت ممتاز تھا۔

نظیف القس۔ عیسائی تھا اور بہت سی زبانیں جانتا تھا۔ یونانی سے بہت سی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کیں۔

ابوالفرج۔ یہ حکیم اور فلاسفر تھا۔ اور عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ اس نے ارسطو اور بقراط و جالینوس کی کتابوں پر بہت سی مفید شرحیں اور حاشیے لکھے۔ ابن سینا نے اپنی تصنیفات میں اسکا ذکر کیا ہے اور اس کے کمال کا اعتراف کیا ہے۔ وہ شفاخانے میں علاج کے علاوہ طب پر لکچر بھی دیتا تھا۔ اس کی تصنیفات کی مطول فہرست طبقات الاطبا میں مذکور ہے۔

ابراہیم بن بکس مختلف زبانیں جانتا تھا۔ عربی زبان میں یونانی وغیرہ کی بہت سی کتابیں ترجمہ کیں۔ یہ طب پر لکچر دیا کرتا تھا۔

سعید بن ہبۃ اللہ خلیفہ مستظہر باللہ کا طبیب تھا۔ اسکی تصنیفات میں سے مغنی۔ کتاب الاقناع وغیرہ ہیں۔

امین الدولہ بن تلمیذ۔ مشہور عیسائی حکیم تھا۔ سریانی۔ فارسی۔ عربی۔ زبانیں جانتا تھا۔ خلیفۂ وقت نے اسکو بغداد کے محکمہ طبابت کا افسر مقرر کیا تھا اور تمام اطبا اسکی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ عضدیہ شفاخانہ بھی اسی کی ماتحتی میں تھا۔ اس کی بہت سی مفید تصنیفات یادگار ہیں۔

(۳) شفاخانوں کے ساتھ دواؤں کے عمدہ بہم پہنچانے کا بھی نہایت اہتمام تھا۔ عطار جو دوائیں

عمدہ دواؤں کو بہم پہنچانیکا انتظام

پہنچتے تھے اُن کی جانچ اور امتحان کے لئے ایک خاص محکمہ تہا جسکے افسر کا لقب رئیس العشابین مجرتا تھا۔ اس عہدے پر ہمیشہ وہ اطبا مقرر ہوتے تھے جو نباتات کے فن میں کمال رکھتے تھے۔ چنانچہ ساتویں صدی میں اس عہدے پر ضیا ابن بیطار المتوفی ۶۴۶ھ کا تقرر ہوا۔ جو اس فن میں اس درجہ کا کمال رکھتا کہ مسلمانوں میں کوئی شخص اسکا ہمسر پیدا نہیں ہوا۔ نباتات اور ادویہ پر یونان میں جو کتابیں لکھی گئیں۔ اور اُن پر مسلمانوں نے جو کچھ اضافہ کیا تہا۔ اُسکو حفظ یاد تھیں۔ لیکن اسنے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ خود دور دراز ملکوں کا سفر کیا۔ یونان۔ اٹلی۔ جزائر بحر روم میں نباتات کی تحقیقات کی مصورین سے جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے تھے گھانسوں اور بوٹیوں کی تصویریں کھنچواتا تھا۔ اور ان کی مختلف حالتوں کی تاثیریں جداگانہ قلمبند کرتا تہا۔ اس نے یونانیوں کی بہت سی غلطیاں ظاہر کیں اور بہت سی نئی نباتات اور بوٹیاں دریافت کیں جو یونانیوں کو معلوم نہیں تھیں۔

اعمال ید کرنیوالے (۴) شفاخانوں میں جو لوگ اعمال ید مثلاً جراحی کحالی فصادی۔ وغیرہ کاموں پر مامور ہوتے تھے وہ فن طب کے پورے ماہر ہوتے تھے۔ آج کل کے ہندوستانی اطبا کا سا حال نہ تھا کہ جراحی و فصادی کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ قاہرہ میں سلطان صلاح الدین نے جو شفاخانہ قایم کیا تہا۔ اس میں کحالی کی خدمت قاضی نفیس الدین المتوفی ۶۳۶ھ کے سپرد تھی جو تمام مملکت مصر کے افسر الاطبا تھے۔ شفاخانہ عضدیہ میں ابوالخیر۔ اور ابوالحسن بن نفاح جراحی کا کام کرتے تھے۔ ہڈیوں کے جوڑنے اور مرہم پٹی کرنے پر حکیم ابوالصلت مقرر تھا۔

اسلامی شفاخانوں کی یہ نہایت مختصر تاریخ ہے۔ اسلام میں اس صیغہ کو اسقدر وسعت ہوئی تھی کہ شفاخانوں کے حالات اور شفاخانوں کے تجربوں پر بہت سے اطبا مثل ابوبکر رازی۔ امین الدولہ بن تلمیذ۔ ابوسعید زاہد العلما۔ نے مستقل کتابیں لکھیں۔ مگر افسوس ہے کہ وہ کتابیں آج دنیا سے ناپید ہیں۔ اسلیئے ناظرین کو مجبوراً ہماری محدود اور ناکافی معلومات پر قناعت کرنی چاہیئے۔"

شفاخانوں کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئیں

شبلی نعمانی

مسلمانوں میں عملی قوت کیوں نہیں رہی

یہ بات مسلم ہے کہ مسلمانوں میں عملی قوت باقی نہیں رہی۔ یہاں ہم صرف اسقدر بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ عام خاموشی اور سناٹا جو ہماری قوم میں ہر طرف نظر آتا ہے اور یہ مردنی جو ہمارے تمام طبقوں پر چھائی ہوئی ہے یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے۔ بلکہ ایسے زبردست اور قوی اسباب پر مبنی ہے جنکا اثر کسی خاص جماعت یا خاص فرقہ پر محدود نہیں رہا بلکہ اُسنے تمام قوم کے قوائے عملیہ کو معطل و بیکار کر دیا ہے۔

اکثر مسلمانوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بالطبع کاہل اور سُست ہیں اور کبھی اُن کی کاہلی اور سُستی کو اسلام کی تعلیم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ چنانچہ پنجاب کے ایک معزز افسر نے پنجاب کی مردم شماری کی رپورٹ میں لکھا تھا کہ "پنجاب کے رہنے والوں پر مذہب اسلام کا اختیار کر لینا نہایت بُرا اثر پیدا کرتا ہے۔ وہ اُن کو مغرور اور شیخت مآب بنا دیتا ہے۔ اُن کی طبیعت کو حق حلال اور ریاض کا لقمہ حاصل کرنے سے پھیر دیتا ہے۔ * * * * * * * * * * * * * * * *

* * * کیونکہ سُستی و کاہلی و بناوٹ خاص اوصاف ہیں جو مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں اور جنسے مسلمانوں اور ہندوؤں میں تمیز ہوتی ہے" مگر درحقیقت نہ مسلمان بالطبع کاہل و سُست ہیں اور نہ اسلام نے اُنکو ایسا بنا دیا ہے بلکہ یہ تمام کاہلی و سُستی اور یہ عام سکون و انجماد جو ہمارے رگ و پئے میں سما گیا ہے۔ یہ وہ ترکہ ہے جو نہ صرف ہمکو بلکہ تقریباً تمام ایشیائی قوموں کو اُن کے آبا و اجداد کی میراث میں پہنچا ہے۔"

ایشیائی طرز حکومت جو ایک طاقت کو اعتدال سے زیادہ بڑھانے والی اور اُس کے سوا

تمام طاقتوں کو ملیامیٹ کر دینوالی ہے اُس نے ایشیا کی کسی قوم میں جان باقی نہیں چھوڑی۔ خود مختار سلطنت میں عام اس سے کہ بادشاہ ظالم ہو یا منصف رعیت بعینہ ایسی ہوتی ہے جیسے غسال کے قبضہ میں میت۔ اُسکو سوا اسکے کہ مویشی اور چوپایوں کے مانند بُری یا بہلی طرح اپنا پیٹ بہر لیں اور اپنی جسمانی ضرورات کو جس طرح ہو سکے پورا کر لیں ملک یا قوم کی بُرائی یا بہلائی سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ خدا کی سلطنت میں تو کوئی اپنے تئیں مختار سمجہتا ہے اور کوئی مجبور۔ مگر خود مختار سلطنت میں ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنے تئیں مجبور جانے۔ ہر متنفس کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ ملک اور قوم کے حق میں بُرائی یا بہلائی بادشاہ اور اُسکے ارکان سلطنت کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ معاویہ بن ابی سفیان سے اُن کے عہد حکومت میں ایک شخص نے زمانہ کی شکایت کی۔ اُنہوں نے کہا "نحن الزمان من رفعناه ارتفع ومن وضعناه اتضع" (یعنے تو کس کی شکایت کرتا ہے زمانہ تو ہم ہیں جسکو ہم نے بلند کر دیا وہ بلند ہو گیا اور جس کو پست کر دیا وہ پست ہو گیا) اسی لیئے جو امور مصالح عامہ سے علاقہ رکہتے ہیں خود مختار سلطنت میں اُن سے پبلک کو کچھ سروکار نہیں رہتا۔ مسلمانوں کے دور دورہ میں ہزاروں مدرسہ اور شفاخانے ممالک اسلامیہ میں جاری ہوئے ہیں مگر کوئی مثال شاید ہی ایسی نکلے کہ رعایا نے باہم مجتمع ہو کر کوئی مدرسہ یا شفاخانہ جاری کیا ہو۔ کل مدرسے اور شفاخانے یا بادشاہوں کے قائم کیئے ہوئے پاوگے یا اون کے وزرا و اُمرا کے۔ کمزوروں اور مظلوموں کی اعانت کرنا یا حق داروں کے حق دلوانے میں کوشش کرنا۔ یا عاملوں کے ظلم و تعدی کی شکایت کرنا خود مختار سلطنت میں ایسا ہی جرم ہوتا ہے جیسے بغاوت اور سرکشی۔ نوشیرواں جیسے عادل بادشاہ کے سامنے اُس کے عاملوں کی رشوت ستانی اور ظلم کی کوئی صریح شکایت نہ کر سکتا تھا۔

جن موبدوں کا وہ نہایت ادب کرتا تھا جب اُن سے ملک کا حال پوچھتا تھا تو وہ محض

رمز و کنایہ میں ایسی باتیں عرض کرتے تھے۔ خود مختار سلطنت میں بعض اوقات ضعیفوں کی حمایت کے بیکا قانوناً امتناع ہوتا تھا۔ ہندوستان کی قدیم سلطنتوں میں جبکہ منوشاستر کے موافق عمل درآمد ہوتا تھا کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ شودر کو وید یا مذہبی کتابوں کی تعلیم دے سکے۔ یا اُسکو کسی برتر فرقے کے برابر حقوق دلوا سکے۔ اگر بالفرض قانوناً ایسا صریح امتناع نہ ہو تو بھی ایشیائی طرز حکومت کا طبعی اقتضا یہی تھا کہ ملک کی بُرائی بھلائی سے سلطنت کے سوا کسیکو کچھہ سروکار نہو۔ کسی حکیم کا قول ہے کہ خود مختار سلطنت میں صرف ایک شخص ملک کا خیر خواہ ہوتا ہے اور بس۔ جان سٹوارٹ مل کہتے ہیں کہ اگر کسی کو ایسا بنا دو کہ وہ ملک کے لئے کچھہ نہ کر سکے تو اسکو اپنے ملک کی کچھہ پروا نہ رہیگی "

جو شخص ہمیشہ صرف دماغ سے کام لیگا اُس کے اعضا و جوارح یقیناً بیکار ہو جائینگے۔ جو باپ تمام مہمات خانگی کا بوجھہ اپنے سر دھر لیتا ہے اور کوئی کام اپنی اولاد سے نہیں لیتا ہے اُس کے مرنے کے بعد اولاد کو گھر تھامنا مشکل ہو جاتا ہے۔

جس گھر کی بیوی کو کسی کا کام پسند نہیں آتا اور خود ہر ایک کام اپنے ہاتھہ سے کرنے کا شوق ہوتا ہے اُس گھر کی لڑکیاں اور نوکریں کاہل اور سُست ہو جاتی ہیں۔ تم ایک نوکر کو اپنا معتمد بنالو اور سب بڑے بڑے کام ہمیشہ اُسی سے لیا کرو تمہارے تمام نوکر کاہل اور نکمے ہو جائیں گے جب ایسی صرصری اور اتفاقی تخصیت و امتیاز سے یہ نتائج پیدا ہوتے ہیں تو ایک ایسے شخص کی خود مختاری سے جو حاکم علی الاطلاق مانا گیا ہو رعیت میں کیا جان باقی رہ سکتی ہے۔

الغرض اس میں شک نہیں کہ خود مختار سلطنت رعیت کے قوائے عملیہ کو بالکل معطل و بے حس و حرکت کر دیتی ہے۔ نہ وہ ملکی معاملات کے متعلق دم مار سکتے ہیں۔ نہ مذہبی امور میں کوئی بات خلاف جمہور زبان پر لا سکتے ہیں۔ نہ قوم کی سوشل خرابیوں کی اصلاح کر سکتے ہیں اور صرف اپنی مادی اغراض مہیا کرنے کے سوا پبلک کاموں سے کچھہ سروکار نہیں رکھتے اُن میں صبر و تحمل و قناعت

روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے مگر ہمت۔ دلیری۔ اولوالعزمی۔ غیرت و حمیت کم ہوتے ہوتے چند نسلوں کے بعد بالکل فنا ہو جاتی ہے۔

لیکن با اینہمہ دوسری محکوم قوموں میں (جنکو سلطنت کا ایسا سہارا نہیں ہوتا جیسا بادشاہ کی قوم کو ہوتا ہے) عملی قوت بالکل زائل نہیں ہوتی۔ چونکہ فوجی اور ملکی خدمات میں انکا حصہ بہ نسبت حکمراں قوم کے کم ہوتا ہے اور سوا اسکے اور بہت سی رعایتوں سے جو حکمراں قوم کے لیے مخصوص ہوتی ہیں محکوم قومیں کم مستفید ہوتی ہیں۔ اس لئے چارنا چار اُن کو زیادہ تر تجارت۔ زراعت۔ کھیتی۔ اور دستکاری وغیرہ پر اپنی معاش کا مدار رکھنا پڑتا ہے اور اس طرح اُن میں سلف ہلپ کا مادہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے اور عقل معاش زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

برخلاف اس کے حکمراں قوم میں سلف ہلپ کا ملکہ بالکل باقی نہیں رہتا۔ اُنکا مدار معاش اکثر بادشاہی ملازمت۔ یا جاگیر۔ منصب۔ ملک۔ مدد معاش۔ معافی وغیرہ پر ہوتا ہے۔ تجارت زراعت۔ اور دستکاری کو وہ عیب سمجھنے لگتے ہیں اور سلطنت کے سہارے پر کوئی ایسا حیلہ اختیار نہیں کرتے جس میں انکو محض اپنے دست و بازو پر بھروسہ ہو۔ انکا حال بعینہٖ اُس چھت کا سا ہوتا ہے جو محض اڑواڑ کے سہارے پر تھمی ہوئی ہو۔ ادھر اڑواڑ ہٹی اور اُدھر وہ چھت گری۔

یہی بپتا ہماری قوم پر پڑی ہے۔ کچھ تو طرز حکومت نے ہمارے اسلاف میں سکون و انجماد کی بنیاد ڈالی اور کچھ قومی سلطنت کے سہارے نے اُن کے رہے سہے قوائے عملیہ کو معطل کر دیا۔ اور نسلاً بعد نسلٍ یہ حالت منتقل ہوتی چلی آئی۔ یہاں تک کہ کوتاہی۔ سستی۔ بیکاری۔ افسردگی۔ مایوسی۔ اور بزدلی ہماری قومی خصلتیں بن گئیں۔ اور رشدہ شدہ بزرگوں کی میراث ہم تک پہنچی۔ اس صورت میں کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خصلتیں خود بخود ہم میں پیدا ہو گئی ہیں یا ہم اپنی نالائقی سے ایسے مردار اور اپاہج بن گئے ہیں۔ یا نعوذ باللہ اسلام نے ہمکو ایسا بنا دیا ہے۔

ہر کہ در دائرۂ گردش ایام افتاد ٭ چہ کند کز پئے دوراں نہ رود چوں پرکار

لیکن ہمکو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہماری یہ حالت خواہ کسبی ہو اور خواہ موروثی۔ خواہ اختیاری ہو۔ اور خواہ اضطراری۔ خواہ اُس کے باعث ہم خود ہوے ہوں اور خواہ زمانے کے واقعات۔ جب تک کہ ہم اس حالت کو نہ بدلینگے کسی طرح معذور نہیں سمجھے جا سکتے۔ اور الزام سے بری نہیں ہو سکتے۔ غلام جب تک کہ غلام ہے بے شک حقیر و ذلیل سمجھا جائیگا۔ خواہ وہ خود غلام بنگیا ہو اور خواہ جبر سے اُسکو غلام بنایا گیا ہو۔

یہ سچ ہے کہ زمانہ گذشتہ کے واقعات نے ہمکو گرا دیا ہے۔ لیکن موجودہ زمانے کے حالات ہمکو اُبھار رہے ہیں۔ ملک بیرونی حملوں اور اندرونی جھگڑوں سے بالکل پاک ہے۔ طرز حکومت بجائے اس کے کہ ترقی کی مانع ہو اُسکی معین و مددگار معلوم ہوتی ہے۔

آزادی نے ہمارے طوق اور زنجیریں کاٹ ڈالیں اور ہماری مشکیں کھولڈالی ہیں۔ ہماری ہم وطن قومیں پستی سے بلندی کی طرف چڑھ رہی ہیں اور تمام دنیا میں ترقی کی پکار پڑ رہی ہے۔ خود ہماری ترقی کا حیرت انگیز سامان ہمیں میں سے ایک بردست ہاتھ نے ہمارے لیئے مہیا کر دیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ اس مردہ قوم کے مسیحا اسی قوم میں موجود ہیں۔ ہماری آسمانی کتاب ہمکو ترقی کا سیدھا راستہ بتا رہی ہے اور بزدلی و ذلت سے بچنے کی تدبیر ہمکو سوجھا رہی ہے کہ "اطیعوا اللہ و رسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا و تذہب ریحکم واصبروا" (یعنے خدا اور رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑا مت کرو جس سے تم بزدل ہو جاؤ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے۔ اور ثابت قدم رہو)

غرضکہ ترقی کے اسباب اور ترغیبیں کثرت سے ہمارے گرد و پیش موجود ہیں۔ گو کہ افسردگی اور کم ہمتی نے ہمکو دبا لیا ہے لیکن پھر آخر ہم انسان ہیں جماد نہیں ہیں۔ اگر ہم بالفرض حیوان ناطق نہیں تو جسم نامی حساس متحرک بالارادہ ضرور ہیں۔ اگر ہم میں قومی اسپرٹ نہیں ہے۔ تو اسلامی

روح ضرور ہے۔ وہ اسلام جس کی ابتدائی حیرت انگیز ترقیاں قیامت تک یادگار رہینگی۔ اور جو اس تنزل اور پستی کے زمانے میں بھی نئی اور پرانی دنیا کے ایک ایک کھونٹ میں توحید کا ڈنکا بجا رہا ہے

یاراں بکوئے عشق گذاری نمی کنید — اسباب جملہ حاضر و کاری نمی کنید
چوگان کام در کف و گوی نمی زنید — بازی چنیں بدست و شکاری نمیکنید
ترسم کزیں چمن نبرید آستین گل — کز گلبنش تحمل خارے نمی کنید

الطاف حسین حالی

قطعہ در ترغیب امداد یتیمان مصنفہ مولانا الطاف حسین صاحب حالی جو انجمن مؤید الاسلام دہلی کے ایک عام جلسہ میں پڑھا گیا

اسلام بہت دن سے یہ کرتا تھا منادی — اے غافلو اے بیخبرو ہوش میں آؤ
فارغ غم امت سے اور اسلام کا دعوی۔ — دنیا کو بس اب دین پہ اپنے نہ ہنساؤ
گو دین کی صورت ہے پہ سیرت نہیں اس کی — یہ دین ہے یا دین کا ہے سانگ بتاؤ
مقبول نہ حج ہیں نہ نمازیں ہیں نہ روزے — جب تک غم امت میں نہ جان اپنی گھلاؤ
دعوی نہیں مسموع شہادت نہ ہو جب تک — ہے دین کا دعوی تو شہادت کوئی لاؤ
گر اپنے یتیموں کی خبر لے نہیں سکتے — تو دین سے تم قطع تعلق کرو جاؤ
اعضا تو نمازوں میں بہت تم نے گھسائے — دل کو بھی کبھی ہاتھ سے کچھ دیکے دکھاؤ
دنیا میں جراحت ہی عقبی میں ہے راحت — کل پھل کوئی کھانا ہو تو تخم آج اٹھاؤ
یہ قوم کے بچے جو پڑے پھرتے ہیں بیکس — یہ پود ہے میرے اسے دیکھو۔ نہ گنواؤ
شیریں ہی پھل ان پودونکا اور سایہ بھی گھنا کا — سیوا کرو ان کی انہیں پروان چڑھاؤ

دیکھو نہ حقارت سے پھٹے کپڑوں میں انکو   ان گدڑوں میں جو لعل کہ گم ہیں انہیں پاؤ
سنولائے ہوئے چہروں میں نور انکی ہے تاباں   ان کوئلوں کو ہیرے جلا دے کے بناؤ
ہیں ان میں فقیہ انہیں حکیم ان میں محدث   ان کی بری حالت پہ بری گت یہ بچاؤ
جو ان میں ہیں جوہر کہیں زنگ انکو نہ کھا جائے   گن دیکھنے ہیں انکے تو زنگ ان کا چھٹاؤ
افواج مخالف ہیں تک دو میں چپ و راس   روندے جائیں نہ یہ۔ خاک سے جلد ان کو اٹھاؤ
پھرتے ہیں بہت گھات میں یاں انکے شکاری   ان بچوں کو تم موت کے چنگل سے بچاؤ
اے یارو یہ سب بے غیرتی اور دین کا دعوی   دینداری کا اور دین کا بس منوہ نہ چڑاؤ
امت کے یتیموں کو ہو انجیل کی تعلیم   اور اپنی تم اولاد کو قرآن پڑھاؤ
تثلیث کی پاتے ہوئے دیکھو انہیں تلقین   اور اپنے جگر گوشوں کو توحید سکھاؤ
گرجا میں حریف ان کو سکھائیں بری تیں   اور کان نہ تو ہین یہ تم میری ہلاؤ
جن بچوں کو بیٹوں کی طرح چاہیئے رکھنا   ہاتھ آئیں تمہارے تو غلام انکو بناؤ
کھانے کی بھی کپڑے کی بھی لیں انکی خبر غیر   اور تم نہ کبھی بھول کے آنکھ ان سے ملاؤ
اپنا تمہیں دہ جان کے گر راہ میں ٹھٹکیں   تم غیروں کی مانند گزر پاس سے جاؤ
اسلام سے بے مہریاں آخر یہ کہاں تک   جو منھ کو تمہارے تکیں آنکھ ان سے چراؤ
بے کس نہ گنو ان کو یہ کنبا ہے خدا کا   تم پھیر کے منھ ان سے خدا کا نہ بٹھاؤ
عبرت کی جگہ ہے ڈرو گردش سے فلک کی   اولاد کو اپنی نظر بد سے بچاؤ
بن باپ کا بنتے ہوئے لگتی نہیں کچھ دیر   غیرت کو بس اللہ کی حرکت میں نہ لاؤ
امت میں ہو تم اس کی جو امت پہ فدا تھا   تو تم بھی عزیز دا اسی امت سے لگاؤ
وہ جیسا غریبوں کا یتیموں کا تھا عاشق   تم بھی انہیں آنکھوں پہ اسی طرح بٹھاؤ

23 Ram Pershad	...	do.
24 Syed Abdullah	...	do.

ENTRANCE.

(Not published in the Gazette, but we have received the names privately which we publish here.).

1 Mirza Muhammad Bahadur	...	2nd Division.
2 Nazir Abbas	...	do.
3 Raghber Dial	...	do.
4 Saadat Ali Khan	...	do.
5 Ansar Hosain	...	do.
6 Ashraf Ali	...	do.
7 Chunni Lal	...	do.
8 Ahsan-ul Haq	..	do.
9 Muhammad Allah Dad Khan	...	do.
10 Muhammad Abu Saeed	...	Thir Division.
11 Muhammad Ali	...	do.
12 Syed Abdul Hafiz	.	do.
13 Zainul-abdin	...	do.
14 Abdul Halim Khan	...	do.
15 Abul Hasan	..	do.
16 Ahmed Husain	...	do.
17 Haji Husain Khan	.	do.
18 Kirpa Shanker	...	do.
19 Lachhman Sarup	...	do.

7	Ghulam Mohi-ud-din Khan ...	do.
8	Hamid-ud-din ...	do.
9	Hira Lal ...	do.
10	Muhammad Shakur Bakhsh ...	do.
11	Muhammad Shaukat Ali Rizvi..	do.
12	Nabi Bakhsh ...	do.
13	Niaz Muhammad Khan ...	do.
14	Noor Ahmed ...	do.
15	Syed Faizul Hasan ...	do.
16	Syed Mahfuz Ali ...	do.
17	Syed Muhammad Ali Shah ...	do.
18	Wali Dad Khan ...	do.
19	Abdussamad ...	Third Division.
20	Debi Pershad ...	do.
21	Bashir Ahmad ...	do. (B. Course)

INTERMEDIATE.

1	Ishwari Sahai ...	Second Division.
2	Muhammad Amin Faqih ...	do
3	Abdul Ali ...	Third Division.
4	Abdul Aziz G. ...	do.
5	Abdul Majid ...	do.
6	Abdul Majid Khan F. ...	do.
7	Ali Hasan Khan ...	do.
8	Ali Muhammad Khan ...	Third Division.
9	Anand Behari Lal Mathur ..	do.
10	Bankey Behari ...	do.
11	Chand Behari Lal ...	do.
12	Ghulam Sabir ...	do.
13	Muhmood Ali Khan ...	do.
14	Mata Pershad Mathur ...	do.
15	Misbah-ul Usman ...	do.
16	Muhammad Ali Akbar Khan ...	do.
17	Muhammad Maula Bakhsh ...	do.
18	Muhammad Nazir Hosain ...	do.
19	Mukta Pershad ...	do.
20	Nur Muhammad Khan ...	do.
21	Raghber Dial ...	do.
22	Rahim-uddin	do.

THE MUHAMMADAN ANGLO-ORIENTAL COLLEGE ALIGARH.

AND

THE RESULTS OF THE ALLAHABAD UNIVERSITY EXAMINATIONS.

—o—

At last, the results of the Examinations in Arts (M.A ,B.A. and Intermediate) of the Allahabad University, after having been belated a little, have been published in the N. W. P. Government Gazette of the 15th instant. Our College had sent up 27 students for the B. A. Examination out of whom 21 have passed, 3 students have passed in the First Division (one of whom Walayet-ullah took Honours in English and headed the list of the whole University) 15 in the Second Division and 3 in the Third Division.

This is the best and the highest result of the B. A. Examination which our College has achieved. On the whole we can confidently say that it is very good and far beyond expectation.

There were 65 candidates for the Intermediate Examination from our College out of which 24 have passed, all except two in the Third Division *i. e.* a little more than one third.

In the Entrance Examination 19 out of 59 have passed from our Collge—9 have got a Second Division and the remaining 10 the Third Division—the average of passes being thus nearly 33 per cent.

The following is the list of the successful students from our College :—

B. A.

1	Muhammad Willayet-ullah	...	Honours in English, First Division, 1st in University.
2	Ziaud-din Ahmad	...	Honours in Additional Mathematics (B. Course)
3	Zafar Ali Khan	...	First Division.
4	Abdul Huq	...	Second Division.
5	Abdullah	...	do.
6	Durlab Sahai	...	do.

pukka rooms. Last autumn Sir Charles Crosthwaite, the Lieutenant-Governor of the North-West Provinces, made a stirring appeal to the wealthy Mahomedans to come forward and give money for the boarding house, saying that if they declined to do so, let them accept with contentment the degraded position of the Mahomedan nation to which their ignorance and want of spirit would entitle them. No one responded to the appeal. The College has mostly been supported by men of moderate means. My experience of the really wealthy Mahomedans is that as a class they are incredibly deficient in public spirit and are without a spark of national feeling. Though many are extravagant to excess in expenditure to promote their pleasure or interest in this world or the next, they would without the faintest regret allow an institution to perish for want of funds, which would by this time in Europe or America, or even among the Parsees of Bombay, have been endowed with many lakhs of rupees.

SUMMARY.

40. The progress of the College during the past year has been as great or greater than that of any previous year. The numbers have increased; the University results have been good; the food arrangements have been improved; attendance at prayers has been made more regular; a Riding School has been established; regular drill has been instituted; and the College Magazine has been put on a sound footing. The students have shown greater executive capacity and more patriotic spirit. On the other hand the attendance at the Koran reading has been irregular, and the Union and Akhwanus Safa have been less active. But the Duty has surpassed its previous efforts, and the Cricket eleven has maintained, while the Football Club has raised, its previous reputation. Though the College has not yet produced any real scholars, it may I think claim to have turned out some very nice, manly, well-bred and loyal young men, who are likely to be of service both to the Government and to the Mahomedan community.

THEODORE BECK,
Principal, M. A.-O. College, Aligarh.
June 10th 1895.

rehra and Tilhar schools, both of which were opened last year. Mir Vilayet Husain is on the Committee of the Rewari school. Mr. Morison's illness unfortunately prevented his attending the opening ceremony of the Etawah school. The College is indebted to Mr. Morison and his untiring energy for this new extension of its influence. The Sherwani Pathans intend to found an affiliated school in the Aligarh District, and the Mohamedans of Jalali have for some time talked of doing so. The foundation of the Marehra school is due to the indefatigable energy of Zia Uddin, who found time for this and other patriotic work while reading the most difficult course for the degree in the University, the advanced mathematics, in which he has just passed in Honours, obtaining also a first class.

NEED OF INCREASED ACCOMMODATION.

40. The need of more accommodation for boarders is urgent. The new Debenture rooms will to some extent meet the increased demand. But as these have been built on borrowed money I cannot contemplate with satisfaction an indefinite increase of our boarding house that carries along with it a proportional addition to the College liabilities. We want more subscriptions, and the best means of obtaining them is to ask for them. The Duty has shown that even students can thus obtain a good deal of money. And if the Trustees were to exert themselves a little, they could doubtless do much more. In Calcutta the Mohamedan Madressa is attempting to raise a lakh of rupees for a boarding house for 200 boarders, the Bengal Government having promised to contribute a sum equal to that raised by subscription. Already many thousand rupees have been collected. The claim of the M. A.-O. College on the liberality of the Mohamedan public is not inferior to that of any other institution. In particular there is urgent need of the completion of the Zahur Husain Ward. Mr. Morison and myself have repeatedly stated our conviction, that no adequate supervision of the school boarders can be obtained until they are housed in separate buildings with resident masters attached. For our present school students we require three buildings, the Zahur Husain Ward, another on the same model, and one of superior accommodation for the school boys now living in the

have come to my notice, and if my list contains omissions I shall be glad to be informed of them.

M. Enayet Ullah, B. A., opened a subscription for the cost of lamps purchased for the Strachey Hall, and the following old students subscribed :—

	Rs.		Rs.
Mr. Mahomed Rafiq, B. A.	50	Mr. Sajjad Hosain, B. A.	20
" Syed Mahomed Ali, B. A.	50	" Zainul Abdin Khan	10
" Enayet Ullah, B. A.	20	" Nazir Ahmad, B. A.	8
" Alaul Hasan, B. A.	20	" Mahomed Khan, B. A.	8

Twenty old students who are members of the Brotherhood paid last year a part or the whole of their subscriptions of 1 per cent of their income to the Society.

M. Tofail Ahmad has taken much pains in preparing a list of old students of the College, with their present occupations and addresses.

M. Aftab Ahmad Khan, Barrister-at-Law, on his return from England has settled in Aligarh, and shown an active interest in the Duty and other College matters.

M. Mazharul Haq, B. A., has helped us in increasing the circulation of the Magazine, and in other ways.

M. Sajjad Hosain, B. A., has rendered most important assistance to the College in connection with the visit of Sir Syed Ahmad Khan Bahadur to Kurnal.

M. Syed Ali Ahmad, B. A., has been largely instrumental in founding an English School for Mahomedans at Tilhar.

There are many ways in which old students, both rich and poor, can assist the College and the Mahomedan community ; such as the donation or collection of subscriptions, taking the educational census, or obtaining information for the directory, establishing Mahomedan schools, helping the College Magazine &c. &c.

AFFILIATED SCHOOLS.

39. A novel and important feature of the past year has been the affiliation of Mohamedan Schools to the College. These schools place a member of the College staff on their Committee, who undertakes to inspect the schools. There are four such schools, at Marehra, Tilhar, Rewari and Etawah respectively. Mr. Morison is President of the Committees of the Ma-

The Capital fund of the Duty consists of Rs 2,000 invested with the Honorary Secretary of the College for scholarships, and

Rs. 2,000 ... the Free Boarding House.

For purposes of comparison the income of the Duty, exclusive of the shop, since it was started, is given below:—

		Rs.	A.	P.
Nov. 1890 to March 31st	1891	457	15	0
April 1891 ...	... 1892	593	12	0
April 1892 ...	... 1893	513	8	9
April 1893 ...	... 1894	1,116	12	3
April 1894 ...	... 1895	1,682	0	11

13—THE BROTHERHOOD.

37. This Society levies a tax of 1 per cent on the incomes of its members, who are old students of the College. The sum collected from April 1894 to March 1895 was Rs. 103-4-0. The Society has not yet realised the expectations that have been formed of it; but it has of late shown signs of increasing activity, and we may hope that next year its income will considerably increase. Its annual dinner went off with *eclat*.

V.—GENERAL

I.—OLD STUDENTS.

38. For years, the charge has been laid against the old students of the College that they have done nothing for their College or their nation, and have signally disappointed the expectations of the founders of the institution. I have often maintained that they had not had a fair trial, but I feel bound to confess that considering how large a number of students have passed out of this College and the amount of assistance many of them have received from scholarships, the reproach is just and deserved. They contrast unfavourably with those patriotic Mahomedans of the older generation who at much personal sacrifice subscribed the money for the College. However I am happy to say that there are now signs that the old students of the College are waking up to a sense of their responsibilities and duties. The following is a list of services rendered by old students during the past year that

If the numbers be maintained the Magazine ought to pay during the next year. I hope they will be not only maintained but increased.

Up to April the subscribers were all English-knowing people. In April the Urdu portion of the paper was much increased so as to obtain for the paper a circulation among the Urdu-knowing public. Maulvi Shibli has kindly undertaken the Editorship of the Urdu portion ot the journal.

I have to thank Niaz Mohamed Khan and Shaikh Abdullah for the great assistance they have given in the management of the Magazine.

12.—The Duty.

36. This admirable Society has collected more money in the past year than in any preceding year. As this has been accomplished almost entirely by the students it is a very satisfactory proof of tho growth among them of a spirit of patriotic zeal. The thanks of the Soctiety are due to the constant care of its keeper, Mr. Arnold ; to Mr. Horst who has charge of the Free Boarding House Department ; and to Mir Vilayet Hosain who rendered much assistance to the Free Boarding House and supervises the work of the Duty Shop.

The receipts of the past year were as follows :—

		Rs.	A.	P.
Collected for scholarship fund	...	612	4	6
Collected for mosque fund	...	213	9	0
Collected for free boarding house	...	430	10	0
Interest on investments	...	67	12	5
Collected from vendors in College Compound	...	276	3	6
Profits on tea shop in fair	...	51	9	6
Profits on Dtuy shop	...	289	10	3
Total Rs.		1,962	11	2

The profits on the Duty shop have been invested in increasing the stock of the shop. If this sum be deducted we have a sume of Rs 1,682-0-11, as the cash collected by the Duty. In addition to this the sum invested in the free boarding house provides free accommodation for six school boarders.

first six months showed that unless proper measures were taken, it would prove a ruinous bargain for the Club. The staff was then reorganised and efforts were made to improve the paper and increase the circulation. The use of the Magazine to the College as a means of keeping up the interest of old students in the institution and of spreading a knowledge of the College in the general public is so great, that the collapse of the paper through financial insolvency would be a great misfortune The accounts for the nine months—July to March—show the following results :—

Income	... Rs	318	6	6
Expenditure	... „	244	13	3
Balance in hand	... „	94	9	3

The real financial position of the Magazine is however shown by the following figures —

	Rs	A.	P.
Amount realised as subscriptions for the months July-March...	219	12	0
Expenditure for the above months	244	13	3
Deficit, Rs	25	1	3
Amount due as subscription for the months July-March .	80	11	0
Debts of the Magazine do. ...	126	11	7

This result shows that the Siddons Union Club will have to bear a loss of not more than Rs 151-12-10 or less than Rs 71-1-10.

The prospects for the next year are however much brighter.

The number of subscribers for the various months has been as follows :—

July 82, Aug, 84, Sept 100, Oct. 201, Nov. 102, Dec. 104, Jany 157, Feb. 182, March 104. Average 133.

72 single copies were sold in Jan., Feb. and March. Adding these the average sale was 131.

In April the number of subscribers was 228, and of single copies sold 40 ; total 268.

It will be observed that the last period is somewhat less than a full year. There has been in the last two years a decreasing number of voters in debates, a fact indicating a falling off in interest in debates among the students.

The accounts show an opening balance of Rs 555-0-9 on April 1st 1894, and a closing balance of Rs 519-14-6 on March 31st 1895. The excess of expenditure over income, *viz.* Rs 35-2-3 is due not to an increase of expenditure but a diminution of income by Rs 147-1-0. It is proposed to invest Rs 500 in a Debenture Boarding House, or some other security. This will increase the income of the Club, and by making it impossible for the Club to live on its capital will act as an inducement to prevent the expenditure being in future in excess of the income.

The number of books in the Club Library is 684.

8.—The Lajnat-ul-Adab.

32. This society holds debates in the Arabic language. It also takes in newspapers and periodicals published in Arabic. It flourished and made progress during the past year.

9.—Entrance Class Debating Club.

33.—This Club was founded in 1892. It contains a library of 252 books, and held 8 debates during the past year. The number of members was 64. It has become a general debating society for the school classes and is presided over by Mir. Vilayet Husain Sahib.

Akhwanus Safa.

34. The number of members of this Society in April 1895 was 69. During the year four papers were read and discussed. The Society appears to have been rather sluggish during the past year.

11.—The College Magazine.

35. This Magazine was formerly published with the Aligarh Institute Gazette. In February last, it was taken over by the Siddons Union Club The experince of the

to keep up a large fixed establishment of horses. Other economies can probably be effected, so that the annual loss of the school should not be great. If sufficient students learn riding, the school can be run at a profit. As our numbers increase we may hope to effect this. Nevertheless we must be prepared I think to face a small loss on the Riding school, or abolish it. I should be strongly opposed to the latter alternative, and think that like the Law class, the Riding school should be maintained even at a loss. To some extent the College will be compensated by an indirect pecuniary benefit ; and the honour to the institution and advantages to the students from its existence are so great, that it would be a misfortunte if it were not maintained.

6 —FENCING CLUB.

30. A fencing club has just been established with an experienced *phikaet* as instructor The institution is as yet in its infancy, and its financial basis is not solid.

7.—THE SIDDONS UNION CLUB.

31. The following figures give statistical information as to the working of this club in the past three years :—

YEAR.	Debates.		Select Committee Meetings.	Private Business Meetings.	Penny Readings including Anniversary.	Total No. of members in March.
	Total Number.	No. of Voters				
July '92 to July 8, '93 ...	23	26	12	4	4	68
8th July, '93 to July 26, '94	20	18	8	5	5	86
26th July, '94 to 12th May '95. ...	20	16 6	10	3	3	84

The work of instruction is done chiefly by the students themselves under the superintendence of the instructor lent by the Commander-in-Chief of India. Sarfaraz Khan has been appointed Captain of the Drill, and has discharged his duties with much spirit and energy. A marked improvement is observable in the bearing of the students in general, since the drill was established. Drill certificates have been instituted.

In April and May a class for dumbell exercises was started by Mr. Morison. The result of these exercises on the muscular development of the students, may be shown by the fact that in the seven students who have attended the class more than 40 times the following average increased measurement have been found.

	Chest measurement.	Chest expansion.	Circumference of biceps.
Increase.	85 inch	6 inch	7 inch.

5.—The Riding School.

29. This excellent institution, founded by Mr. Morison has proved a great success. The certificates given at the end of the course are much valued. The students are put through a regular training similar to that given to cavalry recruits. From 25 to 50 students have regularly attended the school. The financial condition of the institution is however unsatisfactory. At the close of May the debts of the riding school were Rs. 391-6-0, and the assets Rs. 285-10-0. The latter sum consists however almost entirely of sums due from students, some of which it may be impossible to realise, inasmuch as we have unfortunately to encounter a considerable laxity of principle in some persons as to the payment of their just debts. Even assuming the whole to be realised there will be a loss up to the end of May of Rs. 105.12-0; and this sum will be doubtless increased in the vacation months. A considerable outlay of capital has been made on the Riding School. Rs.1,000 have been spent on a stable, Rs. 500 on horses and saddles and money has been spenb on the school itself and the Jemadar's house. On the other hand a horse has just been sold for Rs. 80. And an important element of economy arises from the fact that several gentlemen and students like to send their horses regularly to the school to be exercised, so that it is not necessary

surplus, due to savings from this and previous years, out of which Rs. 500 will be invested in the debenture Boarding House.

2.—FOOTBALL.

26. The Football Eleven played eleven matches during the season against teams of British Soldiers. In four of these matches the College was victorious, four were drawn, and three were lost.

The Football Eleven also played and beat the Bareilly College in the Allahabad University tournament. The cricket and football shown by the members of this sporting College on this occasion were excellent.

I think the record of the Football Eleven for the post year is the best it has yet achieved.

The financial State of the Club is statisfatory.

3—ATHLETIC SPORTS AND GYMNASTICS.

27. In the University inter-College tournament in Allahabad, out of 9 first prizes and 9 second prizes, students of the M. A.-O. College obtained 6 first prizes and 3 second prizes.

In the School tournament held in Aligarh the share of prizes that fell to the M. A.-O. Collegiate school was but meagre, and less than in provious years. This was doubtless due to the general improvement in athletics that has resulted in the Zila schools from the institution of those tournaments.

The College annual athletic sports were held as usual. An athletics gymkhana was also held in May. In gymnastics our students have taken no interest, nor learnt anything to speak of, in spite of the College possessing a competent gymnastic instructor.

4.—DRILL AND PHYSICAL EXERCISES.

28. The system of drilling the students has been for the first time put on a firm basis during the past year. The students of the first year class are regularly drilled on their joining the College. In other classes attendance is more or less voluntary.

complain because the bath rooms in the Kachhah quadrangle are too few and are in bad repair.

Food.

24. The appointment of Mr. Horst to supervise the Dining Hall, an idea due to Nawab Mohsinul Mulk, has resulted in a great improvement in cleanliness and order. The servants are now properly dressed and the table cloths clean. The Dining Hall is however far too small, and until the plan for its extension has been carried out, no proper arrangements can be made. I wish to express my satisfaction with the services of Mohamed Khan, B. A., who has recently resigned the position of Superintendent of the Food, which he held for three years. The accounts of the Food Department are satisfactory, showing a surplus of income over expenditure, a result towards which the low prices current throughout the year, largely contributed.

IV.—STUDENTS SOCIETIES, CLUBS, ETC.

1. Cricket.

25. The cricket eleven played 23 matches during the past year, of which 17 were against English and 6 againt Native teams. They were beaten once by the Lahore Railway Club, and two matches were drawn. In the remaining 20 matches they were successful. The strongest elevens they encountered were those of the Agra, Lucknow, and Delhi Stations. The scores in these matches were as follows:—

Agra Club	1st Innings	189
M.-A.O. C. C. C.	1st Innings	89
	2nd do.	70 (for 5 wickets.)
Lucknow Club	1st Innings	205 (for 6 wickets.)
M. A.-O. C.C.C.	1st Innings	116 (for 7 wickets.)
Delhi Club	1st Innings	47
M. A.-O. C.C.C.	1st Innings	141

We lost this year Shaukat Ali, the popular Captain of the Club. Mahomed Abdullah is appointed in his place.

The accounts of the Club, which have been managed with care and economy by Mir Vilayet Hosain, shew a substantial

annual examination of Koran reading. The average daily attendance in the class was 15 or 16.

21. The attendance of Musalman students of the College Classes at the reading and translation of the Koran for half an hour before the opening of the College every day, has been irregular during the past year. The translation of the Koran is now conducted by Maulvi Abdullah, the College Maulvi. Before the completion of the Strachey Hall, no room was large enough to hold all the students. The attendance since its completion has been poor as sufficient pressure has not been put on the students. I hope to set this right next year.

HEALTH.

21. The health of the students during the past year has been good. The average daily medical attendance has been 17, most of these being slight cases of indisposition. The serious cases reported by the doctor are

15 of malarial fever.
4 of dysentery
4 of lung disease
2 of diarrhœa
2 diseases of the connective tissue
5 of local injuries.

I must here acknowledge with gratitude the kindness, skill and attention shown to the sick students by Dr. Roberts, the Civil Surgeon.

CLEANLINESS.

22. When Mr. Morison was acting as Principal he instituted fortnightly inspections of the boarders' rooms. This was continued till Christmas only. Its continuance is however most desirable, and arrangements will be made for it to be regularly carried out.

23. Much remains to be done to encourage habits of personal cleanliness among the boarders. The school students ought to be compelled to wash regularly, but this is impossible until they are lodged in buildings like the Zahur Hosain Ward, where they can be properly supervised. The students rightly

others, that too proved successful. Then it was applied to assisting at the prayer *jamaats*. And finally it has been started (in May) for the purpose of taking the attendance of the boarders at night. The advantages of the system are the valuable training it gives to the monitors, the means it offers of directly raising the moral tone of the boarding house, and economy in wages of superintendence.

RELIGIOUS OBSERVANCES—(i) Prayers.

19. The discipline of the College as regards attendance at prayers, may I think now be considered complete. For three of the *jamaats* attended by the school boarders they are captured as they are leaving their lessons and thus escape for them is impossible. Much greater difficulty has always been found with the College Class boarders. In February '94, however, Mr. Syed Mahmood suggested the application of the system adopted at Cambridge with regard to attendance at chapels, a method in which elasticity and compulsion are so happily combined, that an enormous increase of attendance has been obtained along with a great relief to the students from the irksome restrictions of the former method. The following figures speak for themselves:—

No. of attendances of College Class.

Boarders at the mosque from May 1893 to January,	4,210
do. from February to April 1894, under the new method,	15,478
do. from May 1894, to April 1895,	53,333
The number of attendances required under the College rules from May 1894 to April 1895 was	51,148

The success of this system must be largely attributed to the energy of Shaikh Bahadur Ali, M. A., who supervises this department.

(ii) KORAN READING.

20. The younger school students who are unable to read the Koran, are taught to do so by the resident Hafiz. This course lasts for about two years. 21 boys were examined in the

of general interest, has been so far given effect to that Sir Syed Ahmed, Mr. Arnold and myself have given lectures on College life, the spread of Islam under the Turks, and a political subject respectively. It is however difficult to find persons who are willing to give such lectures. And the work required for their preparation makes it difficult for the members of the College Staff to obtain the necessary leisure.

THEOLOGY.

16. The course in theology has been extended during the past year. It is still too short.

III.—THE BOARDING HOUSE.

17. The matters dealt with under this heading do not exhaust the subjects properly belonging to the Boarding House, in as much as part of "II The College Education," and the whole of "IV Students Societies" have to do only with the boarders, but for convenience they have been treated separately.

DISCIPLINE.

A considerable step has been made in advance during the past year, in improving the discipline of the Boarding House. The powers and salary of the College Proctor, Mir Vilayet Husain, B.A., have been increased, and to his labours the good tone that prevails is largely to be attributed. But the most important new departure has been the association with him of some of the most energetic and trustworthy students as Monitors. The success of the experiment is a fresh proof of the utility of adopting the principles of education that are acted on in England. Some years ago an unsuccessful attempt was made to introduce this system. The conditions under which it has now been established are, to select carefully the monitors, give them regular definite duties under the supervision of College Officers, and recognise their services at the annual prize distribution. The first success was achieved in the organisation of drill, in which the system of Lieutenants and a Captain was adopted. Next it was tried in the Dining Room, and after dismissing those who were irregular in attendance, and appointing

siders worthy representatives of its education, a distinction to be given with reference to the physical, executive, moral, intellectual and other qualifications that are inadequately tested or left untested by the University degree. If this be done, and the Diploma be given with proper care, I do not doubt but that it will in time be highly valued. And then, should the University continue to pluck nearly 70 per cent of its students, it may become worth while for such plucked students as the College considers eligible to read for the Diploma to continue their study uninterruptedly with the object of obtaining it.

THE LAW CLASS.

13. Complaints have been made to me by students that there have been no fixed dates for the lectures of the Law Class. This has undoubtedly occasioned inconvenience to the students, and arrangements will be made during the coming year for a fixed time-table of Law Lectures.

I would here call attention to the need that exists for the University of Allahabad to fix a standard number of lectures for the L. L. B. Course. As matters stand the College that gives the least teaching in law offers the greatest attractions to its students, for they complete their attendance at lectures, which most of them look on in the light of an unavoidable penance, in the least time. Thus the competition of the Law Departments of the various Colleges tends to a steady degeneracy of the standard, and the survival of the unfittest.

THE LIBRARY.

14. During the past year the Library received an important addition, consisting of books presented by the India Office, the Trustees of the British Museum and the Cambridge University Library. Most of these books deal with Oriental subjects, and some of them are very valuable. These gifts were obtained through the kind influence of private friends; and we have in particular to express our gratitude to Sir John Strachey, Mr. Tawney, and the members of the Cambridge Press Syndicate.

GENERAL LECTURES.

15. The proposal made in the last Annual Report of the College that lectures should be given to the students on topics

that the Intermediate students, though they otherwise failed, obtained high marks in Mathematics.

11. The unprecedented severity of the University in the Entrance and Intermediate examinations, raises the question whether this is good for education or not. My opinion is that many of our candidates who have failed this year for the Entrance and Intermediate examinations, were fully competent to read in the B. A. and Intermediate classes respectively, and that the education of these unfortunate youths and men has thus been damaged. I further think that the tendency of passing small percentages in the Intermediate, will be to stimulate cram and increase the degrading habit of teachers and pupils looking on the passing of examinations as the sole object of education. 50 per cent appears to me a reasonable percentage of passes for the Entrance and Intermediate, and 70 per cent for the B. A., as three fourths of the possible candidates for the last examination would then have been weeded, not by the two previous ones. The futile attempt to raise education in India by wholesale plucking, has resulted in the subordination of thought to memory, and in the extinction of the impulse to follow learning for its own sake, the only source of true scholarship. The value of the University results as a test of teaching, is liable to be overrated. In the more advanced classes the best teaching is dangerous, being apt to awaken in the student an interest in his subject that leads him to "waste his time" in reading books outside his course, or to tackle some of the problems it presents with unprofitable thoroughness. Nevertheless the best teacher's results will probably be good, though not so good as those of the professional crammer who attends strictly to business Bad teaching will as a rule be punished by the University, and the latter, by regularly plucking a certain proportion of the candidates, can and does thus improve the quality of such teaching. Very bad teaching on the other hand may escape detection, because the students, recognising the incompetency of their lecturers, may take on themselves the entire reponsibility of their study.

12. The plan is under consideration of starting a College Diploma, to be awarded to such students as the College con-

University Examinations.

9. The results of the University Examinations this year have been as follows .—

(*a*) 2 students went up for the Calcutta University M. A. and both passed.

(*b*) 7 students went up for the Allahabad University L. L. B and 4 passed.

(*c*) The results of the B. A., Intermediate and Entrance Examinations are shown in the following Table.

	No. of Candidates from College.	Passed				Percentage of successful students in University.	Percentage of successful students in College.
		1st Division	2nd Division	3rd Division	Total		
B. A. (A. Course) .	25	2*	15	2	19	71	76
B A (B. Course) .	2	1†	0	1	2	46	100
Intermediate (A Course)	64	0	2	22	24	33	37 5
do.. (B Course)	1	0	0	0	0	30	0
Entrance	59	0	9	10	19	31	32

* One obtained Honours in English. † Honours in Mathematics.

10. The above figures show that the College is not less succesful than the general run of other institutions in the matter of preparing students for the University examinations. I think however the Entrance result worse than it should be because the University percentage is lowered by the admixture of a large number of ill-prepared private candidates, and also the staff of our School is much stronger than that of the average zila school. In the B. A. more students have graduated this year than in any previous year. I must especially compliment Professor Chakravati, whose excellent work is witnessed by the facts that a student has obtained honours in Mathematics, and

precious virtue, which is one of the bulwarks of the State, a guarantee of progress, and a safeguard against anarchy. A very foolish notion exists in some quarters that this virtue conflicts with partriotism. We believe on the contrary that the advancement of the Mahomedan and every other community in India is possible only on the condition of the firm maintenance of the British Raj; and therefore that the Imperial and national sentiments, both of which we attempt to foster, co-operate mutually towards the general good. To awaken in our students the feeling of public spirit, two societies, the Duty and the Brotherhood, have been created, both of which do excellent work The participation of our students in the work of taking the Mohamedan Educational census is also an excellent means of drawing forth in them a feeling of sympathy for their people. In the past year 10 students have taken the census in various towns and have supplied us with the names of 401 parents who could afford to educate their sons and do not. These institutions tend likewise to develope the executive capacity of the students.

8. No one will deny that India is deficient in practical energy, and in an active spirit of enterprise. Readiness to incur responsibility and determined vigour in the conduct of every kind of business, are rare qualities among our Indian youth. I think that the various executive positions in connection with the several students' institutions that exist in the College have a useful tendency in this direction, The system of monitors has during the past year been introduced with success into various departments. At the time of the Mohamedan Educational Conference, a Reception Committee of students was organised, as well as a Corps of special constables to act as policemen during the night and keep off thieves. Both these bodies of the students did their work admirably.

8. Finally with regard to manners, it is desired that the students should combine modesty and a courteous bearing with self-respect and consideration for the feelings of others. On the whole I am not dissatisfied with our students in this respect, though much yet remains to be done.

ground that it is more important to turn out men than scholars.

5. The Physical Education of the College has on the other hand been pushed forward with great energy, and is now approaching completion. The last year has seen the establishment of a riding-school, a course of dumb-bell exercises, a fencing club, and regular drill of the Intermediate and school classes. The three former owe their origin to Mr. Morison. The above together with cricket, football, gymnastics and athletics give sufficient opportunities for muscular development. The thing most wanted now is a swimming bath, the cost of which will be about Rs. 5,000. Mr. Morison and Mozemmel Ullah Khan Sahib have each promised Rs. 500 for this object; and I have much pleasure in acknowledging here, the generous gift of Rs 100 by Hon'ble J. D La Touche, Chief Secretary to Government, for this purpose. I hope that some of the wealthy Mahomedan gentry who have done nothing, or next to nothing in comparison with their means, for their national institution, will speedily assist us with the necessary funds.

6. The moral education is more difficult to test. I hope and believe that the tone of the College encourages truthfulness, honesty and honour; though I think that more attention ought to be given to this aspect of education. There are many students whose conduct is, I am convinced, guided by conscientious conviction and a sense of duty: and there are many in whom these qualities are very insufficiently developed. In their religious observances the students are on the whole regular: a substructure of orthodox belief being made conspicuous by piety in some cases and obscured by a more worldly disposition in others. Broadly speaking, the tendency of the College tends I believe rather to confirm than undermine the faith of the Mahomedan students.

7. Some positive assertions may be made as to the effect of the College on the civic virtues of the students. The fundamental civic virtue of loyalty to the Queen and the British Empire, is actively taught in the College. I am of opinion, that far too little attention is paid by the Government and the educated Indian public to the encouragement of this

1892	215	21
1893	230	15
1894	270	40
1895	329	59

The increase would have been greater still in the past two years, if it had not been necessary to refuse admission to several students on account of want of accommodation in the Boarding House. I shall deal with this matter in § 40 of this Report.

II.—THE COLLEGE EDUCATION.

3. The intellectual education of the College is partly tested by the results of University examinations, which are given below; but not fully, for a high degree does not in India necessarily imply scholarly tastes, a cultivated mind, or the faculty of hard thinking. However perfect the system of University examinations, the only effective instrument of education is the College acting on the student by the personal influence of its Professors and by the intellectual life it fosters. The University should give free scope to every College to utilise to the utmost the learning and abilities of its Professors. I am happy to say that the University of Allahabad is steadily moving in this direction. I have here to ask how far the M. A.-O College gives an intellectual education over and above the routine of preparation for the University examinations.

4. But little progress has I think been made in this direction. No old student has undertaken any scholarly research worth speaking of. Nor does there exist in the College that stimulating intellectual atmosphere which is found in a European University. It is of course impossible that with a small staff of Professors in this intellectually stagnant country we could vie with the great educational centres of the West, Still I think more than has yet been done might be accomplished. In some respects we attempt to stimulate the students' intellect—by the Union Club, Akhwanus Safa, the Magazine, etc,—but our attention has been directed more towards the physical and social aspects of education than the scholarly. And this order of procedure may I think be excused on the

TOTAL OF BOTH DEPRTMENTS.

Boarders	329.	Day-scholars	236.
Musalmans	456.	Hindus	109.

Total 565.

NUMBER OF STUDENTS IN THE LAW CLASS 90.

2. The following figures show the increase in the numbers during the past two years :—

	Jan 1st. 1893.	Jan 1st 1894.	Increase.	March 31st 1895.	Increase.
No. in College	121	154	33	205	51
No. in School	241	293	52	360	67
Total	362	447	85	565	118

The numbers of the College and School on January 1st 1895, were :—College 202, School 358, Total 560; consequently the increase from January 1st 1894 to January 1st 1895 was 113. In future March 31st will be taken as the date of comparison

The numbers in the Law Class for the last three years have been :—

1893	1894	1895
69	61	90

The numbers in the Boarding House in the corresponding years were as follows :—

March 31st 1893.	March 31st 1894.	Increase.	March 31st 1895.	Increase.
230	270	40	329	59

Thus the numbers have not only grown but the rate of increase has itself increased. This is made more obvious when the numbers are given since 1888, for some time before which date the opposite process had been in operation.

	Number of Boarders.	Increase in year.
1888	114	— 4
1889	151	+ 35
1890	163	12
1891	194	31

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 2.	JULY 1, 1895.	No. 7.

Muhammadan Anglo-Oriental College, Aligarh.

THE PRINCIPAL'S ANNUAL REPORT, FOR 1894-95.

I.—NUMBER OF STUDENTS.

1. The number of students on the rolls of the M.-A. O. College, Aligarh, on March 31st 1895, was as follows :—

COLLEGE DEPARTMENT.

(a) Boarders. (b) Day-scholars.

(i) Musalmans 161 (ii) Hindus 3. (i) Musalmans 7. (ii) Hindus 34.

Total Boarders 164. Total Day-scholars 41.
Total Musalmans 168. Total Hindus 37.

Total number in College Department 205.

SCHOOL DEPARTMENT.

(a) Boarders. (b) Days-cholars.

(i.) Musalmans 161. (ii.) Hindus 4. (i) Musalmans 127. (ii) Hindus 68.

Total Boarders 165. Total Day-scholars 195.
Total Musalmans 288. Total Hindus 72.

Total number in School Department 360.

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A.-O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs 3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. p. for Rs 3 or for Re. 1As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 1 anna per line or Rs. 3 per page.

THEODORE BECK,
English Editor,
MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,
Urdu Editor.
NIAZ MUHAMMAD KHAN,
Manager.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 2.	JULY 1, 1895.	No. 7.

CONTENTS.

ENGLISH.

—o—

Printed at the Institute Press, Aligarh,

For Siddon's Union Club.

محمدن اینگلو اورینٹل کالج میگزین

جلد ۲	بابت ماہ جون سنہ ۱۸۹۵ع	نمبر ۶

فہرست مضامین

انگریزی میں

اُردو میں

کالج میگزین

قریباً چار برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اردو ملا ہوا – علیگڈھ کالج سے نکلنا شروع ہوا – اول اول وہ علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کا ضمیمہ بن کر نکلتا رہا — لیکن سنہ ۱۸۹۴ء میں اس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی — اس کے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اُس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے — اور اس وجہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپی نہ تھی ٭

اِس خیال سے اِس کے منتظموں نے اِس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جائے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ – مسلمانوں کے علوم و فنون — تاریخ اور لٹریچر کے متعلق – مفید اور پر زور مضامین لکھے جائیں – اِس غرض سے اِس کے ۲۴ صفحے بالکل اُردو کے لئے مخصوص کردیئے گئے – اور اِس صیغہ کا اہتمام خاص میری سپردگی میں دیا گیا میں اِس رسالہ کے ترقی دینے میں حتی الامکان کوشش کرونگا ٭

ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی – نواب محسن الملک – مولوی نذیر احمد — اور ماسٹر ذکاءاللہ — وغیرہ بزرگوں نے اِس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہی — اور اہل قلم بھی اگر اِس کی اعانت فرمائینگے تو ہم نہایت فخر کے ساتھہ قبول کرینگے ٭

ہم کو اُمید ہی کہ ہندوستان کی اِسلامی جماعت خریداری سے اِس کی اشاعت میں مدد دیگی – میگزین کے کل صفحات ۴۰ ہیں اور قیمت مع محصول ڈاک – (۳ عہ) ٭

شبلی نعمانی — پروفیسر

مدرستہ العلوم علیگڈھ

لکچر

جو

شبلی نعمانی نے ندوۃ العلما کے پہلے اجلاس منعقدہ ۱۲- اپریل ۹۴ء میں دیا

الحمد للہ والصلوٰۃ علیٰ رسولہ والہ واصحابہ

جناب صدر انجمن و دیگر بزرگان قوم

آج اسوقت مجکو جس مضمون پر تقریر کرنے کی اجازت دی گیٔی ہے وہ یہ ہی کہ "زمانۂ موجودہ کے لحاظ سے ہمارے علما کے فرایض کیا ہیں" یعنی زمانہ موجودہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے علما پر کیا ذمہ داریاں ہیں، ملک اور جماعت اسلامی کا اُن پر کیا حق ہے؟ قوم کے لیے اُنکو کیا کرنا ہے! اور اسوقت تک اُنہوں نے قوم کے لیئے کیا کیا ہے؟

یہ سوالات نہایت اہم ہیں اور کچھ شبہہ نہیں کہ جماعت اسلام کی بہبودی کا بہت کچھہ بلکہ تمامتر دارومدار اِنہی سوالات پر ہے۔

اے حضرات! جس زمانہ میں یہاں اسلامی حکومت قائم تہی۔ اُسوقت قوم کے دینی اور دنیوی دونوں قسم کے معاملات علما کے ہاتہ میں ہتے۔ نماز و روزہ وغیرہ کے احکام بتانے کے علاوہ۔ علما ہی اُنکے مقدمہ فیصل کرتے تہے۔ علما ہی جرائم پر حد و تعزیر کی سزا دیتے تہے۔ علما ہی قتل و قصاص کے احکام صادر کرتے تہے۔

غرض قوم کی دین و دنیا دونوں کی عنان اختیار علما کے ہاتھ میں تھی۔ اب جبکہ انقلاب حکومت ہوگیا اور دنیوی معاملات گورنمنٹ کے قبضہ اختیار میں آگئے تو ہمکو دیکھنا چاہیے کہ قوم سے علما کا کیا تعلق باقی ہے۔ یعنی گورنمنٹ نے کسقدر اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیئے ہیں اور کس قدر باقی رہ گیا ہے۔ جو درحقیقت علما کا حق ہے اور جس میں دست اندازی کرنی خود گورنمنٹ کو مقصود نہیں ہے۔

علما کی موجودہ حالت۔ ان کی عزلت نشینی بلکہ بے پروائی نے عام طور پر یقین دلا دیا ہے کہ انکو جو تعلق قوم سے باقی رہ گیا ہے وہ صرف مذہبی تعلق ہے یعنی یہ کہ صرف نماز و روزہ وغیرہ کے مسائل بتا دیا کریں۔ باقی معاملات اُن کے دسترس سے باہر ہیں اور اُن کو ان معاملات میں دست اندازی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

لیکن میرے نزدیک یہ خیال غلط اور محض غلط ہے۔ گورنمنٹ نے جو حقوق اپنے لیئے مخصوص کرلیئے ہیں بیشبہہ علما کو اُن سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ لیکن وہ حقوق ہیں کیا؟ مالگذاری کا وصول کرنا، امن و امان کا قائم رکھنا، دنیوی معاملات کے فیصلہ کے لیئے عدالتوں کا قائم کرنا، عہدہ داران ملکی کا مقرر کرنا، یا اور خاص اسی قسم کے امور ہیں جو گورنمنٹ نے اپنے اختیار میں لیلیئے ہیں لیکن قوم کی زندگی کے اجزا صرف اسیقدر نہیں ہیں۔

قوم کی اخلاقی زندگی جو تمام ترقیوں کی جڑ ہے۔ قوم کی علمی حالت جسپر ترقی و تنزل کا مدار ہے۔ قومی مراسم و دستوارات جنسے قوم بنتی یا بگڑتی ہے اور سب سے زیادہ قوم کی دماغی زندگی۔ یعنی خیالات کی وسعت۔ بلند حوصلگی۔ رو شنضمیری

آزاد خیالی۔ ان تمام اوصاف کے سرچشمہ۔ ہمارے علما اور علما کی تلقین و ہدایت ہے۔ شادی و بیاہ وغیرہ کی وہ مُسرفانہ رسمیں جنہوں نے سیکڑوں ہزاروں خاندان تباہ کر دیئے ہیں۔ گورمنٹ کا اُنپر کچہ زور نہیں چلسکتا۔ لیکن الحمد للہ اس گئی گذری حالت میں بہی علما کو قوم پر وہ حیثیت حاصل ہے کہ آج اگر تمام علما متفق ہوکر کمربستہ ہوجائیں تو تمام ہندوستان میں اس سرے سے اس سرے تک یہ خانہ برانداز رسمیں یک لخت معدوم ہوجائیں۔ قوم کے اخلاق جو روز بروز تباہ ہوتے جاتے ہیں۔ گورمنٹ اور گورمنٹ کی تعلیم مطلق اسکی اصلاح نہیں کر سکی۔ اور نہ کر سکے۔ لیکن اگر علما آمادہ ہوں اور مناسب تدبیروں سے کام لیں تو قوم میں پہر وہ اخلاقی خوبیاں پیدا ہو سکتی ہیں جو سو دو سو برس پہلے موجود تہیں۔

الحاد اور دہریت کی طرف میلان جو روز بروز عام ہوتا جاتا ہے اسکا روکنا اگر گورمنٹ کو ممکن ہوتا تو وہ زیادہ نہیں تو مذہب عیسوی کو تو اس سے محفوظ رکہہ سکتی۔ لیکن ہمارے علما اگر معقول طریقہ پر اسکو روکنا چاہیں تو اُسی طرح اسکا قلع وقمع کر سکتے ہیں جس طرح یونانی فلسفہ کے پہیلنے کے وقت۔ امام غزالی۔ امام رازی۔ قاضی عضد۔ ابن رشد نے زندقہ والحاد کا استیصال کر دیا تہا۔ ان باتوں سے ظاہر ہوا ہوگا کہ قوم کی زندگی کا بہت بڑا حصہ اب بہی علما ہی کا حق ملکیت ہے۔ اور وہی اس حصہ کی فرمانروائی کے کامل الاختیار ہیں۔ یا ہو سکتے ہیں۔

غرض اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ علما کو قوم پر اب بہی نہایت وسیع اختیارات حاصل ہو سکتے ہیں۔ ان اختیارات کے حاصل ہونے کی

شاید علما کو ضرورت ہو۔ لیکن قوم کو اس کی ضرورت اور سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ علما جب تک قوم کے خیالات۔ قوم کے اخلاق۔ قوم کے دل و دماغ۔ قوم کی معاشرت قوم کی تمدن۔ غرض قومی زندگی کے تمام بڑے بڑے حصّوں کو اپنے قبضۂ اختیار میں نہ لینگے۔ قوم کی ہرگز ترقی نہیں ہو سکتی۔

لیکن ان اختیارات کے ہاتھ میں لینے کے وقت علما پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوں گی اور انہیں ذمہ داریوں کو میں علماے حال کے فرائض سے تعبیر کرتا ہوں جو میرے مضمون کا عنوان ہے۔ ان فرائض کو بدفعات ذیل بیان کرتا ہوں۔

علما کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ ایک مجموعی قوت پیدا کریں۔ یعنی تمام ہندوستان کے علما میں ایک خاص رشتۂ اتحاد قائم ہو۔ تمام علما ایک دوسرے کے نام سے، مقام سے، حالات سے، واقف ہوں۔ آپس میں خط و کتابت ہو۔ مہتم بالشان امور میں تمام علما مشاورت اور استصواب سے کام لیں۔ کبھی کبھی وہ صرف اجتماع و اتحاد کی غرض سے ایک جگہ جمع ہو جایا کریں۔ اور اس مقصد کے لیئے ندوۃ العلما سے زیادہ عمدہ موقع نہیں مل سکتا۔

اے حضرات! علما کے باہمی اتفاق کی نسبت بار بار کہا جا چکا ہے اور اگر مجھکو بھی یہی کہنا ہوتا تو کچھ ضرورت نہ تھی کہ جو مضمون سیکڑوں دفعہ بیان کیا جا چکا ہے میں بھی اسی کا اعادہ کروں۔ لیکن مجھکو ایک خاص پہلو کیطرف خیال دلانا ہے۔

اتفاق و اتحاد کا جو طریقہ اب تک لوگوں نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔ کہ تمام علما مسائل فقہیہ میں ہم مذہب و ہم خیال ہو جائیں۔ اور اسوقت نہایت اعلیٰ درجہ

کا اتحاد و اتفاق قائم ہو جائیگا۔

لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا ایسا اتفاق کسی زمانہ میں کبھی ہوا ہے؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے مبارک زمانہ میں جبکہ تمام مسلمان کنفس واحدۃ تھے کیا مسائل میں اختلاف آرا نہ تھا جس شخص نے صحیح ترمذی مطالعہ کی ہے اور قریباً ہر مسئلہ کے متعلق اس کے تراجم ابواب دیکھے ہیں کیونکر اس بدیہی واقعہ سے انکار کر سکتا ہے۔

وضو۔ تیمم۔ قرات۔ اور نماز کے دیگر واجبات و سنن کے متعلق کیا تمام صحابہ ہر مسئلہ میں قاطبۃ متفق الرائے تھے۔ کون ایسا غلط دعوی کر سکتا ہے؟ لیکن کیا ان اختلاف مسائل کیوجہ سے ان میں کسی قسم کی کدورت تھی! کسی طرح کا رنج تھا! کسی طرح کی اجنبیت تھی! حاشا اللہ کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اتحاد و اتفاق کے لیئے یہ ضرور نہیں کہ آپس میں کسی طرحکا اختلاف رائے نہو۔ اس لیئے ہمکو اتفاق و اتحاد کی حدود متعین کر لینی چاہئیں یعنی اختلاف و اتفاق کے دائرے الگ الگ ہوں۔ ایک عالم کو کسی مسئلہ میں دوسرے سے اختلاف ہے تو اختلاف کا اثر اسی مسئلہ تک محدود رہے۔ یہ نہو کہ اس اختلاف کی وجہ سے اور تمام تعلقات ہی منقطع ہو جائیں۔ جو اختلاف سے کچھ تعلق نہیں رکھتے۔ اسکی نہایت عمدہ مثال امام بخاری و امام مسلم کا واقعہ ہے۔ امام مسلم حدیث معنعن کے شرائط اتصال میں۔ امام بخاری سے اختلاف رکھتے تھے۔ چنانچہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں امام بخاری کا مذہب بیان کر کے کہا ہے کہ "یہ مذہب محض لغو اور باطل ہے اور اس قابل نہیں کہ اس کے رد کی طرف توجہ کی جائے" لیکن باوجود اسکے

جب امام بخاری سے ملنے گئے تو نہایت محبت اور تعظیم سے اُن کی پیشانی چومی اور کہا کہ دعنی اقبل رجلک یعنی اجازت دیجئے کہ آپ کے پانوں چوموں۔

قرون اولی میں اسی اصول پر عمل تہا۔ یعنے اختلاف واتفاق کی جدا جدا حدیں تہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُس زمانہ میں باوجود اختلافات کے اتحاد واتفاق کا زور پوری طرح قائم تہا۔ صحابہ بیسیوں مسائل میں مختلف الرائے تہے لیکن عام اتحاد واتفاق میں اختلاف کا پرتو تک نہ تہا۔ قرن ثانی۔ اور اوائل قرن ثالث کا بہی یہی حال تہا۔

آج جس چیز کی وجہ سے مسلمانوں کی ہوا اکہڑ گئی ہے۔ جسنے ہماری طاقت کو بالکل گہٹا دیا ہے۔ جس کی وجہ سے گورمنٹ کی نگاہ میں اس گروہ کی عظمت نہیں رہی جس کی وجہ سے مخالفین کو ہمیشہ شماتت کا موقع ملا ہے وہ یہ ہے کہ ہم اختلاف واتفاق کو اصلی حدود پر نہیں رہنے دیتے۔

ہم نے بارہا سُنا ہے کہ کوئی مجمع۔ عام جماعت اسلام کے فائدے کی غرض سے منعقد ہوا۔ مثلاً دستار بندی کا جلسہ۔ کسی مدرسہ عربی کا جلسہ اصلاح تعلیم کا جلسہ وغیرہ وغیرہ۔ تو وہ لوگ جلسہ میں شریک نہوے جنکو بانیان جلسہ سے مسائل مختلف فیہا کے بارہ میں اختلاف تہا۔

اے حضرات۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہی ندوۃ العلما جس میں آپ اسوقت تشریف فرما ہیں۔ اگر اتفاق واتحاد کے ٹہیک اُصول پر قائم ہو جائے تو وہ کتنی بڑی عظیم الشان طاقت بن سکتی ہے۔

اُسوقت ندوۃ دعوی کر سکتی ہے کہ اوقاف کے لاکہوں رُپئے جو متولیوں

کے ہاتھ سے نہایت بیدردی سے برباد ہو رہے ہیں۔ ندوہ کے ہاتھ میں دیدیے جائیں اور گورنمنٹ نہایت خوشی سے اس دعوی کو قبول کرے۔

ندوہ دعوی کر سکتی ہے کہ انگریزی مدارس میں عربی و فارسی کا نصاب تعلیم جو اسوقت ابتری کی حالت میں ہے اُنکی اصلاح کر دی جائے۔ اور گورنمنٹ کو اس دعوی پر بہت کچھ لحاظ ہوگا۔

ندوہ دعوی کر سکتی ہے کہ جس طرح قدیم زمانہ میں عدالت صدر میں نہ ہبی مسائل کے لیے قاضی و مفتی مقرر کیے جاتے تھے وہ قاعدہ نئے سر سے قایم کیا جاے

ندوہ کو اُسوقت یہ قوت حاصل ہوگی کہ تمام جماعت اسلام اسکی ہدایتوں کی پابند ہو۔ اس کے فتووں کے آگے سر جھکائے۔ اس کے فیصلوں سے سرتابی نہ کر سکے۔ اس صورت میں ندوہ۔ قوم کو تمام بیہودہ رسم سے خلاف شرع باتوں۔ ناجائز امور سے۔ بزور روک سکتی اور جماعت اسلام کو نماز کا۔ روزہ کا۔ حج کا۔ زکوۃ کا بزور پابند کر سکتی ہے۔ یہ زور تلوار کا نہیں ہوگا۔ بلکہ اتباع شریعت کا اور اتفاق باہمی کا۔

لیکن یہ قوت اسطرح نہیں حاصل ہو سکتی ہے کہ سال میں ایک دفعہ ندوہ نے اجلاس کر لیا۔ اشتہارات کا ڈھنڈورا پیٹ کر باہر والوں کو جو حقیقت سے ناواقف تھے بلا لیا۔ علما عاجزی سے۔ تقاضے سے۔ خوشامد سے۔ سفارش سے مجلس میں شریک ہو گئے۔ ندوہ اگر یوں ہوئی تو سمجھ لیجیے کہ اور انجمنوں کی طرح وہ بھی شعر کا ایک مشاعرہ ہے

ندوہ کو یہ قوت اُسوقت حاصل ہوگی جب تمام علما اسکو اپنا ذاتی کام سمجھیں

بغیر کسی درخواست کے۔ تقاضے کے۔ منت کے۔ دور دور سے سفر کرکے آئیں۔ اور سال بھر اس کی ادھیڑ بن میں رہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اہل حدیث اور احناف میں لڑائی ہوکر مقدمہ عدالت تک جائے تو بن بلائے دونوں فریق کے علما سیکڑوں کوس سے۔ دوڑے ہوئے آئیں اور ندوہ میں بلایا جائے تو۔ مہتمموں کو وہ خوشامدیں کرنی پڑیں جو کسی تقریب میں میزبان کو مہانوں کے بلانے میں کرنی پڑتی ہیں۔ جس قوم کو اختلاف کی باتوں میں۔ وہ شیفتگی ہو اور اتفاق میں یہ بے پروائی اور بیدلی۔ اُسکا خدا ہی حافظ ہے۔

حضرات۔ ندوہ کے قالب میں جو روح ہے آپ اُسکا اندازہ ہی نہیں کرسکتے یہ مجلس صرف ایک برس سے قایم ہے۔ ابھی تک اسنے کوئی عملی کارروائی نہیں کی ہے۔ اتفاق کا کوئی جلوہ علانیہ نمایاں نہیں ہوا۔ تاہم اسنے وہ اثر اور زور پیدا کرلیا ہے جو اور مجلسوں کو باوجود مدتہاے دراز اور دنیوی وجاہتوں کے اب تک حاصل نہیں ہوا۔

اس کی ایک پکار پر کہاں کہاں سے لبیک کی صدائیں آئیں۔ کس قدر دور دراز مسافتوں کو طے کرکے لوگ یہاں تک پہونچے۔ لوگوں کی نگاہیں کس ادب۔ کس جوش۔ کس محبت سے اسپر پڑ رہی ہیں۔

اب یہ امر علما کے ہاتھ میں ہے کہ ندوہ کو اس بلند درجہ پر پہونچائیں جو اسکی رتبے کے شایاں ہے۔ یا خدا نخواستہ۔ نااتفاقی سے۔ غفلت سے۔ رشک سے۔ غلط فہمی سے۔ اسکو اس طرح برباد کردیں جس طرح قوم کی اور تمام کوششیں نااتفاقی سے برباد ہوتی رہی ہیں۔

دوسرا بہت بڑا مرض جو علما میں ہے وہ اس بے غیرتی اور الحاد کے اثر کا روکنا ہے جو آج کل یورپ میں پہیلکر ہندوستان کی طرف بڑہتا آتا ہے۔ غالباً اس مرض کے پہیلنے سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ گفتگو جو کچہ ہے وہ علاج کے طرز و طریقہ میں ہے۔ لیکن میرے نزدیک ہمکو اسباب میں زیادہ غوض و فکر کی حاجت نہیں ہے۔ یہ بیماری پہلے ہی ایک دفعہ اسلامی ممالک میں پہیل چکی اور اطبائے شریعت یعنی علماء سلف کا علاج اسکے دفع کرنے میں کارگر ثابت ہوا ہے۔ عباسیوں کا اول اول زمانہ تہا کہ فلسفہ یونانی کا ترجمہ ہوا اور ساتہہ ہی چاروں طرف الحاد کی ہوا پہیل گئی۔ اکثر فقہا اور بعض محدثین نے اسکا یہ علاج تجویز کیا کہ سرے سے فلسفہ پڑہایا نجائے۔ یہاں تک کہ علم کلام کو بہی اس لحاظ سے ممنوع قرار دیا کہ اسمیں عقلیات کی آمیزش تہی۔ امام شافعی کا قول ہے کہ حکمی فی اہل الکلام ان یضربوا بالجرید ویطاف بہم فی القبایل یعنی اہل کلام کے بارے میں میرا فیصلہ ہے کہ ان کو درے لگائے جائیں اور قبایل میں انکی تشہیر کیجائے۔ اس علاج نے بلحاظ حالات موجودہ کسیقدر فائدہ دیا۔ یعنی بعض نیک دل فلسفہ پڑہنے سے رک گئے۔ لیکن پورا نفع نہوا۔ کیونکہ سیکڑوں ہزاروں مسلمان منطق و فلسفہ پر ایسے فریفتہ ہو گئے تہے کہ اسکو بالکل چہوڑ نہ سکتے تہے۔ آخر علمانے دوسرا علاج سوچا۔ یعنے فلسفہ کے مسائل پر اطلاع حاصل کر کے فلسفہ کے رد کے لئے علم کلام ایجاد کیا۔ اس علاج کے مجوز۔ امام غزالی۔ امام رازی۔ ابن رشد۔ قاضی عضد وغیرہ تہے اور واقعی اُن کی یہ تدبیر نہایت کارگر نکلی۔ اسی کا اثر ہے کہ اگرچہ درس نظامیہ میں تمام علوم و فنون سے زیادہ منطق و فلسفہ کی کتابیں زیر درس ہیں

تاہم مذہبی عقاید کو ان سے کچھ ضرر نہیں پہونچتا۔

ہمارے زمانے میں بھی اسی مرض نے ظہور کیا ہے اور پہلی قسم کا علاج بھی ہو چکا ہے اب اگر وہ علاج مفید ثابت ہو تو فبہا۔ ورنہ دوسری قسم کا علاج شروع کیا جائے۔ اور امام غزالی اور امام رازی کی روحیں تازہ کیجائیں۔

ترکی حکومت میں اس ضرورت کو تسلیم کر کے علامہ حسین جسر نے جو تمام روم شام میں علوم دینیہ و عقلیہ کا اُستاد تسلیم کیا جاتا ہے ایک کتاب تصنیف کی جسکا نام حمیدیہ ہے۔ تمام مسلمانوں نے اس تصنیف کی نہایت قدر کی اور خود سلطان المعظم خلد اللہ دولتہ نے علامہ مذکور کو اس کتاب کے صلہ میں بہت کچھ صلے اور عطیئے عنایت کیے۔ یہ کتاب ترکی زبان میں بھی ترجمہ کی گئی اور عام طور پر اس کا رواج ہو گیا ہے۔

میں نے اس کتاب کو دیکھا ہے اور اگرچہ میرے نزدیک وہ موجودہ ضرورت کیلیئے ناکافی ہے۔ تاہم اسبات سے مسرت ہوتی ہے کہ اس نے ایک عمدہ کام کی بنیاد ڈالی۔ یہ دوسروں کا فرض ہے کہ اس بنیاد پر مضبوط اور مستحکم عمارتیں بنائیں۔

تیسرا امر جس کیطرف میں علما کی توجہ مائل کرنا چاہتا ہوں علوم اسلامیہ کے درس و تدریس میں وسعت پیدا کرنا ہے۔

اے حضرات۔ اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ پچاس ساٹھ برس سے ہماری علمی حالت برابر تنزل کی طرف بڑھ رہی ہے جس درجہ کے علما پچاس برس پہلے موجود تھے۔ اُس زمانہ کے بعد اُس درجہ کے علما نہیں پیدا ہوئے۔ اور زمانہ مابعد میں جس رتبہ کے علما پیدا ہوئے اُس زمانہ کے بعد اس درجہ کے بھی پیدا

نہیں ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ شاہ عبدالقادر صاحبؒ مفتی محمد یوسف صاحبؒ مولوی فضل حق صاحب جیسے علما پیدا ہوئے۔ اب گویا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ اتنی یہ بھی توقع نہیں کہ مولوی عبدالحی صاحب مرحوم۔ مولوی ارشاد حسین صاحب مرحوم مولانا احمد علی صاحب مرحوم۔ جیسے بزرگ بھی قوم میں پیدا ہوں۔ تصنیفات کا یہ حال ہے کہ عربی زبان میں اب بہت کم کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ اردو زبان میں جو کتابیں لکھی جاتی ہیں وہ بھی کچھ محققانہ نہیں ہوتیں بلکہ صرف چند نزاعی مسئلوں کے متعلق ادھر ادھر کی خوشہ چینی ہوتی ہے۔ پھر کیا اسکی یہ وجہ ہے کہ اب علوم عربیہ کی قدردانی نہیں رہی۔ اور ان علوم کے پڑھنے والوں کو مناصب اور عہدے نہیں ملتے۔ لیکن ذرا بھی غور سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ اس بات کی وجہ نہیں ہو سکتی خدا کا شکر ہے اور ہم اسپر فخر کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے علم کو کبھی تحصیل دولت کے لیے نہیں پڑھا۔ نہ علما کسی زمانہ میں بہت دولتمند یا صاحب جاہ و منصب تھے۔ ملا نظام الدین۔ ملا حسن۔ ملا کمال۔ شاہ ولی اللہ صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کو کون سی دولت و ثروت حاصل تھی۔

پھر کیا اسکی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ علوم کی تحصیل کے سامان کم ہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں اب جس کثرت سے ہندوستان کے ہر گوشہ میں عربی مدارس موجود ہیں پہلے کبھی نہ تھے جس قدر کتابیں اب چھپکر شایع ہو گئیں۔ اگلے زمانہ میں کہاں دستیاب ہوتی تھیں۔ سفر کے وسائل اور ذرایع جیسے اب آسان ہو گئے ہیں پہلے کب تھے۔

پھر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اخیر زمانہ ہے۔ اور اس برے زمانہ کا اقتضا ہی یہ ہے کہ اگلی سی ہمتیں اور اگلی سی حوصلہ مندیاں زمانہ سے مفقود ہو جائیں۔ لیکن

اگر ایسا ہے تو زمانہ تمام دنیا کو محیط ہے۔ اسیلئے دنیا کے ہر گوشہ میں ایسی ہی پستی اور ایسا ہی تنزل پایا جانا چاہیئے۔ حالانکہ دنیا کے اور حصوں میں علوم و فنون کی بہار آرہی ہے۔ میں اس وقت اجمال کیساتھہ دکہانا چاہتا ہوں کہ دنیا کے اور حصوں میں علوم و فنون کو کس قدر ترقی ہے اور ترقی کے کیا کیا وسائل پیدا ہو گئے ہیں۔

اے حضرات۔ اگرچہ ہندوستان کی موجودہ حالت دیکھکر یہی قیاس ہوتا ہے کہ اب علمی ترقی کے میدان میں کوئی نئی وسعت پیدا نہیں ہو سکتی۔ لیکن شام و مصر اور بالخصوص یورپ کی علمی رفتار کے لحاظ سے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس زمانہ میں جو سامان پیدا ہو گئے ہیں اور علوم و فنون کے متعلق۔ نظر و فکر کے جو طریقے اب ایجاد ہوئے ہیں پہلے انکا نام و نشان بہی نہ تہا۔ اگرچہ ممکن تہا کہ میں اس مضمون پر منطق حکمت تاریخ جغرافیہ۔ طبعیات وغیرہ۔ ہر ایک علم کے لحاظ سے بحث کرتا۔ لیکن اس قدر وقت و فرصت نہیں ہے۔ اسیلئے صرف فن ادب کے متعلق کچھہ عرض کرتا ہوں۔

اے حضرات۔ فن ادب کوئی معمولی فن نہیں ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کے سمجھنے اور اُس کے نکات سے واقف ہونیکا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں یہی وجہ ہے کہ تمام بڑے بڑے مفسرین اور محدثین ادب میں نہایت کمال رکہتے تھے فن ادب میں ہمارے ہاں صرف مقامات حریری۔ متنبی۔ سبعہ معلقہ۔ درس میں داخل تہا۔ اور بعض لوگ تموری و نفحۃ الیمن۔ بہی پڑھتے تہے۔ صرف یہی نہیں تہا کہ وہی کتابیں انہیں میں منحصر تہیں۔ بلکہ ادب کا کل سرمایہ جو ہمارے ملک میں دستیاب ہو سکتا تہا وہ یہی کتابیں یا ان کی شرحیں اور حاشیہ تہے۔

اب خیال فرمایئے کہ آجکل ادب کا کس قدر سرمایہ پیدا ہو گیا ہے۔ جاہلیت وہ

خیر تیغ اسلام کے اشعار کی نسبت مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کے مطالب سمجھنے کے لیے ان پر اطلاع حاصل ہونی ضرور ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہے۔ الشعر دیوان العرب فاذا خفی علینا الحرف من القرآن رجعنا الی دیوانھا۔ انہیں کا قول ہے۔ اذا سألتمونی عن غریب القرآن فالتمسوہ فی الشعر جن اشعار کو حضرت عبداللہ بن عباس نے فہم قرآن کے لیے ضروری سمجھا اس میں سے ہمارے پاس صرف سبعہ معلقہ موجود تہا۔ لیکن اب شام و مصر وغیرہ میں اشعار عرب کا بے انتہا ذخیرہ موجود ہو گیا ہے۔ شعراے جاہلیت و مخضرمین میں سے امرء القیس۔ زہیر بن ابی سلمی لبید بن ربیعۃ العامری۔ نابغہ ذبیانی۔ علقمۃ الفحل۔ عروۃ بن الورد۔ حاتم طائی۔ اوس بن حجر۔ خنسار۔ عنترۃ بن شداد العبسی۔ طرفۃ بن عبد بکری۔ نادرہ۔ کے دیوان چہپ گئے ہیں قبیلہ ہذیل جنکی نسبت تسلیم کیا گیا ہے کہ عرب کے تمام قبایل میں سب سے فصیح تر تہے۔ اس قبیلہ کے تمام شعرا کا کلام ایک مجموعہ میں چہاپا گیا ہے۔ خلیفہ منصور عباسی نے خلیفہ مہدی کی تعلیم کے لیے اشعار عرب کا جو مجموعہ تیار کرایا تہا اور جسکو علامہ مفضل ضبی نے جمع کیا تہا۔ بیروت میں چہپکر شایع ہوا ہے۔

۴۹ قصیدے جو مختارات اشعار العرب کہلاتے ہیں پورے چہپ گئے ہیں۔ جمہرۃ العرب شایع ہو چکا ہے۔ اسلامی شعرا میں سے جنکا کلام مستند مانا گیا ہے۔ اُن میں سے۔ حطیئۃ۔ عمر بن ابی ربیعۃ۔ اخطل۔ فرزدق۔ ابو محجن ثقفی کا دیوان چہپ چکا ہے۔ اور زمانہ مابعد کے شعرا کا کلام تو نہایت کثرت سے شایع ہو چکا ہے۔ عباس بن الاحنف۔ صریع الغوانی۔ عبداللہ بن المعتز۔ ابو تمام

ابو عبادہ بحتری۔ ابو العتاہیہ۔ ابو فراس۔ ابو نواس۔ کہ انمین سے ہر ایک فن شعر کا امام تہا۔ سب کے دیوان چہپ چکے ہیں۔ ان کے سوا ادب کی وہ کتابیں جنمیں کثرت سے اشعار عرب مذکور ہیں بکثرت شایع ہو چکی ہیں۔

یہ تو فقط اس سرمایہ کا بیان تہا جو فن ادب میں اب موجود ہے۔ لیکن جب آپ یہ خیال فرمائینگے کہ اس فن کے متعلق پہلے واقفیت اور تحقیقات کا کیا طرز تہا؟ اور اب کیا ہے؟ تو اور ہی تعجب ہو گا۔ پہلے یہ طریقہ تہا کہ سبعہ معلقہ کے ساتوں قصیدے معمولی طور سے پڑہا دیئے جاتے تہے اور شوقین طالب علم لغات کو حفظ کر لیتے تہے۔ اس کے سوا اُنکو کچہہ نہیں معلوم ہوتا تہا کہ یہ شعرا کون تہے۔ انکو اور شاعروں سے کیا نسبت ہے۔ ان کے کلام میں کیا کیا خوبیاں ہیں؟ کہاں کہاں انمیں بلاغت کی کمی ہے؟ لیکن اب ان امور کی تحقیق کیجاتی ہے کہ عرب میں شاعری کب پیدا ہوئی۔ کن اسباب سے پیدا ہوئی۔ کس قبیلہ میں اول اسکا رواج ہوا اقسام شعر میں سے کون کون سی قسمیں کس کس زمانہ میں ایجاد ہوئیں۔ شعراے جاہلیت نے کن کن مضامین پر شعر لکہے۔ انمیں عہد بعہد کیا کیا ترقیاں ہوئیں۔ بلاغت کے کون کون سے اسلوب انہوں نے استعمال کیئے۔ اُن کی شاعری سے عرب پر کیا اثر پڑا؟ اسلامی شعرا نے فن شعر میں کیا تصرفات کیئے۔ زباں کو کیونکر صاف کیا۔ کتنے الفاظ چہوڑ دیئے۔ کن کن نیے مضامین پر اشعار لکہے۔ اسی طرح عہد بعہد اُس فن میں کیا کیا ترقیاں ہوئیں؟۔ ادب کی طرح اور علوم و فنون میں بہی تحقیقات کا طرز بدلگیا ہے لیکن ان کے بیان کرنے کے لیئے وقت نہیں۔

اے حضرات۔ علما کا ایک اور سب سے بڑا فرض۔ بلند حوصلگی اور عالی ہمتی کا پیدا

کرنا ہے۔ اس سے خدانخواستہ میری یہ مراد نہیں کہ وہ بڑی بڑی نوکریوں کی خواہش کریں۔ دولت کی جمع کرنے کی تدبیریں سوچیں۔ بلکہ میری مراد علمی اور مذہبی حوصلہ مندی ہے۔ وہ حوصلہ مندی جسکا یہ اثر تھا کہ محدثین ایک ایک حدیث کے لیئے ہزاروں کوس کا سفر کرتے تھے۔ جسکا یہ اثر تھا کہ اندلس کے طلبا ہندوستان میں تحصیل علم کیلیے آتے تھے جسکا یہ اثر تھا کہ ابن بیطار نے نباتات کے دریافت کے لیے اندلس سے لیکر یونان۔ اور بحر روم کے تمام جزایر کی خاک چھان ڈالی تھی۔ جسکا یہ اثر تھا کہ جغرافیہ کی تحقیقات کے لیئے علامہ بشاری نے پورے ۲۰ برس۔ دنیا کے سفر میں صرف کر دیئے تھے۔ جسکا یہ اثر تھا کہ ابوالفرج اصفہانی نے پورے ۵۰ برس صرف کر کے کتاب الاغانی لکھی۔ اور دنیا کو علم ادب کے بڑے بڑے کتب خانوں سے مستغنی کر دیا۔ جسکا یہ اثر تھا کہ اصمعی۔ محاورات عرب کی تحقیقات کے لیئے عرب کے بیابانوں کی خاک چھانتا پھرتا تھا۔

اے حضرات کیا موجودہ زمانہ میں ان حوصلہ مندوں کی ایک بھی مثال پائی جاتی ہے۔ اور کیا ان حوصلہ مندیوں کے بغیر علما اپنے فرض سے ادا ہو سکتے ہیں۔

افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ علمی حوصلہ مندی اسقدر مفقود ہو گئی ہے کہ ہم اُسکے امکان کا بھی تصور نہیں کر سکتے حالانکہ وہ حوصلہ مندیاں۔ دوسرے قوموں میں موجود ہیں۔ اور اگر آپ اجازت دیں تو میں مثال کے طور پر صرف ان عجیب و غریب کوششوں کا ذکر کروں۔ جو دوسری قوموں نے خاص ہمارے علوم و فنون کی ترقی دینے میں کی ہیں۔

(۱) سب سے بڑا احسان جو یورپ کا عربی زبان اور عربی علوم و فنون پر

ہے یہ ہے کہ عربی کی وہ کتابیں جو مسلمانوں کے لیئے مایۂ فخر ہیں اور باوجود اسکے اسقدر نایاب تہیں کہ کہیں انکا پتہ بہی نہیں لگتا تہا۔ یورپ نے نہایت تلاش سے بہم پہونچائیں۔ ان کی تصحیح کی۔ حاشیئے چڑہائے۔ اختلاف نسخ قلمبند کیئے۔ مضامین والفاظ کی فہرست مرتب کی۔ اور نہایت حسن و خوبی کے ساتہہ چہاپکر مشتہر کیا۔

ان محنتوں کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جس جرمن پروفیسر نے کتاب الفہرست کی تصحیح و ترتیب کی اُس کے پورے ۲۵ سال اسکام میں صرف ہوئے۔ پروفیسر وایٹ اٹہارہ برس سے جریر کے دیوان کے مرتب کرنے میں مصروف ہے۔ برلن کی ایک کمیٹی نے لاکہ روپیہ صرف اسی کام کے لیئے وقف کردیئے کہ طبقات ابن سعد کا پورا نسخہ جو بارہ جلدوں میں ہے چہاپ دیا جائے چنانچہ خاص اس غرض سے پروفیسر زاخو۔ اپریل ۱۸۹۵ء میں مصر پہونچا اور اب تک وہیں مقیم ہے۔ اس طرح کی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ اسوقت تک عربی کی جسقدر نایاب کتابیں یورپ نے چہاپکر شایع کیں۔ ان سب کا نام تو میں گنا نہیں سکتا۔ لیکن تاریخ کی تصنیفات کی ایک فہرست ذیل میں لکہتا ہوں جنہیں سے اکثر خود میری نظر سے گذری ہیں۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو یورپ کے چہاپنے سے پہلے ناپید تہیں اور ہمارے ہندوستان کے علما۔ اب بہی ان کے نام سے بیخبر ہیں۔ انمیں سے بعض مصر وغیرہ میں چہپی ہیں تو یورپ ہی کے نسخوں سے منقول ہوکر چہپی ہیں۔

تاریخ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری تمام وکمال ۱۲ جلد۔ اخبار الطوال ابوحنیفہ دینوری۔ کتاب التنبیہ والاشراف للمسعودی۔ انساب الاشراف للبلاذری۔ تاریخ یعقوبی۔ فتوح البلدان بلاذری۔ کتاب الفہرست ابن الندیم بغدادی۔ رحلۃ ابن جبیر

معجب۔ البیان المغرب فی اخبار المغرب للمراکشی۔ سیرۃ صلاح الدین للقاضی بہا الدین بن شداد۔ الفتح القسی للعماد الاصفہانی۔ ذیل للطبری۔ المشتبہ للذہبی۔ معجم بن ابار۔ اخبار مکۃ للازرقی۔ المنتقی باخبار ام القری۔ اعلام باعلام بیت اللہ الحرام۔ استبصار فی عجایب الامصار۔ الآثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ۔ کتاب الاعتبار لابن منقذ۔ المام للمقریزی۔ البیان الاعراب بما بارض مصر من الاعراب۔ کتاب الہند للبیرونی۔ الخبر عن اول دولۃ من دول الاشراف العلویین۔ عیون والحدایق۔ زبدۃ الحلب فی تاریخ حلب۔ تاریخ آل سلجوق۔ زبدۃ النصرۃ فی اخبار الوزرا السلجوقیۃ۔ سلسلۃ التواریخ اخبار العصر۔ اخبار مجموعہ فی فتح الاندلس۔ تاج التراجم لقاسم بن قطلوبغا۔ الفخری فی الاداب السلطانیۃ۔ مروج الذہب للمسعودی۔ کتاب الصلۃ لابن بشکوال۔ تکملہ کتاب الصلۃ۔ بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال اہل الاندلس۔ طبقات المفسرین للسیوطی۔ اخبار ملوک مغرب و افناس للمقریزی۔ عجائب الہند لبزرگ بن شہریار۔ تاریخ صقلیہ۔ تہذیب الاسماء للنووی۔ کتاب الانساب للمقدسی۔ فتوح الشام للازدی۔ تلخیص طبقات الحفاظ للسیوطی۔ معارف بن قتیبۃ۔

ان کتابوں کے علاوہ یورپ جغرافیہ کی تصنیفات کا پورا سلسلہ مرتب کر کے چھاپا ہمارے خیال میں بھی نہ تھا کہ جغرافیہ کے فن مین جو اس ملک میں خاص انگریزوں کی بدولت آیا ہے۔ اور اسی وجہ سے ہمارے علما اس سے بالکل ناآشنا ہیں۔ مسلمانوں نے کوئی خاص کمال پیدا کیا تھا۔ لیکن ان تصنیفات کو دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے پہلے اس فن کی کیا حالت تھی اور مسلمانوں نے اسکو کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔ کِسکو خیال تھا کہ تیسری صدی ہجری میں عرب کا ایسا جغرافیہ طیار ہوا ہوگا۔ جو بالکل آج کل کی

تحقیقات کے موافق ہے جسمیں عرب کے ایک ایک شہر ایک ایک گاؤں کی تفصیل ہے اور ہر ہر گاؤں کی پیداوار۔ عمارتیں۔ معدنیات۔ اشجار۔ نباتات۔ جانور۔ تجارت وغیرہ کے حالات تفصیل سے مذکور ہیں۔ عرب کا یہ جغرافیہ ابن الحایک ہمدانی نے ۳۳۴ھ میں لکھا جو یورپ میں بمقام لیڈن ۱۸۸۴ء میں چھاپا گیا۔

جغرافیہ کے سلسلہ میں جو نایاب کتابیں یورپ میں چھاپی گئیں اُن سب کے نام حسب ذیل ہیں۔

معجم البلدان یاقوت حموی چار جلد۔ مشترک یاقوت حموی۔ مراصد الاطلاع۔ احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم۔ جغرافیہ ابن حوقل بغدادی۔ مختصر کتاب البلدان لابن الفقیہ الہمدانی۔ کتاب البلدان للیعقوبی۔ تقویم البلدان۔ المسالک والممالک لابن خرداذبہ۔ مسالک الممالک للاصطخری۔ نزہۃ المشتاق للشریف الادریسی۔

یہ سب بڑی بڑی ضخیم کتابیں ہیں اور ان کے دیکھنے سے مسلمانوں کی علمی کوششوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۲) دوسری تیسری صدی میں جو سنئے الفاظ عربی تصنیفات خصوصاً تاریخ میں شامل ہو گئے۔ لغت کی کتابوں میں کہیں انکا پتہ نہیں لگتا۔ تاریخ طبری۔ اور بلاذری۔ و مقریزی میں سیکڑوں ہزاروں الفاظ ایسے موجود ہیں جو قاموس لسان العرب شرح قاموس وغیرہ بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتے۔ اور مجکو اس کا خاص تجربہ ہو چکا ہے۔ یورپ نے اس مشکل کی عقدہ کشائی کی۔ فرانس کے ایک پروفیسر نے جسکا نام دوزی ہے خاص اس قسم کے لغات پر ایک کتاب لکھی۔ جو دو جلدوں میں چھپکر شایع ہوئی ہے اور جسمیں ستر ہ سو صفحے ہیں۔ یہ کتاب میرے

مطالعہ میں ہے اور میں ہر دفعہ مصنف کی محنت اور تحقیق پر حیران رہ جاتا ہوں ہمارے ملک کے علما شاید یورپ کی وسعت نظر اور کثرت معلومات کا اعتراف نکریں لیکن مصر و شام کے فضلا۔ ان تصنیفات کو پڑھکر کیونکر انکار کرسکتے ہیں۔ علامہ حمزہ فتح اللہ جو مصر میں فن ادب کا اُستاد الکل ہے اسنے اپنے رسالہ باکورۃ الکلام میں علانیہ تسلیم کیا کہ نحن فی اللغۃ العربیۃ کالعالۃ علیھم۔ یعنی "عربی زبان میں ہم یورپ کے دست نگر ہیں"۔

(۴) عربی زبان میں ایسی کوئی تصنیف موجود نہ تھی اور نہ کبھی لکھی گئی جو مسلمان فلاسفروں کی تصنیفات کی ریویو کے طور پر ہو اور جس سے یہ ظاہر ہو کہ یونانیوں کے کیا مسائل تھے اور حکمائے اسلام نے اسپر کیا ترقی کی۔ یورپ میں اس قسم کی تصنیفات کثرت سے لکھی گئیں اور برابر لکھی جارہی ہیں۔

ارسطو کی قاطیغوریاس جسکو حنین بن اسحاق نے عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ اصل یونانی زبان میں۔ مع عربی ترجمہ کے چھاپی گئی ہے اور اس کے دیباچہ میں اس امر پر بحث کی ہے کہ یہ ترجمہ کہاں تک صحیح اور اصل کے مطابق ہے۔

جرمن کے ایک پروفیسر نے فارابی کی تمام تصنیفات اور مسائل پر تین سو صفحوں میں ایک مفصل ریویو لکھا۔ اسی طرح امام غزالی کی تصنیفات پر تین سو صفحوں میں ایک کتاب لکھی گئی۔ مین نے یہ دونوں کتابیں دیکھی ہیں اگرچہ افسوس ہے کہ جرمن زبان نہ جاننے کی وجہ سے اُن سے متمتع نہیں ہوسکا۔

پروفیسر مونک نے فرنچ زبان میں خاص اس بحث پر کہ مسلمانوں نے یونانیوں کے علوم کی کیونکر تحصیل کی اور انہوں نے یہودیوں سے کیونکر سیکھا۔ ایک

مستقل کتاب لکھی چنانچہ مین نے اس کتاب کے بعض مقامات سبقاً سبقاً پڑہے ہیں پروفیسر رینان نے حکیم ابن رشد کے فلسفہ پر چار سو صفحوں میں ایک عجیب و غریب کتاب لکھی۔ جسمیں اُسنے تفصیلا بیان کیا ہے کہ جرمن اور فرانس میں کئی سو برس تک خاص ابن رشد کا فلسفہ جاری رہا اور وہاں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے جو اپنے تئیں بجائے ارسطو و افلاطون کے ابن رشد کیطرف منسوب کرتے تھے پارسال مقام جنیوا میں جو اورینٹل کانفرنس منعقد ہوئی۔ اسمیں ایک تجویز منظور ہوئی کہ ایک کمیٹی قائم ہو جسمین عربی زبان کے بڑے بڑے کامل الفن ممبر مقرر کیئے جائیں۔ اسی کمیٹی کا یہ کام ہو گا کہ مسلمانوں نے فلسفہ۔ ہیئت۔ طب۔ اور لٹریچر مین جو ترقی کی۔ اس کی ایک مفصل انسائیکلوپیڈیا طیار کرے۔ چنانچہ اسی کانفرنس میں یہ کمیٹی قائم ہو گئی۔ اور بڑے بڑے عربی داں پروفیسر اس کے ممبر مقرر ہوئے۔

اے حضرات علما۔ جبکہ دوسری قومیں خود ہمارے علوم و فنون میں ایسی عجیب و غریب کوششیں کر رہی ہیں اور عربی زبان کے میدان میں اسقدر وسعت پیدا ہو گئی ہے تو کیا ہمکو اسی پر قناعت کرنی چاہیئے کہ ایک محدود کورس کی چند کتابیں پڑھائی جائیں اور تمام عمر اسی محدود دائرہ میں بند پڑے رہیں۔

علمی حوصلہ مندی جسکو میں نے علما کا فرض بتایا ہے اسکا یہ اقتضا ہے کہ اگلوں نے ہمارے لیئے جو سرمایہ چھوڑا تھا۔ دنیا سے ہم جائیں تو اسمیں اضافہ کر کے جائیں۔ یہ خیال غلط اور بالکل غلط ہے کہ علمی کارخانہ میں کام کرنے کے لیئے اب کچھ باقی نہیں رہا۔ ابھی بہت وسعت ہے اور بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔ ✦

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید دیگراں نیز کنند آنچہ مسیحا می کرد

✦ یہ پورا لکچر ندوۃ العلما کے اجلاس میں نہیں پڑھا گیا تہا۔ بلکہ اس کے جستہ جستہ مقامات کو لے لیا گیا تہا۔

تعلیمی مردم شماری

سمیع اللہ صاحب طالب علم مدرستہ العلوم نے اترولی ضلع علی گڈہ کی تعلیمی مردم شماری کی رپورٹ بہیجی ہے۔ اُن میں ۴۴ ایسے اشخاص کے نام درج ہیں جو اپنے لڑکوں کو باوجود استطاعت کے تعلیم نہیں دیتے۔ ۰۰ ۵ تعداد اُن لڑکوں کی ہے جو تعلیم سے بے بہرہ ہیں۔

ہندوستانی اور انگریز

(تتمہ تہذیب ماہ اپریل) اب ہم ان انگریز نکتہ چینوں کی طرف توجہ کرتے ہیں جو ہندوستان کی گورنمنٹ پر تو یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ رعایا کو دبا رکھنا چاہتی ہے اور خود اہل ہندوستان کی دوستی کا زور شور سے دعوی رکہتے ہیں۔ یہ جسقدر معترض ہیں ان میں اگر کل نہیں تو زیادہ تر دو قسم کے لوگ ہیں۔ پہلی قسم میں تو وہ تین یا چار لوگ ہیں جو آجکل یا کسی زمانہ میں گورنمنٹ ہندوستان کے ملازم رہے ہیں۔ قسم دوم میں وہ چند پولیٹیشن ہیں جو یا تو کبہی ہندوستان میں آئے نہیں اور اگر آئے تو ملک کا سرسری گشت کرکے واپس چلے گئے۔ ان لوگوں نے جب بحث کیجاوے تو ہمکو چاہیئے کہ انکے یقین کی صداقت اور نیت کی سچائی کا امتحان کرکے اُن کے الفاظ ہی سے نہیں بلکہ ان کے افعال سے بہی کریں۔ پہلی عزت کی بات انسان کے لیئے یہ ہے کہ اگر وہ کسی گورنمنٹ کو بالکل خراب جانتا ہو تو وہ اپنا تعلق اُس سے قطع کرے۔ پس ہمکو اسبات کے تسلیم کرنیکا حق ہے کہ جب ایسے لوگ اپنے عہد و نیز کام کئے

جاتے ہیں یا پنشنیں وصول کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے تو یا تو وہ گورنمنٹ کو بنی الحقیقت اسقدر خراب نہیں جانتے جسقدر کہ ہمکو اُن کے کلام سے ثابت ہوتا ہے۔ یا یہ ہے کہ وہ اپنے دلی یقین کو ذاتی منفعت کا غلام بناتے ہیں اگر ایسا ہے تو جو کچھ رائے وہ ظاہر کرتی ہیں اُس کی قیمت بہت کم ہو جاتی ہے۔ اب رہی دوسری قسم کے پولیٹیشن جنکو ہندوستان کا واقعی کوئی علم حاصل نہیں ہے اور جو ایسی تجویزوں کے حامی بنتے ہیں جو ان لوگوں کی مستند اور وزنی رائیں ہیں جو ہندوستان کے حالات کو سب سے زیادہ جانتے ہیں ان لوگوں کی تجویزیں یہی ہیں جن میں اہل ہند کے لیے مصیبتیں شامل ہیں ان کی دوستی ہندوستان کے لوگونسے اتنی ہی نہیں ہے کہ اُن کی ضرورتوں کو سمجھنے کے لیے ضروری مقدار وقت اور تکلیف کو گوارا کر سکیں یا ملک میں زیادہ نہیں صرف ایک موسم گرمی کا کاٹ سکیں اور جنکو اپنی بیہودہ دخل اندازی سے ایک بر اعظم کو تباہی میں مبتلا کرنے کے خدشہ کی پروا نہیں ہے گویا یہ لوگ یا تو اپنی رائے پر بڑے زعم کے ساتھہ بھروسا رکھتے ہیں کہ ناکافی مصالح سے نتیجے پیدا کرتے ہیں یا یہ ہے کہ جو مونسٹ کے خیالات وہ ظاہر کرتے ہیں اُس کی علت صرف یہ ہے کہ وہ اپنے ہموطنوں سے دلمیں اختلاف رکھتے ہیں اور اس اختلاف کے چھپانے کے لیئے اہل ہند کی محبت کو پردہ بنایا چاہتے ہیں۔ یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ انگلستان میں چند پولیٹیشن کا ایک گروہ ہے جو یا تو سنکسر المزاجی سے اپنے قومی فخر کو دل سے مٹانا چاہتے ہیں یا صرف اس خوشی کے لیئے کہ وہ ایماندار ہیں سب سے فائق ثابت ہوں اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے ملک کے کارناموں کو حقیر کر کے اور اپنے ان ہم قوم لوگوں کے چال چلن کو جو وطن سے باہر ہیں سیاہ کر کے دکھلائیں۔ یہ لوگ قومی پاسداری کو عیب جانتے ہیں اور اگر کبھی اسکو ظاہر بھی کرتے ہیں تو کچھ ایسے ناقص طریقہ پر کرتے ہیں کہ

جنکو سمجھنا مشکل ہے سلطنت برطانیہ کے عروج اور شوکت میں بھی انکو کسی طرح کی دلچسپی نہیں ہے ایسے ہی بعض لوگ اور ہیں جو ایسے سخت متعصب ڈ اکٹی نیز ہیں کہ وہ ریپریزنٹیٹو گورنمنٹ سے لوگوں کے برباد ہونے کو بہتر جانتے ہیں بجائے اُسکے کہ بغیر اسی گورنمنٹ کے خوش رہیں اور ترقی کریں ان کے نزدیک ریپریزنٹیٹو گورنمنٹ گویا ایک پرستش کی چیز ہے کہ جسکے سامنے وہ دلی مسرت کے ساتھ لاکھوں کی خوشیونکو ذبح کرنے پر طیار رہیں ایسے لوگ ہماری بحث سے خارج ہیں اور ان سے کلام کرنا عبث ہے۔

اب میں اس سوال کو لیتا ہوں کہ انگریزوں نے ہندوستانیوں کی کیا خدمتیں کی ہیں اور آپ مجکو معاف کرینگے اگر میں اپنے ملکی فخر کے جوش میں ان کاموں کو بیان کروں جو ہمارے ملک نے مشرق میں کیے ہیں۔ "انگلستان" جیسا کہ ایم جو ٹلیس فیری نے کہا ہے: "آزاد قوموں کا سب سے بڑا معلم ہے"۔ جب وہ ہندوستان میں آیا تو یہ ناشاد ملک مسلسل خانہ جنگیوں کا شکار بن رہا تھا اور رعایا قزاقوں کے بڑے گروہوں سے پٹی لٹتی تھی۔ جو کچھ تہذیب سلطنت مغلیہ کے تحت میں اسکو نصیب تھی وہ بھی جلد جلد مٹتی جاتی تھی یہاں تک کہ راستہ چلنے کو سڑکیں تک نہیں رہی تھیں۔ پنجاب میں سکھوں کے زمانہ میں علم کا جاننا تک جرم سمجھا جاتا تھا۔ کسان ہتھیار باندھکر کھیت میں ہل چلاتے تھے جان و مال کی حفاظت نہ تھی۔ ڈاک رسانی کا صرف یہ ذریعہ تھا کہ ڈاکیے خط لیجاتے تھے جنہوں نے یہ نئی ترکیب نکالی تھی کہ اگر رستہ میں لٹ گئے تو اپنے تئیں بھی ہیں مار ڈالا۔ کماؤں گزیٹیر میں یہ بیان ہے کہ کس طرح ایک گورکھی سردار نے تین ہنڈیاں برہمنوں کی آنکھوں سے بھر لیں۔ اول نعمت جو انگلستان نے ہندوستانکو بخشی

وہ امن تہا اس کے بعد اُسنے حقیقی تہذیب کی بنا ڈالی اور آج کل ایک معمولی شریف آدمی ان نعمتوں سے متمتع ہو سکتا ہے جو دلّی کے شہنشاہوں کو بھی نصیب نہ تہیں۔ اخرالامر (اور کوئی بتلائے کہ کس ملک نے اپنی محکوم رعایا کے لئے ایسا کیا ہے؟) اسنے رعایا کو تعلیم دینی شروع کی محض اپنا فرض سمجھکر بغیر اس خیال کے کہ کیا نتیجے ہونگے یہانتک کہ الفنسٹن نے جب کالج قائم کیا جو اُس کے نام سے ابتک ہے تو یہ کہا تہا کہ خواہ تعلیم سے ہماری حکومت ہی کو زوال کیوں نہو جائے۔ کیا فرانسیسی ملک الجزائر میں عربوں کا ایسا ہی خیال رکہتے ہیں؟ کیا زار روس نے اور کسی کو نہیں اپنی ہی روسی رعایا کو یہ اختیارات دے رکہے ہیں؟ اخیر اس عظیم الشان کام کرنے کی علت اور غایت جس سے وہ کام ہوا کیا ہے؟ اسکا سبب صرف وہ فرض منصبی کا خیال ہے جو ہر ایک انگلو انڈین حاکم کے دل میں ہا ہے جسنے فی الحقیقت وہ کام کیا ہے۔ یہ بات ناممکن ہے کہ انڈین سول سروس کے لوگوں سے اچہی طرح ملاقات ہو اور اس بات کو تسلیم نہ کیا جائے کہ ایمانداری اور اثبات کی خواہش اور اسپر عمل کہ رعایا خوشحال رہے اُن میں سے اکثر کا دلی مقصد نہیں ہے۔ میں ایک انگریز نہیں بلکہ بہت سے انگریزوں کے نام لے سکتا ہوں جنکو ہر شخص تسلیم کریگا کہ وہ اہل ہند کے سچے دوست ہیں۔ سول سروس کی دیانت داری کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ شاید دنیا میں وہ سب سے زیادہ پاک ہے اور اگر آپ اسکا مقابلہ یونائیٹڈ سٹیٹس کے پولیٹشن اور حکام سے کریں تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ یہ دیانت داری وہ نعمت ہے جو فی الحقیقت کسی ملک کو نصیب نہیں ہوا کرتی چنانچہ میں ہندوستانی سولین کے مزاج کی فیاضی کے دو ایک واقعے بطور مثال کے بیان کرتا ہوں۔ جب کسی علاقہ آراضی کا وارث یتیم ہوتا ہے تو اُس کے زمانہ خردسالی میں گورنمنٹ اُسکی جائداد کے بندوبست میں دخل دیتی ہے جسکا ہمیشہ یہ نتیجہ ہوتا ہے

کہ قرضہ بیباق ہو جاتا ہے یا بہت کم رہ جاتا ہے اور جائیداد بجائے اسکے کہ مالک کی خردسالی کے زمانے میں تلف ہو مالیت میں بہت بڑھکر وارث کو دیجاتی ہے۔ کلکٹر ضلع اکثر اپنا ذاتی رسوخ استعمال کرتا ہے تاکہ وہ زمینداروں یا زمینداروں اور کاشتکاروں میں ایسی تنازع کو جو باعث بربادی کا ہو روک دے۔ میں ایک تعلقہ دار کو جانتا ہوں جسنے اپنی کل جائیداد کلکٹر کے سپرد کرکے اپنے تئیں تباہی سے بچالیا۔ کلکٹر نے سرکاری ضمانت کی مدد سے کم سود پر روپیہ قرض لیکر پہلا قرضہ ادا کردیا اور تعلقہ دار کی ایک معقول آمدنی مقرر کرکے کل جائیداد کو اصلی حالت پر لانے کی کوشش کر رہا ہے۔ کیا یہ کام ان لوگوں سے ہو سکتے ہیں جو ہندوستانیوں کی سلامتی کی فکر نہیں رکھتے؟ میں اس سروس کے دوسرے صیغہ یعنی ڈاکٹروں کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ کون شخص اسبات کا اندازہ کرسکتا ہے کہ تکلیف و مصیبت کو ان لوگوں نے کسقدر کم کیا ہے؟ رات اور دن سخت سے سخت گھمس کی گرمی میں وہ اسپتالوں میں مریضوں کا مفت علاج کرتے ہیں۔ ایک سال میں انہوں نے خود اور اپنے ماتحتوں کے ذریعے ایک کروڑ چالیس لاکھ آدمیوں کو علاجی امداد پہونچائی۔

آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں سول سرجنوں کے بجائے نیٹو ڈاکٹر نہیں مقرر ہو سکتے۔ لیکن مسٹر دادابھائی نوروجی کے پاس ہندوستان کے درد کا یہی چلتا نسخہ ہے کہ ان اجنبی لوگوں سے جیسا کہ وہ انگریزوں کو اپنے حسن اخلاق سے خطاب کرتے ہیں کسی طرح پیچھا چھڑاؤ۔ حقیقت یہ ہے کہ مسٹر نوروجی نے اپنی عملی زندگی کا بڑا حصہ انگلستان میں گذارا ہے اور ہندوستان کا بہت کم علم رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ خود ہندوستان میں اجنبی کی حیثیت رکھتے ہیں وہ اپنے تئیں ہندوستان کا وکیل

اور دوست بتاتے ہیں لیکن در اصل وہ فرزبری کے انتخاب کرنیوالوں کے وکیل ہیں
اور مسٹر ایس مہتہ اور ان لوگوں کی طرح جو اپنے تئیں ہندوستانکا دوست کہتے
ہیں اس ملک کے دشمن ہیں خواہ وہ اسباب کو جانتے ہوں کیونکہ جو کچھ سرحدوں کی نسبت
درست ہے وہی اوصیغوں کی نسبت بھی سچ ہے۔ ہندوستان ہندوستانیوں کی تعلیمی
لیاقت میں بہت مفلس ہے وہ شخص اہل ہندوستان کا دوست نہیں ہے جو اس واقع
سے اپنی آنکھیں بند کرلے۔ عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی دولت اور علم
میں ترقی سب ان کاموں کی وجہ سے ہے جو اینگلو انڈین نے ہندوستان میں کیے
ہیں۔ انگریزوں کو ملک سے نکالنا گویا اس بطخ کو مارنا ہے جو سونے کے انڈے دیا کرتی تھی
۔قیام امن اور اشاعت انصاف کے تمام عالیشان سوالات کو چھوڑ کر یہ امر یقینی ہے کہ ہندوستان
کو اپنی موجودہ حالت میں انگلستان کی تجارتی اشیا خریدنے کی ضرورت ہے اور اگرچہ
جو قیمت دینی پڑتی ہے وہ زیادہ ہے لیکن اسوقت ہندوستان کو اسی میں کفایت ہے اور
صرف یہی نہیں بلکہ اسکو ان بہترین آدمیوں کی ضرورت ہے جو انگلستان مہیا کرسکے۔ اور
اگر اس روپیہ کی قیمت گھٹنے کی وجہ سے اس کے حاکموں کی عمدگی میں کمی پیدا ہوئی تو یہ
اسکے لیئے بڑی خوف کی بات ہے۔ نیشنل کونگریس نے انگریزوں سے نفرت رکھنے کے
جوش میں یا کفایت شعاری میں کوتاہ بینی سے اس کم مقدار معاوضہ سے اختلاف کیا
جو انگریزی حکام کو ایکسچینج کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔ میںنے ایک کونگریس کے حامی سے
پوچھا کہ کیا وہ کم درجہ کے سولین پسند کرینگے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں ہم اسنے
بھی بہتر آدمی چاہتے ہیں لیکن کم تنخواہ پر۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ صاحب ان معاملاتکا
زیادہ تجربہ نہیں رکھتے تھے۔،،

اسلئے جب کہ یہ امر ضروری ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کی ایک تعداد کا تقرر ہو
اور یہ بات بھی اس امر کے خلاف کسی طرح نہیں پڑتی کہ ملکہ معظمہ کے تحت میں جیسا کہ
قیصران روم کے زمانے میں تھا کہ دیسی بہت سے اعلیٰ درجہ کے ملکی اور فوجی عہدوں پر
معمور ہیں تو ہمکو بہترین کوششیں اس بات کی کرنی چاہئیں کہ انگریزوں اور ہندوستانیوں میں
دوستی کے خیالات کو ترقی ہو۔ انگریزوں کے سامنے ہندوستانیوں کے اوصاف بیان
کرنے چاہئیں اور ہندوستانیوں سے کہنا چاہیئے کہ وہ انگریزوں کے ساتھ انصاف
کریں۔ اس سے بڑھکر بات یہ ہے کہ ہمکو لوگوں میں شہنشاہی کے خیالات یعنی یہ کہ وہ ایک
شہنشاہ کی رعایا اور ایک سلطنت میں بسنے والے لوگ ہیں پیدا کرنے چاہئیں تاکہ وہ سب ایک مشترک
بھلائی کے لئے متحد ہو جائیں اور ہمکو ایسے انگریزوں کو جو ہندوستانیوں پر طنز کرتے
ہیں اور ان ہندوستانیوں کو جو انگریزوں کے عیبوں میں مبالغہ کرتے ہیں۔ یہ سمجھنا چاہئیے
کہ وہ ان خیالات شہنشاہی کی شان کے خلاف عمل رکھتے ہیں یہ دونوں طرح کے لوگ
ایک ہی غلطی میں مبتلا ہیں اور وہ غلطی ناانصافی ہے۔ اگر ان دونوں کی حالتیں پلٹ
دیجائیں تو ایک دوسرے کے اسی خیال کو قبول کرے جسکو کہ وہ دوسرے میں قابل الزام
ٹھیراتا تھا۔ غرض ایسے دونوں لوگ اس شہنشاہی کے کامل اتحاد میں رخنہ ڈالتے ہیں
اس وقت تک جو باتیں بدلائل پیش کی گئیں وہ ہندو اور مسلمانوں بنگالی اور
راجپوتوں سب پر یکساں عائد ہوتی ہیں۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ان سب کی بہبودی
اس بات سے ترقی پا سکتی ہے کہ انگریزوں اور ہندوستانیوں میں اتحاد پیدا ہو۔ اب
میں صرف مسلمانوں سے بحث رکھوں گا اور یہ کام میرے لئے آسان اور دل کا خوش
کرنے والا ہے۔ کیونکہ مجھکو ایک ایسی پولیسی کے اختلاف میں نہیں بلکہ موافقت میں گفتگو

کرنی ہوگی جسکو عام قبولیت حاصل ہوگئی ہے۔

کلکتے کے ہندو اخبار نویسوں کو کوئی نصیحت یا دلیل دشنام دہی کی پولیسی سی نہیں پہیر سکتی۔ لارڈ ڈفرن نے انہیں اڈیٹروں سے درخواست کی کہ اگر عقل سے بہرہ ہے تو اپنی تحریروں میں اعتدال پیدا کرو لیکن نتیجہ یہی ہوا کہ اور بڑہ چڑہ کر ملامت اور نفرین کی بوچہاڑیں پڑیں۔ دلیل اور حجت تو اُنکی نسبت یہ سمجہہ لینا چاہیئے کہ ان میں سے اکثروں کو اتنی ہی پولیٹکل تعلیم نہیں ہے جو ایک معقول دلیل کے معنی و مفہوم سمجہنے کے لیئے ضروری ہے۔ غرض جس حالت میں کہ انگریزی تعلیم یافتہ ہندوؤنکا میل طبیعت سرکشی کیطرف ہے تو تعلیم یافتہ مسلمان خیر خواہی اور گورنمنٹ کا انصاف جتانے کیطرف راغب ہیں یہ دونوں قسم کی تحریکیں جس طرح کا اثر عوام الناس کے دلپر کہتی ہیں اسکی ایک عمدہ نقل ایک ہندوستانی تماشہ میں جو کہ ہندوستانیوں کے سامنے ہو رہا تہا میں نے دیکہی ہے۔ تماشہ کا مضمون کونگریس اور انٹی کونگریس تہا۔ کونگریس کے پریسیڈنٹ نے حسب دستور انگریزونکی مذمت کرکے اپنے گلے پر انگلی پہیرے تاکہ انگریزوں کی نسبت جو اُنکا خیال ہے وہ سب پر ظاہر ہو جائے۔ انٹی کونگریس کے مسلمان سردار نے بہت فصاحت کے ساتہہ ان برکتوں کا ذکر کیا جو انگریزی گورنمنٹ کی وجہ سے ملک کو ملی ہیں اور یہ بیان کیا کہ کس طرح ہندوستان جنگل سے باغ بن گیا۔ اب ہمکو دیکہنا چاہیئے کہ ان دونوں خیالوں میں اختلاف کس وجہ سے ہے۔ کیا اُن میں سے ایک قوم ہمارے دور سلطنت میں دولت و اقبال میں بڑہ گئی ہے اور دوسری گہٹ گئی ہے؟۔ ہاں۔ لیکن حیرت کا مقام ہے کہ شکر گذار وہ ہے جو گہٹی ہے اور وہ نہیں جو بڑہی ہے۔ اس تحریر میں ان اسباب پر بحث کرنی اصل مضمون سے دور

بڑھجائیگی جنہوں نے انگریزی تعلیم یافتہ ہندوؤں میں بدخواہی کے خیالات پیدا کیے ہیں۔ مختصر طور پر میں خیال کرتا ہوں کہ یہ ہماری اپنی ہی غلطی ہے اور نتیجہ پہلے اس یقین کا کہ جو کچھ طلب کیا جاتا ہے وہ اس ام اے ویلا مچانے سے ملجائیگا۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ مسلمان اس سے کیونکر بے داغ رہے۔ اسکا جواب میں یقین کرتا ہوں کہ یہی کہ مسلمانوں میں جو خیالات چلے آتے ہیں وہ ان بنگالی جوش دلانے والوں کے مقاصد اور طریقوں کے خلاف ہیں۔ مسلمانوں کو سرکشی کی سزا کا تجربہ ہے ان کو بالانتظام ایک بڑے سردار سے یہ تعلیم ہوئی ہے کہ انگریزوں کو اپنا دوست سمجھیں اور ترقی یافتہ ہندوؤں کے پولیسی نے مسلمانوں کو خود اپنے بچاؤ کے لیے گورنمنٹ کا طرفدار بنا دیا ہے۔

مسلمانوں۔ سکھوں۔ مرہٹوں۔ راجپوتوں۔ اور مشرق کی اور حکمراں قوموں میں جو پولٹیکل خیالات قدیم سے چلے آتے ہیں وہ شخصی سلطنت اور حق نمک خواری کے طرفدار ہیں۔ مشرقی آئین گورنمنٹ کا بہترین طریقہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ انصاف۔ فیاضی۔ اور دانشمندی کے ساتھہ حاکم اس گورنمنٹ پر کامل طور پر حکومت کر رہا ہو۔ یہ وہ خیالات ہیں جو تاریخ کی کتابوں۔ دیسی ریاستوں اور برٹش ہندوستان میں ہر شخص دیکھہ سکتا ہے۔ مشرق کا علم آدم نے بہرا پڑا ہے۔ آج کل بھی جیسا ہمیشہ ہوا ہے اچھا حاکم وہی شخص ہے جو ذمہ داری قبول کرنے میں قوت اور مستعدی کے ساتھہ مہربانی اور اخلاق کو شامل کرتا ہے۔ یہ خیال کہ رعایا خود حکمراں بنے یعنی جمہوری گورنمنٹ ہو سوائے اُن چند لوگوں کے جنہوں نے مغربی خیالات کی تعلیم پائی ہے (اور ان میں بھی بہت کم اسکو پورے طور پر سمجھہ سکے ہیں) کسی کو نہیں معلوم۔ وہ لوگ جو صدہا سال سے اسبات کے عادی ہیں کہ سر اونچا کرکے اوپر سے حکم سنیں

وہ دفعتاً اپنی اس عادت کو نہیں چھوڑ سکتے اور یہ نہیں سمجھ سکتے کہ کیونکر وہ حکم نیچے سے پیدا ہوگا۔ جب انتخاب کا طریقہ مینو سپلٹیوں میں جاری ہوا تو ایک ہندو زمیندار نے پوچھا کہ کیا سرکار بڑھیا ہے کہ وہ ان آدمیوں کو نہیں پسند کر سکتی جنکو شہر کی کونسل میں بیٹھنا چاہیئے۔ وہ رعایا سے ان کاموں کی کیوں درخواست کرتی ہے جو اسکو خود کرنے چاہیئں"

ہندوستان کی رعایا میں جو خیال پھیلا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ حق حکومت بادشاہ کو صرف حاصل ہے یعنی ملک کو جو خدا سے اسکو ملا ہے اور دراں حالیکہ قوت اور ذمہ دار ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتی تو رعایا نہیں بلکہ گورنمنٹ اسباب کی ذمہ دار رہتی ملک میں انتظام قائم رکھے۔ اسکو دشمنوں سے بچائے اور ضروری روپیہ اسکے لیئے مہیا کرے۔ یہی خیال کا پتہ نیشنل کونگریس کے رزولیوشنوں میں بھی چلتا ہے جنمیں گورنمنٹ سے درخواست کی گئی ہے کہ ٹیکس کم کردیئے جائیں اور خرچ بڑھا دیا جاوے۔ اور اسبات سے بالکل بے پروائی ظاہر کی ہے کہ روپیہ کہاں سے آئیگا۔ صرف اسکا مہیا کرنا گورنمنٹ کا فرض سمجھ لیا ہے۔ اب اگر ہم رعایا کو اختیارات دیدیں تو ہم کو فوراً یہ مشکل پیش آئیگی کہ ذمہ داری کے بوجھ کو رعایا قبول نکرے گی اور گورنمنٹ بغیر اختیارات کے ذمہ داری کو قبول کرنہ سکے گی تو ایسی حالت میں ملک کی حکومت کا ذمہ دار کوئی نہ ہوگا۔ یہی بدیہی اسباب ہیں جنہوں نے ہندوستان کی اُن قوموں کو جنکو حکومت کا تجربہ ہے ان خیالی مسائل ریفارم کی طرف سے بد اعتقاد کردیا ہے اور علانیہ نفرت دلادی ہے۔ پھر یہ مسائل بھی ان ہیں جو ہندوستان کی سرزمین پر بالکل نئے اور انوکھے ہیں اور جنکے سمجھنے میں لوگ غلط فہمیاں کرتے ہیں اور جن کی بنا مغربی حکومتوں کی غلامانہ تقلید پر ڈالی گئی ہے اور

جنکے سنبھالنے والے وہ بے عقل۔ بد پکل انگریز ہیں جنہیں نہ دماغ ملا ہے اور نہ صبر کہ وہ ملک کی حقیقی ضرورتوں کو سمجھیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ مشرقی خیالات اس بات کی تعلیم دیتے ہیں کہ حاکم کے ساتھہ خیر خواہی کرنا خواہ وہ کسی قوم وملت کا ہو نیکی ہے اور اس کے ساتھہ بدخواہی کرنا گناہ ہے۔ اور خاصکر اگر کسی شخص نے اپنے آقا کا نمک کھایا ہے تو پوری اطاعت یہاں تک کہ جان تک قربان کر دینے کی توقع اُس سے کیجاتی ہے۔ سلاطین مغلیہ کے ہاں راجپوتوں کی فوج سے زیادہ خیر خواہ کوئی فوج نہ تھی۔ میدان پانی پت میں مرہٹوں کا سب سے بڑا سپہ سالار مسلمان تھا۔ ایک نتیجہ اس خیال کا یہ بھی تھا کہ کسی شخص کی قومیت اُسکے اعلیٰ عہدوں پر تقرر پانے میں مانع نہ تھی اس خیال کو مٹانے میں جیسا کہ کانگریس والے کوشش کر رہے ہیں کہ بدخواہ مفسدوں کو قوم کا حامی بنا کر تعریض کرتے ہیں اور خیر خواہ لوگوں کو خوشامدی اور طامع ٹھیرا کر سب میں اُنکی نفرت کراتے ہیں۔ ایک بڑا ضرر شامل ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں کو اعلیٰ عہدہ خاصکر فوج میں نہ مل سکیں گے اور کوئی چیز اس کے برابر نقصان دہ نہوگی۔

غرض مسلمانوں کے قدیم خیالات اور اسی طرح سے حکمراں ہندو قوموں کے خیال نے انکو پہلے ہی سے اس طرف راغب کر رکھا ہے کہ ایسے تمام مفسدوں کے طریقوں کو جو رعایا اور اُن کے حاکموں میں ناراضگی پیدا کرتے ہیں بُرا سمجھیں۔

مگر مسلمانوں کی حالت کو صاف صاف سمجھنے کے لیے ہم کو ۱۸۵۷ء سے اُنکے حالات کو دیکھنا چاہیے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر نے ان کے بہت سے شریف خاندانوں کو تباہ کر دیا اور ان خاندانوں کی تباہی کے ساتھہ بہت سا سامان تہذیب جو قدامت سے اُن کے ہاں

چلا آتا تھا غارت ہو گیا۔ انگلستان کی عظمت میں اس حادثہ سے کسی قسم کا فرق نہ آیا۔ لیکن
مسلمانوں کی قومی سلامتی کو سخت صدمہ پہنچگیا۔ اور یہی حال ۱۸۶۴ء میں وہابیوں کی
بغاوت سے ہوا۔ اس مسئلہ اصول کی خوفناک اصلیت پر بغاوت ہر حال میں مسلمانوں پر تباہی
لاتی ہے کامل طور پر ثابت ہو گئی۔ جیسی کہ مثل مشہور ہے کہ خواہ چھری خربوزہ پر گرے یا خربوزہ
چھری پر ہر حال میں خربوزہ کا ضرر ہے پس اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سرآوردہ مسلمانوں
کا تردد اس بارے میں کہ کہیں ان کی قوم کے لوگ اس بغاوت کے واویلا میں شامل نہو جائیں
کس قدر بجا اور درست ہے۔ غدر نے اپنی مصیبت کے ساتھ ایک دوسری آفت مسلمانوں پر اور
ڈالدی۔ اگرچہ یہ بات غلط فہمی سے پیدا ہوئی تھی اور ہندو اور مسلمان دونوں اس خیال میں
شامل تھے کہ انگریز ان کے مذہب کو خراب کرنا چاہتے ہیں لیکن کسی نہ کسی سبب سے انگریزوں کو
اس بات کا یقین ہو گیا کہ مسلمان اس بات میں زیادہ تقصیر وار ہیں اور اسلیئے آیندہ انکو رعایا کا
ایک خوفناک حصہ سمجھنا چاہیئے۔ انگریزی زبان سیکھنے سے مسلمانوں نے انکار کیا۔ سرکاری
نوکریوں اور علمی پیشوں میں وہ پیچھے رہ گئے۔ فضول خرچی کی عادتوں نے رفتہ رفتہ ہندو
مہاجنوں کے قرضہ میں سرتاپا مبتلا کر دیا۔ اور اس خیال سے کہ گورنمنٹ ان سے بدگمان ہے
ان کی کوششیں بالکل مفلوج ہو گئیں۔ لیکن خوش قسمتی سے ایک صورت پیدا ہوئی کہ اگر وہ نہ ہوتی
تو سامان ایسا تھا کہ مسلمان شرفاء کی حقیقت معدوم ہو جاتی اور کل قوم کی حالت ملک کی ادنیٰ
ذلیل قوموں کی طرح ہو جاتی۔ وہ خوش قسمتی کی صورت یہ تھی کہ جب مسلمانوں کی قوم اس درجہ
کی ایذا میں مبتلا تھی تو اُن میں ایک بڑا آدمی پیدا ہوا جسکا دماغ اور علمی لیاقت اُس کی
قومی ہمدردی اور اپنی قوم کے دلوں کو تسخیر کرنے میں ہم پلہ تھی۔ سید احمد اُٹھا کہ گورنمنٹ
سے اپنی قوم کا انصاف چاہے اور ان کے تعصبات کو جو انگریزوں اور انگریزی تعلیم اور انگریزی

تہذیب کیطرف سے تب مٹا دیا۔

خود مسلمانوں کی لعنت و ملامت نے اور یونیورسٹی سے خارج کردینے کے خوف نے یہانتک کہ جان لینے کے ڈروں نے بھی اس کی ہمت میں فرق پیدا نہ کیا اور اسنے اُن ذات کے قیدوں کو جو مسلمانوں نے ہندوؤں سے اختیار کرلی تھیں توڑ دیا۔ مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ انگریزی پڑھیں اور اپنے بچوں کو انگلستان بھیجیں۔ ان کی خفتہ قابلیتوں کو بیدار کیا اور انکو بتا دیا کہ ان کی بدقسمتیاں فی الحقیقت اُن ہی کی غلطیاں ہیں۔ اور ان غلطیونکا علاج اُن کے پاس ہے۔ تیس برس کی متواتر کوششوں کے بعد آخرکار مسلمانوں کی طبیعتو نے پلٹا کھایا لیکن باوجود اس کے انگریزوں کی طبیعت میں مسلمانوں کی طرف سے وہی بدگمانی رہی۔ اس لیئے کہ پریس کی آزادی سے جو اختیارات ملک کو دیئے گئے ان کو بنگالیوں اور اور لوگوں نے اس زمانے میں اس قدر بُری طرح استعمال کیا کہ اگرچہ مسلمان ان باتوں سے علیحدہ رہے لیکن انگریز عموماً یہی فرض کرتے تھے کہ گو مسلمان خاموش ہیں لیکن ان کے خیالات بھی ویسے ہی سرکش ہیں اور یہ وہ جانتے ہی ہیں کہ مسلمان اوروں سے زیادہ بہادر ہیں۔ یقین کہ اپنے حاکموں کا اعتماد حاصل کرنے کے لائق نہیں ہیں مسلمانوں پر گھٹا کی طرح چھایا رہا۔ جب یہ حالت تھی تو اُسیوقت میں نیشنل کونگریس کا چرچا ہندوستان میں ہوا۔ کانگریس کے خاص خاص خیالات یہ تھے کہ حکومت مجارتی کے اصول کی بنیاد ڈالی جائے سول سروس کا امتحان انگلستان اور ہندوستان دونوں میں ہو اور پرونشل سروس جو ہندوستانیوں کے لیئے ہے انہیں مقابلہ کے امتحان سے تقرر ہو مسلمان فوراً سمجھ گئے انتخاب قوم اور مذہب کے لحاظ سے ہوگا جیسے کہ نئی لیجسلیٹو کونسلوں سے ثابت ہوا ہے اور اس لیے ضرور ہے کہ رائے کی کثرت ہمکو دبالے جس قسم کا برتاؤ ظاہر

کہ مسلمانوں کے ساتھہ وہ لوگ کرتے جو اُن کے محکوم ہو چکے ہیں طرح طرح سے ظاہر ہو چکا تھا
لیکن اس سلئے کہ اُس میں کوئی شک و شبہ نہ رہے کانگرس کے خلاف بڑے شد و مد سے آج
زمانے میں جوش پیدا ہوا۔ مسلمان سمجھہ گئے کہ امتحان سول سروس کی تجویز اگر عمل کی تو ہنود
حاکموں کی جگہہ جو کسی کی طرفداری نہیں کرتے وہ لوگ بھرتی ہو جائینگے جو انسے تعصب اور
بکی دشمنی رکھتے ہیں بلکہ سیکرٹری اوف سٹٹ اور گورنمنٹ اوف انڈیا کے قول کے
موافق جسکو یہاں ہم نقل کرتے ہیں۔ اس تجویز میں یہ بات شامل ہو گی کہ پروونشل سروس
میں جو آسامیاں دی گیٔی ہیں وہ منسوخ کردی جائیں یہ قلیل فائدہ کہ چار یا پانچ آسامیاں
مل جائینگی اسکا مقابلہ بیج گنے نقصان سے ہوگا یعنی یہ کہ پروونشل سروس میں جو اعلیٰ
آسامیاں بطور انعام کے ملتی ہیں ان میں مسلمانوں کو حصہ نہیں مل سکیگا۔ یہ تجویز کہ پروونشل
سروس میں مقابلہ کے امتحان سے آسامیاں ملیں جس میں تین ہزار سات سو منتخب آسامیوں
سے کم نہیں ہیں جن کی تنخواہیں سو روپئے لیکر ہزار روپیہ ماہانہ تک ہیں اور جن میں صرف
تقریباً نوے فیصدی ہندوستانیوں کے پاس ہیں تو اس تجویز سے مسلمانوں کی تعداد جو ان آسامیوں
پر مامور ہوں گے صرف پانچ فیصدی رہجائیگی اور اخیر میں جب انگریزوں کی جگہہ ہندوستانی
بجائینگے تو چھوٹی چھوٹی آسامیوں سے جو تقریباً پچاس ہزار سے کم نہیں ہیں مسلمان بالکل
ہی خارج ہو جائینگے۔ پس مسلمانوں نے دیکھا کہ کانگریس کی کامیابی کے معنے سوائے
اس کے کچھہ نہیں ہیں کہ نوکریاں جائیں آزادی جائے۔ اقبال جائے اور کھانے کو گوشت
تک نہ ملے پس اس لیئے انہوں نے اس تحریک سے اپنی مخالفت اس طرح ظاہر کی کہ تمام ملک
میں پبلک جلسے کیئے اخبارونکو لکھا پارلیمنٹ میں بڑی بڑی عرضیاں بھیجیں اور یہ خواہش
ظاہر کی کہ برٹش گورنمنٹ کو اپنی پوری طاقت اور سطوت سے قائم رہنا ضروری ہے جب

گورمنٹ کو مسلمانوں سے خلاف توقع اس طرح دفعتاً مدد پہونچی تو اسکا اثر یہ ہوا کہ مسلمان بجائے اسکے کہ سب سے زیادہ سرکش رعایا میں تجھے جائیں سب سے زیادہ خیرخواہ شمار ہونے لگے مشترکہ مقاصد کی پیروی میں مسلمان اور انگریز یکجا جمع ہونے لگے ہیں اور دوستی کے خیالات جنکا پیدا کرنا اور جنکو بڑھانا ہمارا فرض ہے پیدا ہو چلے ہیں۔

یہ بات ظاہر کرنے میں کہ کس طرح مسلمانوں نے انگریزوں کے ساتھہ دوستی اور اتحاد رکھنے اور گورمنٹ کو مدد کرنے کی پولیسی کو اختیار کیا ہے میں نے ان اسباب کو ظاہر کر دیا ہے کہ جنسے اس پولیسی کا جاری رہنا ضروری ہے۔ جو امور کہ مسلمانوں کے مفید مطلب ہیں ان میں اول تو یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کو ہرگز دوہرایا جاوے اور اس لیئے وہ باغی اور ملامت کرنے والی جماعت میں شریک نہیں ہو سکتے جنکے سرغنہ نوروزجی اور بنگالی پولیٹشین ہیں دوسرا امر یہ ہے کہ وہ نوکریوں سے محروم ہونا نہیں چاہتے اور نہ یہ کہ ہندوں کی حکومت کے ماتحت رہیں اور اس لیئے انکا فرض ہے کہ وہ نیشنل کونگریس کی تجویزوں سے مخالفت کریں اس لیئے انہوں نے اپنی اغراض کے حفاظت کے لیئے ایسوسیشن* قائم کیئے ہیں اور اسلیئے کہ ان غلط بیانیوں کی تصیحح ہوتی رہے جو کونگریس والے کرتے ہیں۔ جیسے سرولیم ویڈربرن نے کیا کہ جنکو شرم نہ آئی کہ ایسے کمینے پن اور قابل مضحکہ باتیں ہمارے بڑے ہمدرد قوم سید احمد کی نسبت لکھیں کہ گویا وہ کونگریس کی مخالفت اسلیئے کرتے ہیں کہ لفٹنٹ گورنر کو مہربان بنائیں۔ مسلمانوں کو کہا جاتا ہے کہ وہ خود غرض ہیں اور اپنے ملک کی ہمدردی نہیں رکھتے اسلیئے کہ وہ ہندوں کی کثرت رائے کا محکوم بننا نہیں چاہتے۔ لیکن اگر یہ تجویز کیا جائے کہ ہندوں کو مسلمانوں کی کثرت رای کا محکوم

* ایک پولیٹکل انجمن شمالی ہندوستان کے سربرآوردہ مسلمانوں نے قایم کیا ہے اور اسکا نام محمڈن اینگلو اورینٹل ڈیفنس ایسوسیشن رکھا ہے

بنایا جاوے تو معلوم نہیں ہندو اُسپر کیا کہیں گے۔ ایک مثال سے یہ بات ظاہر ہو جائیگی
کچھ عرصہ ہوا کہ ممالک مغربی و شمالی میں جس قدر کالج ہیں اُن کے پرنسپلوں سے درخواست
کی گئی کہ نہیں ڈپٹی کلکٹری کی آسامیوں کے لئے اپنے ہاں سے طالب علموں کو نامزد کریں
چونکہ اُن لوگوں میں جو ان آسامیوں کے لئے نامزد کیے گئے مسلمان اتفاق سے زیادہ
تھے۔ اس لیئے بنگالی اخبار نویسوں کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے انگریزوں پر
الزام لگایا کہ انہوں نے اس بے انصافی کے اصول کو کہ "تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو"
برتا ہے۔ اس اصول کے عجیب معنی یہ لوگ لیتے ہیں کہ گورنمنٹ کی سرپرستی مختلف قوموں
پر مختلف ہونی بڑی ظلم اور بداخلاقی کی پالسی ہے۔ صوبہ بنگال میں جہاں ایک تہائی
رعایا مسلمان ہے وہاں چہاسٹھ ایسی ہی آسامیاں ۱۸۷۴ء سے ۱۸۹۳ء تک
مقابلہ کے امتحان سے دی گئیں جن میں سے ایک آسامی بھی مسلمان کو نہ مل سکی۔ کوئی
ایسا انتظام جس میں بنگالی ہندوؤں ہی کو صرف آسامیاں مل سکیں اور گورنمنٹ کی سرپرستی
کسی دوسرے پر نہو وہ چیز ہے جس کے لیئے یہ لوگ شورش مچاتے ہیں کہ کل ہندوستان میں
جاری ہو جاوے۔ یہ لیٹن زبان کا اصول جو اوپر لکھا ہے جسقدر معنے اُس کے لیئے
جا سکتے ہیں اُنکو ایک ہتھیار بنایا ہے جو گورنمنٹ کے خلاف چلایا جاتا ہے۔ لیکن الزام
کہ ہندوستان کی مختلف قوموں میں فساد پھیلایا جاتا ہے ہمیشہ نہایت بے انصافی
سے لگایا جاتا ہے اور خاص کر جبکہ اس الزام کے دینے والے وہ لوگ ہیں جو اپنی حملہ آور
پالسی اور گاؤکشی سبھاؤں اور اور ایسے ہی کاموں سے خود اس تفرقے کے اصلی بانی
قرار پاتے ہیں۔ حالانکہ گورنمنٹ ہوشیار رہتی ہے کہ ان لوگوں کو لڑنے سے روکے
اور ان اضلاع کو سزا دیتی ہے جو زیادتی کرتے ہیں اور اپنا کل رسوخ امن اور دوستی کے

پیدا کرنے میں صرف کرتے ہے

جب تک مسلمان اپنے مفید مقاصد کی حفاظت کرتے ہوں تو ان کو چاہیے کہ اپنے ہم ملک ہندوؤں کے ساتھ زیادتی کرنے سے ہر حال میں پرہیز کریں۔ خاصکر گاؤکشی اسطرح نہ کریں کہ بے وجہ ہندوؤں کے خیالات کو تکلیف پہونچے اور نہ اس کام کے لیئے ایسی جگہہ کے متلاشی رہیں جہاں رواج نے اسکو جائز نہیں رکھا ہے۔ پولیٹکل معاملات میں ان کو ایسے ہندوؤں کے ساتھ شریک ہو کر کام کرنا چاہیئے۔ جو گورنمنٹ کے وفادار ہیں اور شہنشاہی خیالات دل میں رکھتے ہیں اور ان ہندوؤں میں بڑے بڑے خاندان اور اعلی رتبہ کی ذاتیں شامل ہیں۔ لیکن مسلمان ہرگز ان کوتاہ اندیش لوگوں سے واسطہ اور اتفاق نہیں رکھ سکتے جو بغاوت اور سرکشی کی پیروی میں مصروف ہیں۔ اس کی امید ہو سکتی ہے کہ زمانہ ان لوگوں کو بھی سوجھا دیگا کہ ایک حد ہے جسکے آگے برٹش گورنمنٹ ان کی کسی بات کو ہرگز تسلیم نہ کرے گی۔ سکرٹری اوف سٹیٹ برائے ہند کے قابل تعریف تحریر سے جو امتحان سول سروس کی تجویز کے بارے میں تھی ظاہر ہے کہ گورنمنٹ ہرگز اپنے اختیارات کو ڈھیلا چھوڑنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ انگریزی انصاف کبھی اسبات کی اجازت نہ دیگا کہ ایک قوم دوسری قوم کو پائمال کرے۔ علاوہ اس کے انگریزوں کی عقل اس بدخواہی کو حصول مناصب کے لیئے سفارش نہیں تصور کر سکتی۔ یہ بدخواہی خواہ اسوقت ایسی معلوم ہوتی ہو کہ جس سے کچھ ملجاتا ہے لیکن اخیر میں ناکامی محض اسکا انجام ہوگا۔

ہندوستان کی قوموں میں وہ لوگ جو وفادار ہیں اور وہ جو بدخواہ ہیں اپنے اپنے اعمال کی جزا اسی طرح پائینگے جس طرح ایام غدر میں ان وفاداروں نے جو سرکار کیجانب سے لڑے تھے دولت اور اعزاز سے مالامال ہو کر پائی تھی اور جو اس کے خلاف لڑے تھے

انکو یہ نصیب ہوا تھا کہ یا تو ان کی جائدادیں ضبط ہو گئیں یا پنشنیں بند ہو گئیں یا مارے گئے۔

غرض اسوقت میں نے ایک مختصر اور نامکمل کیفیت ان تمام اسباب کی بیان کی ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان تمام فوائد کے لیئے جو اہل ہندوستان کے بالعموم اور مسلمانوں کے بالخصوص ہیں انگریزوں اور انگریزی گورنمنٹ سے برادرانہ اور دوستانہ خیالات کا رکھنا بجائے اسکے کہ نفرت اور حسد رکھا جائے کیوں ضروری ہے۔

لیکن ان خیالات کی بنا محض فائدہ اور خود مطلبی پر رہے یہ ایک طرح کی بے لطفی ضرور ہے۔ ایسی باتوں میں صرف ایک ہی پہلو دیکھا جاتا ہے اور وہ فطرت انسانیہ میں سب سے ادنی ہے۔ یہ خود مطلبی کی باتیں ہی حقیقت میں ایسی ہیں جو سلطنت ہند کی تاریخ نشو و نما کے بیان کرنے میں قاصر رہتی ہیں شروع شروع میں بلاشبہ نفع کی چاہ انگریزی سوداگروں کو ہندوستان میں لائی لیکن وارن ہیسٹنگز اور اس کے جانشینوں کے زمانے میں وہ نفع کا خیال اہل ہند کی عافیت اور سلامتی کی فکر میں تبدیل ہو گیا۔ اسی خیال سے گورنمنٹ ہند نے اپنا یہ اصول قرار دیا "کہ آسمان کی روشنی ہماری رہنما ہے" اور اسی اصول کا ان ہزارہا انگریزوں کے کاموں میں پتہ چلتا ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں ہندوستان میں صرف کی ہیں۔ اگر یہ پوچھا جائے کہ انگریز ہندوستانیوں سے کیوں محبت رکھتے ہیں اور کیوں ان سے ایسی ہمدردی برتتے ہیں جو انکو جرمن جیسی قوم سے بھی نہیں ہے۔ حالانکہ یہ قوم مذہب۔ علم۔ نسل ہر لحاظ سے انگریزوں سے قرابت رکھتی ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہم ایک ہی سلطنت کے رہنے والے ہیں دونوں ملکہ معظمہ کی وفادار رعایا ہیں جو انگریزوں اور ہندوستانیوں سے یکساں محبت رکھتی ہیں اور ایک ہی حیثیت ایک ہی پرشوکت شہنشاہی کے محکوم ہیں۔ ہم دونوں ایشیا اور افریقہ میں پہلو بہ پہلو

دشمنوں سے لڑے ہیں جو ہم دونوں کے دشمن تھے۔

خود مطلبی اور محض قومی باتیں وہ ہیں جو ہندوستانی سپاہ کی وفاداری اور جانفشانی کا صحیح حال بیان کرنے میں ایسی ہی قاصر ہیں جیسے کہ ینگلو انڈین کی فیاضی کے ذکر میں دہلی میں کشمیری دروازے کے باہر آپ ان انگریز اور ہندوستانی بہادروں کے نام ایک جگہ دیکھیں گے جو بارود کے تھیلے لیکر فصیل اُڑانے کو چلے اور خود ان کی آگ میں جلکر فنا ہو گئے ہم انگریز اپنی ہندوستانی سپاہ کے شکر گذار ہیں جنکی مدد کے بغیر ہم ہندوستان کی سلطنت قائم نہیں کر سکتے تھے اور اسی طرح جو شکر گذاری کے وجوہ آپکے پاس ہیں وہ بھی کچھ کم حقیقی نہیں ہیں۔

ان باتوں کو یاد کرنا جن میں ہم اور آپ شریک تھے وہ آپس کے ایک دوسرے کی شکر گذاری اور ایک ہی بادشاہ کے ساتھ دونوں کی وفاداری یہ چیزیں ہیں جو اس پختہ اتفاق کی پیدا کرنے والی ہیں جو خود مطلبی کی باتوں سے ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ فرض کر لینا کہ ہندوستان کے لوگوں کو سوائے کمینی خواہشوں کے کسی چیز سے جنبش نہیں ہوتی ایسے ہی سفلہ پن کی بات ہے جیسے کہ انگریزوں کی بلند حوصلگی کو نظرانداز کرنیکی غلطی میں پڑنا۔ ہندوستان کی قومیں دل کی سچی پُرجوش اور جس کے ساتھ محبت رکھیں انکے کام آنیوالی ہیں۔ ملکہ معظمہ اور شاہی خاندان کے ساتھ کی وفاداری کا خیال ان کے پولٹیکل خیالات میں سب سے زیادہ زبردست ہے۔ اس طرح پر جب کوئی انگریز ملکی ہمدردی کے جوش میں ہندوستان کے لوگوں کے لیئے اپنے دل میں محبت پائیگا اور وہ محبت اس خیال سے اور ترقی پکڑیگی کہ نسل انسان کے ایک بڑے حصہ کو سلامتی اور تہذیب دینے کی عزت اس کے عزیز ملک کا فرض ٹھیرا ہے تو وہ ہندو اور مسلمان جو اپنی اپنی قوموں کا درد دل رکھتے ہیں

اسی محبت کی وجہ سے اس قوم کے ہمدرد بنجائینگے جس نے ان کی ترقی کے لیئے اتنا کچھہ کیا ہے اور بہت کچھہ کر رہی ہے اور جس طرح کہ رومن سلطنت میں اس کے ہر ایک باشندے کو "میں روما کا ایک شہری ہوں" کہنے کا فخر تہا اسی طرح سے ہندوستان کا باشندہ اس قابل فخر ورثہ کو لیکر پیدا ہوگا کہ وہ سلطنت برطانیہ کی رعایا میں سے ہے اور اسکو اس پر شوکت سلطنت پر سچا ناز ہوگا جس کو قائم رکہنے میں اس کے اپنے بازو مدد کرتے ہیں۔

تہیوڈور بک

پرنسپل محمدن اینگلو اورینٹل کالج علی گڈہ

اشتہار ڈیوٹی شاپ (دوکان الفرض)

کتب ذیل درخواست کرنے پر بصیغہ ویلو یا بارسال زر نقد دوکان الفرض سے مل سکتی ہیں

المامون مصنفہ شمس العلما مولوی شبلی صاحب قیمت بلا محصول	عہ ۴ /
سیرۃ النعمان مصنفہ مولانا شبلی صاحب ایضاً	عہ / ۴
سفرنامہ روم و مصر و شام مولانای موصوف الصدر ایضاً	عہ / ۵ /
کتب خانہ اسکندریہ ایضاً	۵۰ /
دیوان حالی مصنفہ مولانا الطاف حسین حالی	عمار /
مسدس حالی مع ضمیمہ فرہنگ مصنفہ مولانا موصوف ایضاً	۱۲۰ /
شکوہ ہند ایضاً	۰۴ /
مناجات بیوہ ایضاً	۱۲۰ /

علاوہ ازیں اور کتابیں بہی موجود ہیں مگر اس مختصر میں گنجایش اندراج نہیں۔ راقم ولایت حسین منیجر ڈیوٹی شاپ مدرسۃ العلوم علی گڈہ

On this inconstant ivory one will wake
Echoes of music I loved long ago,
But thee, dim stranger who my place shall take,
Thee my death-darkened eyes shall never know.

Then, sister, think of us, who once like thee
Played on this lute, whose days of love are o'er,
Of our pale sisterhood thou too shalt be,
Whose shadowy numbers, gathering ever more

Drift by uncertain in their spectral flight,
And each, beneath the heavens wan and mute,
Hiding the movement from her sister's sight,
With soundless finger sweeps a silent lute

Sonnet. The Great Bear.

(*From the French of Sully Prudhomme*)

The Great Bear, isled within a shoreless sea,
Shone long ere eyes were born to see his light,
Long ere Chaldean shepherds roamed by night,
Or souls wore flesh, and knew anxiety.
And countless men have since gazed wistfully
On his unseeing radiance swift and bright,
But the Great Bear, all careless of their plight,
Will watch the last man die, indifferently.
The faithful shrink from thy unchristian beam,
Oh fateful shape, precise, monotonous!
Like seven gold nails in sable fields of air
Faith, baffled, marvels at thy frozen gleam,
Thy slow, sure march ; thy light mysterious
First made me falter in my evening prayer.

The last match played was that of the School Fourth Class v. Second Class, in which the Second Class won the match, and thus secured the last position on the shield.

Result of the Shield Matches.

Champion Class	Entrance Class.
II Position	First Year Class.
III "	Third Year. or Second Year.
IV	Third Class.
V	Second Class.

ABDULLAH,
C C.

POETRY

We have received the two following translations of French poems from friends in Aligarh. :—

On an Ivory Lute

Pale by-gone singers who were wont to hold
This lute, whereon in turn my finger strays,
Fancy can paint your stately grace of old,
But not the dreams you dreamed in other days.

Yet the sad wailings of the chords I sweep,
Where echoes of their tuneful past are heard,
Had power to lull your cares and griefs to sleep,
Or ease the heart-ache of your hopes deferred.

But when my life hath likewise passed away,
Dream-like forgotten in the days to be,
What other hand across the strings shall stray,
Whereon I made forgotten melody ?

(iii) *The Riding School.*

Students who join the Riding School are allowed to pay Rs. 40 in advance for the complete course; otherwise they will have to pay Rs. 5 per month for ten consecutive months. In the former case students need not attend the school in consecutive months. It is hoped that this excellent institution will be freely made use of by the students, so that it may be put on a firm financial basis. Already the value of the riding school certificate has been felt by students who apply for Government posts.

(iv) *Cricket Shield Matches.*

The Cricket Shield Matches this year were played at a time most inconvenient for the students going up for the University Examinations, but anyhow they were played out most satisfactorily. The following are the preliminary ties with the ensuing results of the matches :—

Entrance Class v. II Year Class.

Third Year Class v 1st Year Class

School Third Class v. School 5th Class

" Second Class v " 6th "

The Entrance Class defeated the Second Year Class, and the First Year Class having gained a victory over the 3rd Year Class, wanted to fight out for the first position. But they got a sound beating from the Entrance Class.

The Entrance Class having played two matches, in both of which the victory fell to their lot, secured the first position, and succeeded in keeping up their reputation as the Champion Class as last year.

The School Third Class defeated 6th Class, and Second Class defeated 5th Class.

February.

7.	Badrul Hasan Sahib	Rs. 5
11.	Abdus-Salam Sahib	Rs. 7-10
15.	Alaul Hasan Sahib	Rs 10-0
16.	Hamid Hasan Sahib	Rs. 6-0
March.		
5.	Habib Ullah Khan Sahib	Rs. 6
6.	Badrul Hasan Sahib	Rs. 5
11	Sajjad Hosain Sahib	Rs. 10
13.	Walayat Hosain Sahib	Rs. 18
18.	Qasim Beg Chaghtai Sahib	Rs. 6
19.	Ali Akbar Sahib	Rs. 2
29.	Shamsul Hasan Sahib	Rs. 5
	Abdul Qadir Sahib	Rs. 6
30.	Mohamed Ali Haqani Sahib	Rs. 1-10
April.		
4.	Ata-ur Rahman Sahib	Rs. 3 0
5.	Badrul Hasan Sahib	Rs. 5 0
26.	Mozaffer Ali Khan Sahib	Rs. 2 0
May.		
6	Badrul Hasan Sahib	Rs 5
11	Nur Bakhsh Sahib	Rs. 5
13.	Mohamed Ali Sahib, C. S.	Rs. 14
14.	Shamsul Hasan Sahib	Rs. 3
		128-4-0

(*n*) *Personal News.*

Munshi Hanuman Pershad, a graduate of the M. A.-O. College in 1887, visited Aligarh a few days ago, and from him we were glad to hear that he is now a Civil Court Judge in Rewah State. He began as an Inspector of Schools, and successively became Assistant Diwan, Munsarim of Satna Bazar, and finally in September last he obtained his present post.

Mr. Morison left Aligarh for England on six months' leave in the beginning of May, and Mr. Horst likewise went to Almora on six months' leave at the same time.

of physical education. It appears the Mahomedans of Bengal stand in need of his admonitions. For he says "that whilst "the Hindoos possess not less than half-a-dozen sporting clubs "in Calcutta, the Musalmans here have only one or two, and "those also not well-supported"; and again, "speaking of "the Musalmans in India, and especially in Bengal, their "physical deterioration may be briefly, and at the same time "more or less aptly, described by saying, that they would "prefer lying down to sitting, sitting to standing, standing "to walking, and walking to running." We can assure Mr Abdus Salam that his remarks do not apply to the Musalmans of Upper India, who love, and excel in, every kind of manly sport; and we think the most effective method of infusing a practical knowledge of physical education among the Bengal Musalmans would be for two or three dozen of their young men to come every year to read in the M. A.-O. College, and learn here to play cricket, tackle Tommy Atkins in the football field, ride bare back, put on muscle by the Sandow exercises, and acquire the use of the stick or sword for attack or defence.

We have much pleasure in stating that Siraj Ahmad, M. A., has presented Rs 67 for the College buildings on the occasion of his being appointed an Extra Assistant Commissioner, this sum being equal to 10 days' pay. It is very gratifying to find old students thus proving their love for the College And we hope that very soon the reproach so often made against our old students that they cease to care for the College when they leave its walls will be completely removed.

COLLEGE NEWS.

(1) *The Brotherhood.*

The Honorary Secretary of the M. A.-O. College Brotherhood has received the following contributions since the beginning of this year :—

January 1895.

30. Hamid Ali Khan Sahib Rs. 3

lawyers, but should look forward to years of patient work and struggle, during which time their capacities will be developed, before attaining to the object of their ambition. And there is nothing more foolish than to blame the world for not making more handsome provision for them. One of the reasons why many officials look with disfavour on the increasing numbers of educated young men is doubtless because of the signs of discontent they show at being obliged to accept positions as they think below their merits. We advise our graduates to take a more modest view of their attainments, and at the same time to be of good heart, not despairing of the future because of difficulties in the present, nor thinking that because the posts they obtain may be below their expectations they cannot by good work and the cultivation of their capacities attain to such honourable and comfortable positions as may satisfy the ambition of reasonable men.

EDITORIAL NOTES.

We are extremely sorry to record the death from consumption of Abdullah, Jemadar of the Hong Kong Regiment, and formerly Captain of the M. A.-O. College Cricket Club. He had contracted this disease through a violent attack of pneumonia. During the last cold weather being on sick leave he spent two weeks in the M. A.-O. College Boarding-House, Dr. Roberts very kindly attending him, but it was impossible to bring down the fever. Jemadar Abdullah was highly appreciated by the Colonel of his regiment, and he had received rapid promotion. Abdullah was a man of noble character; strictly conscientious, modest and brave. He bore his sufferings with great patience. His death is a great loss not only to his family and friends, but to the College, in which, though at such a distance, he kept up the liveliest interest.

We have received a pamphlet on "Physical Education in India" by Mr. Abdus Salam of the Bengal Provincial Civil Service. It consists of a lecture delivered by this gentleman to the Calcutta Mahomedan Sporting Club, and urges the importance

Such however is not yet the case. And the Native of India who can read and write English is still a sufficiently rare bird to be able to obtain a modest competency in the market. In the second place the graduate should realise that the world will only pay in proportion to the services which it gets, but on the other hand if the services which a man renders to it be valuable, he can be certain of being well paid. Now the ability to read and write English is not sufficiently uncommon, or in itself of sufficient importance to command a high salary. It is worth perhaps Rs. 50 a month. Consequently the graduate who expects to obtain Rs 100 or Rs. 200 a month, is, unless he is backed by powerful interest or is particularly distinguished, rating his services above their true level, and is liable to a painful disillusionment The posts of this value which some get are the rare prizes for the lucky only. In order that a man may obtain a large income he must acquire some special kind of knowledge or ability which the world is willing to pay for. And this can only be done by several years of work after the student has taken his degree The true function of a University is to give a liberal, not a technical education. The liberal education expands the mind, and is of immense advantage if followed by special technical training If a man enters the Government service, he has to spend years of acquiring knowledge before he becomes of much value to the Government. People are apt not to recognise that the salaries of public officers obey in the long run the ordinary economical laws of supply and demand, and that there is a constant tendency for a man to reap the reward that his abilities and special knowledge entitle him to. This is clearer in professions like the law The newly fledged L. L. B. is an ignoramus in his profession, and until he has worked for several years at the law he cannot expect to secure a large income. The whole of modern industry and commerce is regulated by the same principle. The man who can do something particularly well that very few other men are trained to do, something that is necessary for some kind of business, will be certain of obtaining a decent income. But many years may be spent in acquiring this specialized ability. Hence our graduates should not expect to blossom out at once into well-paid officials or wealthy

graduates. If by chance such a man were to apply for a post of Rs 10 to some official or business man, the latter might imagine that he had thereby discovered the true market value of the graduate, and possibly some such isolated instances have given rise to the supposition that graduates could be got for nothing. But if he were really to require a man of the literary qualifications of a graduate and were to endeavour to obtain a good man he would soon discover his error. But leaving aside those graduates, if such exist, who have gone to the dogs, there are many students who have obtained a University degree who are wanting in common sense, energy and the other qualities that are needful for success in life. And the interests of the country as a whole demand that these should not be entrusted with responsible positions. There should be a *large* area of selection for all the higher kinds of work; and there should be a sufficient supply to drive the better class of Indian graduate into professions like the Education Department where he is much required. We have said enough to indicate our reasons for believing that the Indian market is understocked with graduates. And indeed the *prima facie* consideration that a Province of 50 million inhabitants produces only one or two hundred graduates per annum for its varied needs is itself a sufficient strong argument.

Let us turn now to the other side of the picture and look at the situation from the point of view of the graduate himself. The prospect for him is less cheering. For the interests of the country and his own appear in conflict. The cheaper the graduate can be hired the better for the country, but the worse for him. He should however bear in mind two things. First, that compared with his brother in England, he is, as has been pointed out, much better off. The knowledge of English which he possesses is of a technical nature, and has a higher monetary value than the knowledge of the Greek and Roman classics which the Englishman acquires. As the clerks in the middle ages could command salaries on account of their being able to write, whereas now every workman and serving maid in England can do so, and the accomplishment has no monetary value, so the time may come when a mere knowledge of the English language will give the Indian student no special value.

barristers who would not have the least chance in England earning comfortable incomes here, in spite of the competition of hundreds of pleaders. Now if the level of legal ability in India were anything like what it is in England, many of these English barristers would stand no chance in the competition.

As to engineering, why is it that English engineers are imported into India at a highcost by the Government, by Native States, and by private firms, English and Native, if not for the simple reason that the supply of native engineering ability is utterly inadequate to the demand ?

The upshot is that India is very badly off for educated men. She has far too few, and those she has are as a rule not good enough. In quantity and in quality there is wide scope for progress. And how is an improvement in quality to be obtained ? First by bettering the education given in Indian Colleges, and second by producing educated men in such abundance that the Darwinian principles of the struggle for existence and the survival of the fittest may come into full operation.

There seems to be latent in the minds of the upholders of the theory we are attacking the shallow view that the number of graduates ought to be equal to the number of openings for employment. If this be accomplished, whether by increasing the cost of education or other means, the inevitable result must be that a number of posts will be occupied by very inferior men. To get good men there must be competition, and the weaker must go to the wall. However hard this may be on the individual, the very existence of a high state of civilization depends on intense competition. The competition is not confined to the years of early manhood but is carried on throughout the greater part of life. Competition is one of the main springs of action, calling out in a man all that is ablest in him. It is the sieve by which the strong men are separated from the feeble. It is absurd to suppose that every graduate must of necessity earn a good livelihood. Oxford and Cambridge men may be found working as coolies in America and Australia. Some men have moral defects, which bring them to ruin, whatever education they may have received, and it would be a miracle if there were none such among the Indian

masters in England we are struck at once with the extraordinary difference. Advertise a mastership in England of £100 with no prospects and crowds of men, graduates of Oxford and Cambridge, will apply for it. Now if we compare the purchasing power of the pound in England with the rupee in India we shall find that a salary of £100 for an Englishman of the lower middle classes is equivalent to about 20 Rs. a month for the man of similar position in India. To begin with it is unusual for a man of these classes to marry on a salary of less than about £300 per annum. As a rule in fact men of the professional classes do not and cannot marry below the age of 30: whereas in India every young man is supplied with a wife, whether he wishes it or no, long before this age. The main expenses of living, necessary for a man of this position, are food, rent, clothes, service and education for his children. All these items cost about five times as much for an Englishman in England as for an Indian in India. And the young schoolmaster on £100 in England is a person of higher educational qualifications than the Indian graduate, and has spent a great deal more money on his education. If these calculations are correct a salary of Rs 50 a month in India corresponds with a salary of £250 in England, for people of the corresponding social positions. And even if we reckon it only at £200, for this sum, without any prospects, the ablest graduates of Oxford and Cambridge can be obtained for schools or private tutorships in England, though of course not outside England. In Germany in the learned professions the salaries are much lower, but then the costliness of living is also much less. The conclusion is that suitably qualified men, such as a civilized country requires, can not be obtained in sufficient quantity in India as schoolmasters. And the reason is that the supply of graduates is insufficient.

The same is true of other professions. Take the law, which appears to be the most crowded, and look at the supply of pleaders not from the point of view of the number but the ability of the lawyers. Even in numbers the competition in England is much greater. There are at least ten barristers there who earn no income at all for one man who succeeds. Some of the surplus come over to India, and we see English

path that leads to beggary. This is no caricature of the view held by many persons. We have heard people say that they are besieged by graduates applying for posts of fifteen or twenty rupees a month, even that graduates apply to be taken on as common policemen on salaries of seven rupees. We have not yet met any one who has taken the trouble to verify the academical qualifications of these candidates by asking them to produce their diplomas. But the absence of proof is no hindrance to the spread of the conviction that the bazaars are full of these miserable victims of a higher education. What is the truth? The truth is that the Indian graduate is in the fortunate position of being able to obtain an artificially high price for his labour on account of his scarcity. That compared with the graduate in England he scarcely feels the struggle for existence. That in many cases he starts life where his father left off That he makes a much better income, not to speak of his improved social position, than if he were a petty tradesman. That he does not as a rule come from the trading class, and therefore does not abandon a hereditary profession. And that it is impossible to obtain good men for many of the posts which should be manned by graduates.

Let us take an example. A former Director of Public Instruction was anxious that the courses of the B. A. degree should be so planned that competent teachers should be turned out for employment in the zila schools. He wanted men well-qualified in mathematics, classical languages, &c. But his labour was useless because the pay and prospects of the education department are insufficient as compared with those of other services to attract good men into it. Now one of the first needs of a country is to obtain good schoolmasters. The men who bring up the rising generation should be not only well-educated, but should be types of manly vigour. Yet the more enterprising and capable of our University graduates spurn the education department, although they have the prospect of rising to the headmastership of a zila school, or even of promotion to be Inspectors of schools. The initial pay, however, some Rs. 40, is insufficient to attract them ; and the prospects they think inferior to those of almost every other line. When we compare this state of things with the market for school-

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 2.	JUNE 1, 1895.	No. 6.

THE GRADUATE'S STRUGGLE FOR EXISTENCE.

The object of this article is to combat two ideas first, the opinion expressed so often that the Indian Colleges turn out more educated men than the country requires—an opinion urged again and again by *The Pioneer*; and second, an exaggerated notion entertained by graduates who have just taken their degrees as to the market value of their services. The persons who hold the first of these opinions seem to think that there is an excessive supply of graduates for all the posts available for them, as that the susplus is obliged to starve and thus form an army of discontented disloyal agitators, who without reckoning what would then befall them would gladly see the whole fabric of the State upset, who are in short a species of anarchist; that therefore it is desirable to restrict the supply so that it shall not exceed the demand. The theory assumes that there are other means of earning an income which these unfortunate out-of-work B. As would have adopted, if they had not been drawn on to their ruin by the glittering prospects of a University degree. These means can hardly be the Government service, because their qualifications for that are increased by their English education. What is really meant is that the graduates are young men enticed from following the trades of their ancestors, who instead of becoming honest blacksmith, carpenters, and sweetmeat-sellers have trodden the University

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A.-O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs 3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. p. for Rs 3 or for Re. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 1 anna per line or Rs. 3 per page.

THEODORE BECK,
English Editor,

MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,
Urdu Editor.

NIAZ MUHAMMAD KHAN,
Manager.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 2.	JUNE 1, 1895.	No. 6.

CONTENTS.

ENGLISH.

URDOO

Printed at the Institute Press, Aligarh.

For Siddon's Union Club.

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج
میگزین

جلد ۲	بابت ماہ مئی سنہ ۱۸۹۵ع	نمبر ۵

فہرست مضامین

محمڈن پریس علیگڑہ میں طبع ہوا

کالج میگزین

—(**)—

قریباً چار برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اُردو ملا ہوا — علیگڈھ کالج سے نکلنا شروع ہوا — اول اول وہ علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کا ضمیمہ بن کر نکلتا رہا — لیکن سنہ ۱۸۹۴ء میں اس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی — اس کے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اُس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے — اور اس وجہہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپی نہ تھی *

اِس خیال سے اِس کے مالکوں نے اِس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جائے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ — مسلمانوں کے علوم و فنون — تاریخ اور لٹریچر کے متعلق مفید اور پر زور مضامین لکھے جائیں — اِس غرض سے اِس کے ۲۴ صفحے بالکل اُردو کے لیئے مخصوص کردیئے گئے — اور اِس حصہ کا اہتمام خاص میری سپردگی میں دیا گیا میں اِس رسالہ کے ترقی دینے میں حتی الامکان کوشش کرونگا *

ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی — نواب محسن الملک — مولوی نذیر احمد — اور منشی ذکاءاللہ — وغیرہ بزرگوں نے اِس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہی — اور اہل قلم بھی اگر اِس کی اعانت فرمائینگے تو ہم نہایت فخر کے ساتھہ قبول کرینگے *

ہم کو اُمید ہی کہ ہندوستان کی اِسلامی جماعت خریداری سے اِس کی اشاعت میں مدد دیگی — میگزین کے کل صفحات ۴۰ ہیں — اور قیمت مع محصول ڈاک — (۴ ؎) *

شبلی نعمانی — پروفیسر

مدرسۃالعلوم علیگڈھ

۱۵ اپریل سنہ ۱۸۹۵ء

نو برس سے قائم ہے۔ اور بہت کچھ نشو و نما پا چکی ہے۔ لیکن جو کچھ ہے وہ سرسید کی ذات سے ہے۔ آج اگر انکا قدم درمیان میں نہو تو (خدانا کردہ) ایجوکیشنل کانفرنس کا پتہ بہی نہیں لگ سکتا۔ ندوہ کی یہ حالت ہے کہ اسکا سکرٹری بالکل صاحب وجاہت نہیں۔ ملک میں انکو کسی حیثیت سے کچھ اقتدار نہیں حاصل ہے۔ صدر انجمن اس سے زیادہ گمنام ہیں۔ باوجود اسکے۔ ایک اعلان پر ہندوستان کے ہر گوشہ سے لبیک کی صدا بلند ہونی اور سات آٹھ سو آدمیوں کا ہزاروں کوس سے کہنچکر آجانا۔ اس بات کو بتاتا ہے کہ ندوہ میں کیسی بڑی عظیم الشان قوت مضمر ہے۔ اور اگر اس سے کام لیا جائے تو بہت بڑی کام کی چیز ہو سکتی ہے۔

پارسال تک علما کا یہ حال تہا کہ انکو ندوہ کے اجلاس میں کس کس منت اور خوشامد سے بلایا گیا تہا یہاں تک کہ ان کے آنے جانے کا خرچ ندوہ کو برداشت کرنا پڑا تہا ایک ہی برس میں ایسی دلچسپی پیدا ہو جانی کہ قلیل البضاعت علما جنکی آمدنی ۲۰-۲۵ ماہوار سے زیادہ نہیں۔ سیکڑوں کوس سے خود سفر کرکے آئیں۔ کامیابی نہیں تو کیا ہے؟

ہماری تو رائے ہے کہ علما اگر کچھ نکریں صرف اسقدر کریں کہ سال میں ایک دفعہ مل بیٹہیں۔ اور چار باتیں کر لیا کریں۔ تو انمیں خودبخود۔ وہ آزاد خیالی بے تعصبی۔ روشن ضمیری زمانہ شناسی۔ پیدا ہو جائے جو گہر پر بیٹہے سیکڑوں برس میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ ان صفات کے پیدا ہونے کے بعد۔ پہر ایک بات کی کسر بہی نہیں رہیگی۔

دوسرے پہلو تو بہت کچھ امید ہے اور امید کے سوا اس دنیا میں رہنے کیا چیز

آئندہ و گذشتہ تمنا و آرزوست یک کاشکے بود کہ بصد جا نوشتہ ایم

فقط تمام شد

[illegible] پریس علیگڑہ

کر سکتے ہیں۔

مولوی عبد الوہاب صاحب نے عالمگیر کا وہ شاہی فرمان بھی دکھلایا جسکی رو سے ملا نظام الدین کے خاندان کو فرنگی محل میں رہنے کی اجازت ملی تھی اور دو قطعہ مکان خود سلطنت کیطرف سے عطا ہوئے تھے۔ فرمان پر سنہ ۱۱۰۵ھ لکھا ہوا تھا جسکو آج ۲۰۶ برس ہوئے۔

ندوہ کی داستان تو ختم ہوئی۔ اب ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ ندوہ نے کیا کیا؟ اور آیا اس کو کچھ کامیابی بھی ہوئی یا نہیں۔ جو لوگ ہتیلی پر سرسوں جمانا چاہتے ہیں انکو تو یہی سمجھ لینا چاہیے کہ ظاہری دھوم دھام کے سوا اور کچھ نہیں ہوا لیکن جو لوگ ان مشکلات کا اندازہ کر سکتے ہیں جو ایسے عظیم الشان کام میں ہمیشہ پیش آتی ہیں انکو امید دلائی جا سکتی ہے۔

ندوۃ العلما میں اگرچہ بظاہر سیکڑوں علما شریک ہیں لیکن جنہوں نے در اصل ندوۃ العلما کا مقصد سمجھا ہے وہ صرف معدودے چند ہیں اور وہی درحقیقت ندوہ کی روح و رواں ہیں۔ نصاب تعلیم کی اصلاح بھی انہیں بزرگوں کی ذاتی رائے ہے۔ پس کیونکر توقع ہو سکتی ہے کہ جو نصاب تعلیم سیکڑوں برس سے چلا آتا ہے اور ہزاروں علما اسی طریقہ کے موافق تعلیم پا کر نکلے۔ وہ دفعۃً معدودے چند کی رائے سے بدلدیا جائیگا اتنا جو ہوا کہ علما نے اس مسئلہ کا چھیڑا جانا ناپسند نہیں کیا اور بعضوں نے ترمیم و اصلاح کی رائے بھی دی۔ تو یہ بھی بہت کچھ ہوا رفع نزاع کے متعلق یہ کچھ کم کامیابی نہیں ہوئی کہ تمام مقلد غیر مقلد شیعہ سنی ایک جگہ بیٹھتے تھے۔ لطف و محبت سے ملتے تھے۔ ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے اور خصوصاً مولوی امانت اللہ و مولوی ابراہیم کا مجمع عام میں دوستی و محبت کا اظہار کرنا تو ایک ایسی کامیابی ہے جسپر ندوہ کو جتنی مبارکباد دیجائے کم ہے۔

ندوہ حقیقت میں ایک بڑی طاقت بننے کی قابلیت رکھتی ہے۔ ہماری ایجوکیشنل کانفرنس

اسی جلسہ میں بہت سے مضامین نظم و نثر جو لوگوں نے دور دور سے بھیجے تھے۔ پیش ہوئے اور مولوی ابراہیم حسین و میر اکرام علی۔ و ظہیر احسن ناہیری وغیرہ نے اُردو نظمیں پڑھیں۔ اسی جلسہ میں یہ بھی طے ہوا کہ اراکین مجلس انتظامی کی تعداد ۱۶ سے ۳۲ کر دی جائے چنانچہ رات کو اس انتخاب کا جلسہ ہوا۔ ۱۶ نئے ممبر انتخاب کیے گئے۔

جلسہ ختم ہونے کے وقت اعلان کر دیا گیا تھا کہ ندوۃ العلما کے جلسے اور اسکی تمام کارروائیاں ختم ہو گئیں اور کل اگر کوئی کارروائی یہاں ہو گی تو اسکو ندوہ سے کچھ تعلق نہ ہوگا اسکی ضرورت اسلیے پیش آئی تھی کہ دوسرے دن لکھنؤ کے بعض آدمیوں شاہ مینا میں ایک مجمع کرنا چاہا تھا اور کیا بھی جسمیں وہ مسئلہ آرمینا اور قوانین حجاج کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ ہمکو افسوس ہے کہ باوجود اسکے ایڈوکیٹ لکھنؤ کے اخبار نے اس امر میں غلطی کی اور شاہ مینا کے جلسہ کا ذکر ایسے پیرایہ میں کیا جس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ جلسہ ندوۃ العلما سے تعلق رکھتا تھا۔

۱۰۔ اپریل کو ندوۃ العلما کے تمام مہمان رخصت ہو گئے۔ لیکن چونکہ فرنگی محل کے دو مشہور عالموں یعنی مولوی محمد نعیم صاحب المخاطب بہ شمس العلما و مولوی عبد الوہاب صاحب نے خاص علما کی دعوت کی تھی۔ اسلیے اکثر علما ٹھہر گئے۔ اور ان بزرگوں کے مکان پر جا کر شریک دعوت ہوئے۔ دعوت کا یہ جلسہ عجیب سادگی اور تاثیر رکھتا تھا جس کمرہ میں کھانا کھلایا گیا تھا وہ ملا نظام الدین کے اس حجرہ سے متصل تھا جہاں ملا صاحب بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے۔ لوگوں نے ہو بہو دیکھا کہ اگرچہ ہندوستان کا کیمبرج اور آکسفورڈ بظاہر حقیقت تھا لیکن اسی حقیقت حجرہ نے عبد العلی بحر العلوم۔ ملا کمال۔ حمد اللہ۔ ملا حسن۔ جیسے باکمال پیدا کئے کیا کیمبرج اور آکسفورڈ باوجود اس شان و شوکت کے سینکڑوں برس میں ایسے باکمال پیدا

اسکے بعد ہندوستان کی مختلف اسلامی انجمنوں کیطرف سے ندوۃ العلما کی نسبت جو سپاس نامے اور شکریہ آمیز تحریریں آئی تھیں وہ پڑھی گئیں۔ اور نہایت عمدہ کارروائی یہ ہوئی کہ متعدد مدارس اسلامیہ کے مہتمموں نے کھڑے ہوکر بیان کیا کہ انہوں نے اپنے مدارس کو ندوہ کے ماتحتی میں دیدیا ہے۔ ندوہ انکو اپنے اہتمام میں لے اور جو نصاب تعلیم چاہیئے اسمیں جاری کرے یہ ایک عملی کامیابی تھی جو ندوہ کو حاصل ہوئی۔

سب سے اخیر منشی اطہر علی صاحب میزبان ندوۃ العلما نے ریزلیوشن پیش کیا کہ ندوہ کیلئے ایک معتدبہ سرمایہ جمع کیا جائے۔ مولوی یونس خاں صاحب نے اسکی تائید کی اور ساتھ ہی سو روپیہ اپنے پاس سے دینے منظور کیئے۔ ندوہ کیطرف عام حاضرین نے جس التفات او توجہ کا وقتاً فوقتاً اظہار کیا تھا یہ اُس کے امتحان اور آزمایش کا وقت تھا۔ اور ہمکو صاف اعتراف کرنا چاہیئے کہ اس امتحان میں وہ پورے نکلے ریزلیوشن کے منظور ہونے کے ساتھ روپوں کی بوچھاڑ شروع ہوئی۔ اور تھوڑی دیر میں کم وبیش ایک ہزار روپیہ نقد جمع ہو گیا۔ یہ سلسلہ دوپہر کے جلسہ کے بعد بھی جاری رہا۔ راجہ تصدق رسول خاں صاحب نے دو سو روپیہ عطا کیئے اور دو سو سالانہ ہمیشہ کیلئے مقرر کردیا۔ کل رقم موعود و نقد کی تعداد کم و بیش دو ہزار تھی۔

شام کے جلسہ میں دستور العمل کی ترمیم و اصلاح پیش ہوئی۔ جزوی ترمیمیں ہوئیں اور نہایت ضروری کام یہ ہوا کہ دستور العمل میں یہ دفعہ شامل کرلیا گیا کہ ندوہ کو کبھی پولیٹکل مسائل سے کچھ تعلق نہوگا۔ اسی جلسہ میں کلکتہ سے مولوی سید امیر حسن کی تحریر اور نور محمد و الٰہی بخش تاجر کا جو تار آیا تھا پڑھا گیا۔ مضمون یہ تھا کہ ندوہ کا آئندہ اجلاس کلکتہ میں ہو اور یہاں کے مسلمان ندوہ کی میزبانی کیلیے حاضر ہیں۔ حیدرآباد سے بھی اسی مضمون کی درخواست آئی تھی۔ لیکن اسکی نسبت کچھ فیصلہ نہیں ہوا۔

اسکے بعد مولوی غلام محی الدین صاحب انجمن حمایت الاسلام لاہور نے تقریر کی انکے بعد خواجہ عزیز الدین عزیز سابق پروفیسر کیننگ کالج لکھنؤ کی نوبت آئی۔ خواجہ صاحب فارسی کے مشہور شاعر ہیں۔ انکی مثنوی قیصرنامہ جسکو خاص و عام میں مقبول ہو چکی ہے۔ انہوں نے اس موقع کیلئے ایک خاص نظم لکھی تہی۔ اگرچہ یہ نظم بہی نہایت استادانہ تہی لیکن خواجہ صاحب کی بلند رتبگی کا اصلی معیار نہ تہی جسکی وجہ یہ ہے کہ وہ نہایت جلدی اور پریشانی کی حالت میں لکھی گئی تہی خواجہ صاحب اپنا کلام خود نہیں پڑہتے۔ اسواسطے مولوی سلیمان شاہ صاحب نے انکی طرف سے یہ خدمت ادا کی۔ اخیر بند کے دو تین شعر یاد رہنیکے قابل ہیں۔

اشعار

گرچنیں نشو ونماہی کند این تازہ نہال ✤ ہست امید کہ تا سال دگر آرد بار ✤ بر کہ این گلبن نوخیز شود گلزاری

گر بدینگونہ بود ابر بہاری در کار ✤ آب زین چشمۂ جاری برود تا بیجاب ✤ فیض این ابر بہاری شد بہار

نظم کے پڑہنے کے بعد خواجہ صاحب کے لئے شکریہ کا ووٹ پیش کیا گیا اور بالاتفاق منظور ہوا اسکے بعد حافظ عبدالرحیم صاحب وکیل علیگڈہ نے ایک تحریری مضمون پڑہا جو پہلے سے چہپوا لیا گیا تہا مضمون کا خلاصہ یہ تہا کہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا ہونیکا بڑا ذریعہ یہ ہے کہ ان کے خیالات متحد ہوں اور خیالات کا یکساں ہونا یکساں تعلیم سے ہو سکتا ہے۔ اسواسطے ایک کورس بنایا جائے اور مسلمانوں میں جسقدر زبانیں رائج ہیں سب میں اسکا ترجمہ ہو اور وہی ہر جگہ درس میں داخل ہو۔ تجویز تو معقول تہی لیکن مسلمانوں کی موجودہ حالت کے لحاظ سے۔ الف لیلہ کے سوتے جاگتے اور ہارون الرشید کا قصہ معلوم ہوتی تہی۔

اس کے بعد یہ تجویز پیش ہوئی کہ ندوۃ العلما کی رجسٹری کرائی جائے۔ یہ تجویز حافظ عبدالرحیم صاحب نے پیش کی بعض بعض صاحبوں نے مخالفت کی۔ لیکن جب مولوی عبدالصمد صاحب نے نہایت زور کے ساتھ اس کی ضرورت ثابت کی تو بہت بڑی جماعت کی ساتھ منظور ہوئی

امانت اللہ صاحب گروہ احناف۔ آج نہایت سرگرمی سے ملے اور اقرار کیا کہ مسائل نزاعیہ کی بنا پر انہیں جو جھگڑے اور مناقشے رہا کرتے تھے۔ وہ یکلخت دور کر دیے گئے۔ اسکے ذرا ہی دیر کے بعد وہ دونوں بزرگ خود تشریف لائے اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اسوقت تمام حاضرین نے نعرۂ الحمد بلند کیا اور شاہ سلیمان صاحب نے جب اپنی تقریر شروع کی تو اس واقعہ کا ذکر کرکے وقت کے ساتھ یہ شعر پڑھا شکر ایزد کہ میان من و او صلح افتاد حوریان رقص کنان ساغر و پیمانہ زدند

چودھری نصرت علیخاں صاحب کا رزولیوشن تھا کہ ندوہ کیطرف سے اس عنوان پر مضامین لکھوائے جائیں کہ علما و عامہ مسلمین کے باہمی تعلقات کیا ہیں اور بغرض حمایت علم و مذہب ان تعلقات کے قائم رکھنے کے لئے کیا تدبیریں اختیار کرنی چاہیئیں جو مضامین اس عنوان پر لکھے جائیں وہ ندوہ میں پیش ہوں اور سب سے اعلیٰ مضمون پر سو روپیہ انعام دیا جاوے۔ چودھری صاحب نے اس رزلیوشن کے پیش کرنے کے لیے شمس العلما مولوی شبلی نعمانی کو اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا اور یہ بھی ظاہر کر دیا تھا کہ انعام کی رقم وہ خود اپنے پاس سے دینگے۔ یہ رزلیوشن باتفاق پاس ہوا اسکے بعد شاہ سلیمان صاحب نے علما کے فرایض پر لکچر دیا۔ لکچر تحریری تھا اور نہایت قابلیت اور آزادخیالی سے لکھا گیا تھا لیکن شاہ صاحب نے تقریر شروع کی تو وعظ کے پیرایہ میں شروع کی اور چونکہ عام سامعین کو یہ طرز زیادہ مطبوع تھا۔ وعظ کے لیے بڑھتے گئے اور سارا لکچر وعظ ہو گیا۔ علما کے فرایض کے جو پانچ اصول انہوں نے متعین کئے تھے انمیں سے ایک کے بیان کی نوبت نہیں آئی۔ شاہ صاحب جادو بیان شخص ہیں اور انکی تقریر کی لطافت اور دلاویزی کے لحاظ سے انکو ندوۃ العلما کے محسن الملک کا لقب دیا گیا ہے۔ گو ہمکو معلوم ہے کہ وہ اس لقب سے راضی نہیں ہیں۔

موجود تھے اور اسوجہ سے یہ پہلے کر لیا گیا تھا کہ اسوقت کا فیصلہ کوئی قطعی فیصلہ نہ ہوگا۔ تاہم مجلس دیر تک رہی اور چند مہتم بالشان امور پر بحث ہوئی۔ اسوقت جلسہ میں مولوی محمد فاروق صاحب۔ مولوی حافظ عبداللہ صاحب مدرس اول مدرسہ آرہ۔ مولوی نور محمد صاحب مدرس فیض عام کانپور۔ مولوی حفیظ اللہ صاحب مدرس مدرسہ عالیہ رام پور۔ مولوی ابراہیم صاحب وغیرہ موجود تھے۔ صدر انجمن مولوی محمد شاہ تھے اور شمس العلما مولوی شبلی نعمانی سکرٹری کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ سب سے اول یہ بحث پیش ہوئی کہ جو علوم اسوقت درس میں ہیں ان پر اضافہ کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اس سوال کا جواب سب نے اثبات کی صورت میں دیا۔ پھر مختلف حضرات نے مختلف علوم اضافہ کیے جانیکے لیے پیش کیے۔ یہ امر حقیقت میں ندوہ کی ایک بڑی کامیابی سمجھنی چاہیے کہ تمام علما نے جو اسوقت موجود تھے تسلیم کیا کہ نصاب میں فن تاریخ اور جغرافیہ ضرور اضافہ ہونی چاہئیں۔ بعض علما کو تردد تھا کہ جغرافیہ کی کتابیں اور نقشے انگریزی یا اُردو میں ہیں۔ اور وہ ان دونوں باتوں کو نصاب میں داخل ہونے کے روادار نہ تھے۔ لیکن جب انکو یقین دلایا گیا کہ مصر وشام میں جغرافیہ کے تمام متعلقات عربی زبان میں موجود ہیں۔ تو انکی تسلی ہوگئی۔

تاریخ اور جغرافیہ کے بعد علوم جدیدہ کا مسئلہ چھڑا۔ اسوقت مخالفت کی صدا بلند ہوئی۔ لیکن ندوہ کی بڑی خوش قسمتی تھی کہ کثرت رائے علوم جدیدہ کے موافق ہی رہی۔ اکثروں نے تسلیم کیا کہ طبعیات جدیدہ وعلم طبقات الارض وغیرہ نصاب تعلیم میں داخل کرنا چاہیے۔ یہ جلسہ قریباً تین گھنٹہ تک رہا۔ شام کے اجلاس میں بارہ دری میں تو علمی مباحث پیش تھی لیکن عامہ خلائق کی خاطر سے صحن میں وعظ کی مجلس گرم تھی۔ مولوی امانت اللہ صاحب مولوی عبدالمجید صاحب فرنگی محلی۔ مولوی حکیم الدین صاحب وغیرہ نے یکے بعد دیگرے وعظ کہا اور سامعین پر وجد ومحویت کی حالت طاری کردی۔

۱۴- اپریل کا اجلاس عجیب مبارک فالی سے شروع ہوا۔ کاروائی شروع ہونے سے پہلے مولوی عبداللہ صاحب انصاری مژدہ لائے کہ مولوی ابراہیم صاحب گروہ غیر مقلدین و مولوی

مولوی ابراہیم و مولوی امانت اللہ دونوں بڑے جتھے کے امام ہیں۔ اور ایک عالم ہند میں انکی تقریر کو بید بیغ ۔ وکٹ دینا بظاہر ان کی تحقیر تھی لیکن دونوں نے جس حلم اور فراخ حوصلگی سے صدر انجمن کے حکم کی تعمیل کی اس سے وہ مبارک زمانہ یاد آگیا جبکہ حضرت عمر نے خالد کی معزولی کا حکم بھیجا اور وہ سر تسلیم خم کر کے عہدہ سے الگ ہو گئے۔ نہایت خوشی کی بات یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کو کسی طرح کا ملال نہیں ہوا اور برابر جلسوں میں شریک ہوتے رہے۔ اسکے بعد مولوی یونس خان صاحب رئیس ٹانک نے عربی نظم پڑھی جسمیں ندوہ کے مقاصد اور انکی عظمت عمدہ طرح سے ظاہر کی تھی۔

ان کے بعد مولوی فضل علی شاعر سرکار نظام جو حیدرآباد سے ڈیلیگیٹ ہو کر آئے تھے اپنی فارسی مثنوی پڑھی۔ جو ندوہ کے مقاصد کے متعلق لکھی تھی۔ مثنوی بہت اچھی تھی اور چونکہ وہ اپنا کلام عموماً ایرانی لہجہ میں پڑھتے ہیں۔ لوگوں پر اسکا بہت اثر ہوا۔

دوپہر کے بعد حسب معمول علما کی مجلس شوری منعقد ہوئی۔ چند رزلیوشن پیش کیے گئے۔ آخر سب کے اتفاق سے یہ امر قرار پایا کہ ندوہ کو باتوں کے بجائے کام کرنا چاہیئے۔ پارسال جو رزلیوشن منظور ہو چکے ہیں وہ جبتک عمل میں نہ آجائیں نئی تجویزوں کے پیش کرنے سے کیا فائدہ ہے۔

۸ بجے بارہ دری میں اجلاس شروع ہوا۔ مولوی منصور علی صاحب حیدرآباد سے۔ ملا عبد القیوم کمشنر انعام کیطرف سے وکالۃً آئے تھے۔ انہوں نے ملا صاحب کا طولانی مضمون پڑھکر سنایا۔ اسکے بعد نصاب تعلیم کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ مولوی عبد الصمد نے یہ رائے دی کہ تین کورس مقرر کیے جائیں۔ ادنی اوسط اعلی۔ اعلی ان لوگوں کے لیے جنکو انگریزی پڑھنا بھی منظور ہے۔ اسپر کچھ دیر تک بحث رہی اور بالآخر یہ قرار پایا کہ یہ بحث علما کے خاص جلسہ میں پیش ہو۔ چنانچہ دوسرے دن علما مختصر سی مجلس نصاب تعلیم پر بحث کرنیکے لیے منعقد ہوئی۔ اگرچہ اسوقت اتفاق سے علما فرنگی محل

شوق کا یہ حال تھا کہ گویا کچھ کا ابھی آغاز ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ایک حنفی غیر مقلد کو
برا سمجھتا ہے (مولوی صاحب موصوف خود غیر مقلد ہیں) تو اسکا برا سمجھنا ہی اسبات کا
سبب ہے کہ ہم اسکو اچھا سمجھیں کیونکہ وہ غیر مقلدوں کو صرف اس غلط خیال سے برا سمجھتا
ہے کہ وہ جناب رسول اللہ کی پوری تعظیم نہیں کرتے۔ ائمہ مجتہدین کو اچھا نہیں سمجھتے۔ صوفیہ
کبار کا ادب نہیں کرتے۔ یہ خود اسبات کی شہادت ہے کہ وہ (مقلد) جناب رسول اللہ کی پوری
تعظیم کرتا ہے۔ ائمہ مجتہدین کو اچھا جانتا ہے۔ صوفیہ کبار کا ادب کرتا ہے۔ پس کیا ایسا شخص
محبت اور دوستی کا مستحق نہیں؟"

افسوس ہے کہ انکی پر زور تقریر کو نظر لگ گئی۔ عین اثنا تقریر میں جبکہ وہ کہہ رہے
تھے کہ سنیوں کا۔ شیعوں کا۔ سنیوں کا۔ غیر مقلدوں کا۔ عقیدہ ایک۔ خدا ایک۔ رسول
ایک پھر اختلاف و نزاع کے کیا معنی" ایک شیعہ صاحب نے ٹوکا کہ اصول عقاید میں ہم اور
سنی متفق نہیں۔ آپ یہ الفاظ کو واپس لیں۔ لطف یہ کہ ٹوکنے والے صاحب کوئی پرانے
خیال کے عالم نہ تھے بلکہ نئے تعلیم یافتہ اور گریجوٹ یعنی بی۔ اے تھے۔ شعر: من از بیگانگان
ہرگز نہ نالم کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد۔ اس سے زیادہ بے لطفی یہ ہوئی کہ چونکہ
مولوی صاحب کی تقریر میں بار بار مقلد اور غیر مقلد کا نام آتا تھا۔ بعض حضرات مکدر ہوئے
اور جلسے سے اٹھکر چلے گئے۔ صدر انجمن صاحب نے یہ حالت دیکھکر مولوی صاحب کو اشارہ کیا اور وہ
فوراً تقریر کا سلسلہ ناتمام چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ انکے بعد مولوی امانت اللہ صاحب کھڑے ہوئے
اور مولوی ابراہیم صاحب کے نسبت اپنی سابق سوء ظن اور اسکے جاتے رہنے کی نسبت گفتگو
کرنی چاہی۔ لیکن بدقسمتی سے انکی تقریر کے آغاز میں عبدالوہاب نجدی کا نام آیا۔ اسوقت
صدر انجمن نے اشارہ کیا اور مولوی صاحب موصوف بغیر کسی عذر کے فوراً اپنی جگہ پر بیٹھ گئے

۱۳- اپریل حسب معمول صبح کے وقت جلسہ شروع ہوا۔ اول حافظ سید احمد مدنی نے قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت کیں۔ پھر مولوی محمد علی صاحب ناظم ندوۃ العلما نے یہ رزلیوشن پیش کیا کہ چونکہ اکثر اہل حاجت اور مقدمات والوں کو معاملات شرعیہ میں علما سے فتوی لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس واسطے ندوہ کی طرف سے ایک محکمہ افتا قایم کیا جائے۔ جہاں سے تمام ضروری استفتاؤں کے جواب بھیجے جایا کریں۔ یہ تجویز اگرچہ نہایت ضروری اور مفید تھی اور مولوی عبدالحق صاحب و شاہ سلیمان صاحب نے اسکی ضرورت کو اچھی طرح ثابت بھی کیا۔ تاہم مولوی ابراہیم صاحب و مولوی یونس خاں صاحب نے اس خیال سے مخالفت کی کہ مقلدین اور غیر مقلدین کیلیے الگ الگ مفتی درکار ہوں گے اور وہی نزاع کی صورت پیدا ہو گی۔ چونکہ اس قسم کی بحث کا زیادہ طول ہونا مصلحت نہ تھا۔ یہ قرار پایا کہ یہ مسئلہ علما کی خاص مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے۔

اسکے بعد مولوی عبدالحق صاحب نے اسباب ترقی اسلام پر تقریر کی۔ تقریر لکھی ہوئی تھی۔ اور زیادہ تر اس قسم کے مضامین تھے جسکی بنا پر حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ حالی کی مسدس کو نثر میں لانا کیا ضرور تھا۔ طرز ادا میں بھی کوئی جدت نہ تھی۔ تاہم مولوی صاحب نے ایک گھنٹہ تک لوگوں کو مصروف رکھا۔ انکے بعد مولوی حبیب الرحمن خاں شروانی نے مقاصد ندوہ پر ایک مضمون پڑھا۔ یہ مضمون نہایت قابلیت سے لکھا گیا تھا۔ اور لوگوں نے اسکو اسی توجہ سے سنا جسکا وہ مستحق تھا۔ اسکے بعد مولوی ابراہیم صاحب نے اتفاق اور اتحاد پر لکچر دیا۔ انکا لکچر اس لحاظ سے کہ عالمانہ اور مذہبی معلومات پر مشتمل تھا خطبہ تھا اور اس لحاظ سے کہ طرز ادا میں وہ زور اور اثر۔ اور خیالات میں وہ آزادی اور روشنضمیری تھی جو آج کل یورپ کا خاصہ سمجھا جاتا ہے۔ لکچر تھا۔ ایک گھنٹہ کامل تقریر کرنے پر بھی سامعین کی

کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی"۔ اس کے بعد مولوی افہام اللہ صاحب فرنگی محلی نے
اپنا مضمون پڑہا۔ مولوی صاحب مولانا ولی اللہ کے پوتے ہیں جنکا حاشیہ صدرا
علما کے دائرہ میں نہایت عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مولوی صاحب خانہ نشین
ہیں۔ اور اپنے گھر پر بلا کسی معاوضہ کے درس دیتے ہیں۔ اور اہل دنیا سے انکو ملنے کا
بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ تاہم تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ ان کی تحریر نہایت روشن
خیالات سے مملو تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کی موجودہ نکبت کا صاف صاف اعتراف
کیا۔ نصاب موجودہ کی ترمیم کی ضرورت علانیہ تسلیم کی۔ علم کلام کی نسبت کہا کہ جب
اسلام کو نئے فلسفہ سے سابقہ پڑا ہے تو اس کے رد کے لیے علم کلام بھی نیا مرتب ہونا چاہیے
انکا مضمون اگرچہ تحریری تہا لیکن پڑہتے اس خوبی سے تہے کہ زبانی لکچر کا لطف آتا تہا۔
ان کے بعد شمس العلما مولوی شبلی نعمانی کہڑے ہوے اور قریباً سوا گھنٹہ تک لکچر دیا۔ یہ
پورا لکچر ہمارے میگزین کے آیندہ پرچہ میں شایع ہوگا۔ یہاں اسقدر کہنا ضرور ہے کہ
علمانے لکچر کو بغور سنا اور کسی کسی کے دل پر اسکا گہرا اثر ہوا۔ چونکہ جمعہ کا دن تہا اور دس
بج چکے تہے۔ اسلیئے جلسہ نماز کی طیاری کے لیے برخاست کیا گیا۔ دو بجے جمعہ کی
نماز ہوئی۔ مولوی امانت اللہ صاحب نے نماز پڑہائی اور نماز کے بعد مختصر سا وعظ کہا۔ قریباً
تین بجے علما کا خاص اجلاس ہوا۔ اور دوسرے دن کی کارروائی کا پروگرام طیار ہوا۔
پانچ بجے عام جلسہ ہوا۔ حد سے زیادہ مجمع تہا۔ شاہ سلیمان صاحب نے ایک گھنٹہ تک
ندوۃ العلما کے مقاصد و اغراض پر گفتگو کی۔ نماز مغرب کے بعد عام جلسہ نماز کے شامیانہ
میں ہوا۔ مولوی عبداللہ صاحب انصاری۔ مولوی یعقوب علی صاحب۔ مولوی امانت اللہ
صاحب نے وعظ فرمایا۔ ۹ بجے نماز عشا پڑہکر جلسہ ختم ہوا۔

بجے تک خاص علما کی مجلس شوری ہوتی تہی - اسمیں بجز علما کے اور کوئی شریک نہیں ہوسکتا تہا۔ اسی جلسہ میں دوسرے دن کی کارروائیوں کا پروگرام بہی تیار ہوتا تہا۔ ۵ بجے سے مغرب اور مغرب کے بعد سے عشا تک عام جلسہ جس میں عام اجازت تہی اور ٹکٹ وغیرہ حاصل کرنے کی کچہ ضرورت نہیں ہوتی تہی - یہ جلسہ صرف وعظ کے لیئے مخصوص تہا۔

پہلا اجلاس ۱۲- اپریل صبح کے ۸ بجے بارہ دری میں شروع ہوا۔ اور اگرچہ اسوقت ٹکٹ کی قید تہی اور اسوجہ سے بہت سے شائقین شریک نہ ہوسکے - تاہم سترہ سو کرسیوں میں سے جو مقام اجلاس میں بچہی تہیں ایک ہزار کرسیاں معمور ہوگئیں - سید نبی اللہ صاحب بیرسٹر اور حامد علیخاں صاحب بیرسٹر - راجہ تصدق رسول خاں صاحب چودہری محمد عظیم صاحب - راجہ شعبان علی خاں صاحب - چودہری نصرت علی خاں صاحب اور بہت سے معزز حضرات جلسہ میں شریک تہے - صدر انجمن کے لیئے تجویز یہ تہی کہ مولوی محمد نعیم صاحب فرنگی محلی جو عبد العلی بحر العلوم کے سلسلہ کے یادگار ہیں انتخاب کیئے جائیں - چنانچہ چند علما جلسہ سے ایک روز پہلے ان کی خدمت میں حاضر ہوے لیکن انہوں نے اپنی عزلت گزینی کا عذر کیا - مجبوراً مولوی محمد شاہ صاحب محدث رامپوری جو بلحاظ معمر اور مقدس ہونے کے سب پر ترجیح رکہتے تہے صدر انجمن منتخب ہوئے - مولوی محمد علی صاحب ناظم ندوۃ العلما چونکہ کمزور اور پست آواز ہیں - اسلیئے صدر انجمن صاحب سے اجازت طلب کی گئی کہ شمس العلما مولوی شبلی نعمانی ندوہ کے پچہلے اجلاس کی رپورٹ سکرٹری کی طرف سے پڑہیں - صدر انجمن صاحب کی اجازت سے مولوی شبلی صاحب نے رپورٹ پڑہی - جسمیں مختصر طور پر بتایا گیا تہا کہ ندوہ کو اپنے مقاصد

عمارت ہے جسکا نام دار التفریح ہے۔ یہاں مہمان کبھی کبھی تفریح کے لیے آ بیٹھتے ہیں۔ میز پر اخبارات پڑے رہتے ہیں۔ گرد الماریوں میں عربی کی نایاب کتابیں رکھی ہیں۔ لوگ اخبارات پڑھے جاتے ہیں اور باتیں کیے جاتے ہیں۔

غرض مہمان نے ان دو منزلہ مکانات کا کوئی کمرہ پسند کیا۔ اور اسمیں مقیم ہوا یہاں ہر قسم کے آرام کا سامان مہیا ہے۔ شطرنجی کا فرش بچھا ہے۔ نواڑ کے پلنگ ہیں۔ ۔ نہایت تکلف کا کھانا۔ اور ذائقہ پر چائے اور شربت وغیرہ بھی تیار رہتا۔

کل مہمان جو باہر سے آئے تھے انکی تعداد تخمیناً آٹھ سو کیا جاتا ہے جنمیں سو سے زیادہ علما اور مدرسین تھے۔ انمیں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔ مولوی محمد فاروق صاحب چریاکوٹی۔ مولوی محمد شاہ صاحب محدث رامپوری مولوی حفیظ اللہ صاحب مدرس مدرسہ عالیہ رامپور۔ مولوی ابراہیم صاحب بانی مدرسہ آرہ۔ مولوی عبدالحق صاحب دہلوی۔ مولوی حیدر علی صاحب مجتہد شیعہ حیدرآباد ۔شاہ التفات احمد صاحب سجادہ نشین رد ولی۔ مولوی شاہ امانت اللہ صاحب غازیپوری۔

ہندوستان کے مختلف مقامات کے ڈلیگیٹ (وکیل یا سفیر) بھی کثرت سے آئے تھے۔ مولوی فضل رب عرشی شاعر سرکار نظام انجمن حمایت ندوۃ العلما حیدرآباد سے۔ حافظ غلام محی الدین انجمن حمایت الاسلام لاہور سے۔ مولوی تاج الدین محمد سکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور سے تشریف لائے تھے۔

ندوہ کی کارروائی تین حصوں پر تقسیم کی گئی تھی۔ صبح ۶ بجے سے ۱۰ بجے تک کا وقت ریزولیوشنوں اور علما کے لکچر کے لیے مخصوص تھا۔ اور اس اجلاس میں صرف وہ لوگ شریک ہو سکتے تھے جنہوں نے شرکت کا ٹکٹ حاصل کر لیا ہو۔ دو بجے سے چار

کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ استقبال کے لئے تیار ہے مہماں کے اُترتے ساتھ ہی اسٹیشن
مہمان کا تمام اسباب اتروایا۔ اور قلیوں کے سر پر رکھا۔ مہمان اسٹیشن سے باہر نکلا تو
سامنے چند خیمے نظر آئے جن کے بیچوں بیچ بانس کی ایک گول چھتری ہے۔ اس پر کپڑا
منڈھا ہوا ہے اور چاروں طرف ندوۃ العلما کا لفظ جلی خط میں لکھا ہوا ہے۔ خیمہ کے
اندر کرسیاں اور میزیں ہیں۔ مہمان نے ذرا دیر یہاں دم لیا۔ پھر گاڑی آئی۔ وہ
اس میں سوار ہوا۔ اور شہر کی طرف چلا۔ استقبالیوں میں سے ایک شخص گاڑی
میں ساتھ بیٹھا ہوا ہے کہ مہماں کو تنہائی کی شکایت نہو۔ گاڑی شہر کے مختلف حصوں
کو طے کرتی ہوئی۔ ایک وسیع احاطہ کے اندر داخل ہوئی۔ احاطہ کے چاروں طرف دو منزلہ
مکانات کی سیدھی قطاریں ہیں۔ بیچ بیچ میں سبزہ کے چمن ہیں۔ کہیں کہیں پھولوں
کی کیاریاں ہیں۔ احاطہ کے عین وسط میں ایک سفید شاندار بارہ دری ہے۔ اس
مجموعۂ دلاویز بہا کا نام قیصر باغ ہے۔ جو کسی زمانہ میں واجد علی شاہ مرحوم کا عشرت
محل تھا۔ مرحوم کے زمانہ میں تو اسکی رنگینیاں جو کچھ ہونگی وہ ہونگی۔ آج اجڑے پر
بھی اس قابل ہے کہ ہندوستان کے مقدس پیشواؤں کے سبھا جمع ہوئے تو
یہیں ہوئے۔ ببیں کرامت بتخانۂ مرا ای شیخ ۔ کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد۔
اس وسیع سبزہ زار میں ایک نہایت وسیع شامیانہ ہے زمین پر چاندنی کا فرش ہے۔
پاس ہی ایک پختہ چبوترہ ہے۔ اس پر مٹی کے بدھنے رکھے ہوئے ہیں۔ تم نے سمجھا
یہ کیا سامان ہے؟ یہی ایک چیز ہے جو دنیاوی انجمنوں کو دینی انجمن سے بدل دیتی
ہے۔ یہ سب نماز کے سامان ہیں۔ پانچوں وقت یہاں علما اور عام حاضرین جمع ہوتے
ہیں اور نہایت خضوع و خشوع سے نماز پڑھتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ایک اور خوبصورت

میں نواب محسن الملک نے ندوہ کی تائید کا رزلیوشن پیش کیا سید محمود صاحب سابق جج ہائیکورٹ الہ آباد نے اسکی تائید کی۔ اور بغیر کسی اختلاف کے پاس ہوا۔ اگرچہ بعض بعض کم حوصلہ لوگوں نے اسپر بدگمانی کی اور سمجھا کہ نئی روشنی والوں کی اس ہمدردی میں کچھ نہ کچھ تہ ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ صرف ایک جھوٹی بدگمانی تھی۔ نئی روشنی والے پرانے خیال والوں کو کچھ ہی سمجھیں مگر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ انکے دل میں اپنے سادہ دل پیشواؤں کی نسبت رحم اور محبت کا اثر ہی نہیں رہا۔ بلکہ اگر سچ پوچھو تو خود یہی نئی روشنی والے کسی زمانہ میں انہی پرانے خیال والوں کے زمرہ میں داخل تھے۔ **شعر**

واں کے نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں ۔ کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

بہرحال کسی کسی نے بدگمانی تو کی۔ لیکن عام اثر یہ ہوا کہ عموماً نئے تعلیم یافتہ لوگوں کا گروہ ندوہ کا ہمدرد بنگیا۔ چنانچہ اسکے جلسہ میں عمامہ و دستار کی قطار میں سرخ ٹوپیاں بھی جابجا نظر آتی تھیں۔

ندوہ کی نسبت پہلے سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اجلاس میں کثرت سے لوگ آوینگے اور اسوجہ سے اسکی میزبانی کا بار اٹھانا ایک مشکل کام تھا۔ لیکن لکھنؤ کے مشہور و معزز منشی اطہر علی وکیل نے بڑے تکلف سے اپنے سر اٹھا لیا۔ اور اس حجازی مہمان نوازی کا ثبوت دیا جسکی مثال بتانے کے لئے ہمکو سیکڑوں برس پیچھے ہٹ کر حاتم اور معن کا نام لینا پڑتا ہے۔ اب ہم تمکو دکھلاتے ہیں کہ ندوہ کا ایک مہمان لکھنؤ کے اسٹیشن میں کیونکر داخل ہوتا ہے۔ مقام جلسہ تک کسطرح پہونچتا ہے۔ اور وہاں پہونچکر کیا دیکھتا ہے۔

مہمان نے جسوقت پلیٹ فارم پر قدم رکھا وہ دیکھتا ہے کہ ایک حجازی خوان کا آدمی جسکے چہرہ سے شرافت ٹپکتی ہے۔ اور جس کے سینہ پر ریشمی حرفوں میں ندوۃ العلما

کام ہوا وہ یہ تہا کہ چند علما نے جو کمیٹی اصلاح نصاب کے ممبر قرار پائے تہے اپنے اپنے مجوزہ نصاب سکرٹری کے پاس بہیجے۔ کہ ندوہ کے آیندہ اجلاس میں پیش کیے جائیں دوسرے امر کی نسبت۔ یہ مصلحت معلوم ہوا کہ رفع نزاع کا مسئلہ کسی ریزولیوشن کی صورت میں نہ پیش کیا جائے۔ بلکہ عام طور پر نزاع و مخالفت کی برائی بیان کیجائی اور ایسے مواقع حاصل کرنے سے جنہیں علما باہم ملکر بیٹھیں۔ ساتہہ کہانا کہائیں۔ ایک مسجد میں نماز پڑہیں۔ رفع نزاع کا مسئلہ عملی صورت میں برتا جائے۔ ندوہ کا اجلاس دو دن رہا اور ہی دو دن میں علما میں وہ۔ سامحت اور فیاضی دلی پیدا ہوگئی تہی جسکا پہلے گمان بہی نہیں ہو سکتا تہا۔ مقام اجلاس کے قریب جو مسجد تہی۔ اسمیں مقلد او غیر مقلد جب ساتہہ ملکر نماز پڑہتے تہے تو بظاہر یہ نظر آتا تہا کہ غیر مقلدوں کی مقلدوں کی مسجد میں نماز پڑہنے کی بحث جس نے اکثر مقامات میں سرکاری عدالتوںکا وقت ضایع کیا تہا آج نہایت آسانی سے طے ہوگئی۔

یہ تو پہلے اجلاس کی مختصر سی داستان تہی۔ لیکن اس سال کا جلسہ جس شوکت وشان۔ عظمت و رعب، اثر و کامیابی کے ساتہہ ہوا۔ اس کے لیئے ناظرین کو ہمسے اختصار پسندی کی امید نہ رکہنا چاہیے۔ ہم اسکو مفصل لکہیں گے اور زیادہ مفصل لکہیں گے شعر۔ لذیذ بہت حکایت دراز ترگویم چنانکہ حرف عصا گفت موسے اندر طور

اس سال کے جلسہ کی کامیابی کا پہلا دیباچہ یہ تہا کہ۔ اجلاس کا زمانہ جب قریب آیا اور ندوہ کیطرف سے اس کے اعلانات شایع ہوئے۔ تو ملکی اخباروں نے تمام ملک میں اسکا غلغلہ پہیلا دیا۔ اور ہر طرف سے لبیک و مرحبا کی صدائیں آئیں جس سے ثابت ہوا کہ ندوہ کے لیئے تمام ملک پہلے ہی سے خیر مقدم کہنے کو طیار ہے۔ ایجوکیشنل کانفرنس

اس لئے کردیئے تھے کہ انکار کرنے میں۔ انکار کی وجہ بتانا اور جواب وسوال کرنا پڑتا۔ اور اسقدر زحمت اُٹھانی انکو گوارا نہ تھی۔

اپریل ۱۸۹۴ء میں حافظ الٰہی بخش مہتمم مدرسہ فیض عام کانپور نے دستار بندی کا جو جلسہ کیا اسمیں ندوۃ العلما کا جلسہ بھی شامل کردیا اور یہی مضمون کے اشتہارات بھیجے۔ جلسہ بڑی دہوم دہام سے ہوا۔ اور ایک مختصر سا دستو العمل اور چار رزلیوشن پاس ہوئے۔ دستوالعمل بننے کے وقت یہ ظاہر ہوتا تہا کہ علما گو زمانہ کے رنگ میں آ مینگے لیکن علانیہ اعتراف سے انکو عار ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ممبر کا نام رکن رزلیوشن کا نام تجویز۔ سکریٹری کا نام ناظم رکہا۔ اسپر ایک ظریف نے دبی آواز سے کہا۔ ع۔ منکرمی بودن وہمرنگ مستاں زیستن

جلسہ میں اگرچہ بہت سے علما شریک تہے لیکن اکثر ایسے تھے جو جلسہ کے بعد پوچہتے تہے کہ کیا جلسہ تہا' کیوں تہا' کس غرض سے تہا' تاہم چند علماپر ندوہ کا جادو پوری طرح سے اثر کرگیا تہا اور وہ جلسہ سے اُٹھے تو اُس کے نشہ میں سرشار اُٹھے انہیں میں مولوی محمد علی صاحب تہے جو ندوہ کے سکرٹری یعنی ناظم قرار پاسے۔ مولوی سلیمان شاہ صاحب کا نام بہی اسی فہرست میں درج کرنے کے قابل ہے۔

ندوہ نے اپنے لئے جو اہم مقاصد قرار دیئے وہ اصلاح نصاب تعلیم اور رفع نزاع علما تہی۔ اور کچہہ شبہہ نہیں کہ علما بلکہ کل قوم کی ترقی کا مدار انہیں دو باتوں پر ہے۔ اصلاح نصاب سے یہ مراد ہے کہ آج سے دوسو برس پہلے اُسوقت کی ضرورتوں کے لحاظ سے جو نصاب مقرر ہوا تہا وہ آج کل کی ضرورتوں کا ساتہہ نہیں دیسکتا۔ اسیلئے اسمیں ترمیم وتغیر ضروری ہے۔ اس صیغہ کے متعلق سال بہر میں جو

اہل حرفت، نوکری پیشہ۔ سب زمانہ کے رنگ میں رنگے جاچکے تھے۔ صرف ایک علما کا گروہ تھا جو زمانہ کی حکومت کا منکر تھا۔ زمانہ اُنکا دامن پکڑ کر کھینچتا تھا گروہ اپنے گوشۂ عزلت سے قدم باہر نہیں نکالتے تھے۔ زمانہ انکو عالم کی عجیب و غریب نیرنگیوں کا تماشا دکھلانا چاہتا تھا۔ لیکن وہ آنکھ اُٹھاکر نہیں دیکھتے تھے۔ یہ کشمکش دیر تک رہی اور آخر کار علما کو شکست ہوئی۔ زمانہ کے پیرؤوں نے نعرۂ فتح بلند کیا اور لطف یہ کہ خود ہم بھی (جو علما کے زیر علم ہونے کا دم بھرتے ہیں) نعرۂ فتح میں شریک ہوئے کیونکہ اس معرکہ میں علما کی شکست ہی میدان ترقی کی فتح ہے۔ یہی شکست تھی جسکی بدولت ندوة العلما کا حصن حصین طیار ہوا۔ اور جسکے بعد پھر کسی شکست کا اندیشہ نہیں ہے۔

ندوة العلما کا پہلا اجلاس اپریل سنہ ۱۸۹۴ء میں بمقام کانپور منعقد ہوا۔ اسکی روداد مفصل دو حصوں میں چھپ چکی ہے اور دفتر ندوة العلما مقام کانپور سے مل سکتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ تین چار برس ہوئے ایک بزرگ قوم کو (جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے) خیال آیا۔ انہوں نے خاص اپنے صرف سے ایک عالم کو ہندوستان کے تمام عربی مدرسوں کے معائنہ کے لیے بھیجا۔ اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حرمین شریفین کی بھی سیر کرائے۔ عالم موصوف نے تمام مدرسوں کو دیکھکر ایک رپورٹ مرتب کی۔ اسکے ساتھ یہ بھی کیا کہ جہاں جہاں گئے ندوة العلما قائم کرنے کی ضرورت پر تمام علما سے دستخط کرائے۔ سنہ ۱۸۹۳ء میں کانپور کے مدرسہ فیض عام کا جو جلسہ (دستار بندی) ہوا اُسمیں دور دور سے علما و فضلا تشریف لائے۔ عالم موصوف نے ندوة العلما کی ضرورت کا محضر وہاں پیش کیا اور سب سے دستخط کرائے۔ لیکن اسوقت تک علما کو ندوة العلما کی حقیقت اور ضرورت کی بہت کم خبر تھی۔ دستخط انہوں نے

اور تین نے وعدہ کیا ہے۔ ۲۴ لڑکوں میں سے ۴ لڑکے تلاش معاش میں ہیں اور ایک ناقابل تعلیم ہے۔ اور ایک بسبب افلاس کے انگریزی نہیں پڑھتا۔ اور ۴ لڑکے ۱۹ یا ۲۰ برس کے ہیں ان سے انگریزی تعلیم کی بہت کم امید ہوسکتی ہے۔ ۱۰ لڑکے اسوقت انگریزی پڑھتے ہیں۔ اب اگر ۱۴ میں سے ۴ منہا کر دیے جائیں تو ۱۰ باقی رہتے ہیں یعنی ہمکو اسی وقت تک اس شہر میں قریب ۴۲ فیصدی کے کامیابی ہوئے۔

مجکو افسوس ہے کہ میں اس مرتبہ ۴ یا ۵ دن مردم شماری کا کام کر سکا یعنے ۳۰ مارچ لغایت ۲۔ اپریل سنہ ۱۹۰۱ء) اس باعث سے کل ایک چہارم شہر کی مردم شماری ہوسکی۔ انشاء اللہ تعطیل کلاں یعنی آیندہ اگست و ستمبر میں میں مکمل رپورٹ اس شہر کی ناظرین کے پیش نظر کرونگا۔

عبد الباسط۔ بی۔ اے۔

ندوة العلما

یہ ایک نیا لفظ ہے جسکی ایجاد کی تاریخ اپریل سنہ ۱۸۹۴ء ہے لیکن صرف یہ لفظ ہی نیا نہیں ہے۔ بلکہ اسکا مفہوم، اسکی حقیقت، اسکا مصداق، سب نیا ہے۔ آج کل تو کیا ذکر ہے۔ دولت عباسیہ کے عہد میں ہی جبکہ علوم و فنون کا شباب تھا اور تمام اسلامی ممالک میں۔ طالبان فن کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ یہ بات نصیب نہوئی کہ سال میں ایک دفعہ تمام علما و فضلا یکجا جمع ہوتے اور علمی ترقیوں کی تدبیریں سوچتے۔ یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ بغداد کے فضائل کی فہرست میں جو خانہ خالی رہ گیا تھا وہ کانپور کے حصہ میں آیا۔ آسماں بار امانت نتوانست کشید   قرعۂ فال بنام من بیچارہ زدند

ہندوستان میں انگریزی حکومت اور مغربی تعلیم کے اثر نے ملک کے کسی طبقہ کو اچھوتا نہیں چھوڑا تھا۔ ہندو، مسلمان، پارسی، کاشتکار، زمیندار،

پڑہانا چاہیئے۔ اولاً ۱۴ یا ۱۵ برس کی عمر تک اُن کو فارسی کی تکمیل کرائی جاتی ہے بعدہ انگریزی شروع ہوتی ہے اور یہ کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح مڈل پاس ہوجائیں تو انگریزی ملازمت کے قابل ہوں۔ اور بعض اُردو مڈل کو کافی سمجھتے ہیں اور انگریزی مطلق نہیں پڑہاتے۔ اور بعض بسبب غفلت کے اپنے لڑکوں کو انگریزی زیادہ عمر میں پڑہاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکے بسبب آوارگی طبیعت کے پڑہنا چھوڑ دیتے ہیں۔

میں اس شہر کے شریف خاندان کے خوشحال مسلمانوں کو جو اپنی اولاد کو انگریزی تعلیم نہیں دیتے تین قسموں پر منقسم کرتا ہوں۔

(۱) وہ جو صاحب جائداد ہیں اور سرکاری ملازمت کے خواہاں نہیں۔ بدیں وجہ انگریزی پڑہانیکی ضرورت نہیں سمجھتے۔

(۲) وہ جو خوش حال ہیں اور سرکاری ملازمت کر رہے ہیں یا وہ صاحب جائداد جنکو کچھہ بھی زمانہ کی روش کا خیال ہے وہ اپنی اولاد کو انگریزی پڑہا سکتے ہیں۔

(۳) وہ اشخاص جنہوں نے بسبب غفلت و عدم توجہی یا بسبب ناقابلیت اولاد کے اپنی اولاد کو انگریزی نہیں پڑہائی۔

اکتوبر ۱۹۰۳ء میں مینے اور محمود حسن خاں۔ بی۔ اے۔ نے اس شہر کی مردم شماری کی تھی قسم اول سے بہت بحث پیش آئی۔ زمانہ کی ضرورتوں کو سمجھایا مگران صحاب پر کچھہ اثر نہیں ہوا لیکن میں خوش ہوں کہ ان حضرات کی تعداد ایک چہارم سے کچھہ زیادہ ہے اسواسطے ہمارے مقصد کی راہ بند نہیں ہوسکتی۔ دوم قسم کے لوگوں پر ہمارے سمجھانے کا بہت کچھہ اثر ہوا اور امید ہے کہ بہت کچھہ اثر ہوگا۔ ان کی تعداد نصف سے زیادہ ہے۔ نقشہ سے معلوم ہوگا۔ کہ ۱۳۱ والدین کے ناموں میں سے۔ اسنے اپنے لڑکوں کو دوبارہ میرے جانے سے پہلے انگریزی پڑہانا شروع کردی ہے

(۲) مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب ایڈیٹر رسالہ اشاعۃ السنۃ بٹالہ ضلع گورداسپور — پنجاب

(۳) خان بہادر مولوی سید علی احمد خاں صاحب سیکرٹری انجمن اسلامیہ — جبل پور

(۴) شیخ غلام مصطفےٰ صاحب رئیس سوامئہ ضلع — الہ آباد

(۵) سید اشفاق حسین صاحب پریزیڈنٹ انجمن اسلامیہ روہیلکھنڈ — بریلی

(۶) خان بہادر نواب محمد سلامت اللہ خاں صاحب پول گہات ضلع ملدانہ — برار

رپورٹ تعلیمی مردم شماری قصبہ موامئہ ضلع الہ آباد

مولوی عبدالرؤف صاحب نے قصبہ موامئہ ضلع الہ آباد کی ایک رپورٹ روانہ فرمائی ہے۔ اس میں ۵۳ ایسے اشخاص کے نام درج ہیں جو اپنے بیٹوں کو باوجود استطاعت کے تعلیم نہیں دلاتے جو لڑکے اس طرح تعلیم سے محروم ہیں اُن کی تعداد ۶۲ ہے۔ اشخاص مندرجہ فہرست کی آمدنی پندرہ روپیہ ماہوار سے لیکر سات ہزار روپیہ ماہوار تک ہے۔ اور کل مجموعی آمدنی تخمیناً ۱۰۰۵۹ روپیہ ماہوار ہے۔

رپورٹ تعلیمی مردم شماری شہر شاہجہانپور

اکثر مسلمان شریف خاندان اس شہر کے متمول وخوشحال ہیں۔ یہ زمیندار شد وغیرہ کے تاجر ہیں۔ وضع وروبہ پرانے طرز وطریق پر ہے۔ نئی روشنی نے اپنا اثر بہت کم دکھایا۔ اس باعث سے تعلیم انگریزی پر کم توجہ ہے۔ مذہباً اتنا برا نہیں سمجھتے ولیکن یہ خیال دلنشین ہے کہ علم دین کی تعلیم اولےٰ ہے۔ انگریزی سرکاری ملازمت کے واسطے پڑہی جاتی ہے اور ہمکو سرکاری ملازمت کی ضرورت نہیں عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ جنھوں نے سرکاری ملازمت کی ہے وہ اکثر اپنے لڑکوں کو انگریزی پڑہاتے ہیں۔ لیکن ان میں بہی بعض ایسے صاحب ہیں کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ کس عمر میں اپنے لڑکوں کو

اب کے سال حافظ محمد ہدایت حسین صاحب نے جو ممالک متوسط سے اکراسی برس تمرڈ ائر کی جماعت میں شریک ہوئے ہیں۔ کالج کی مسجد میں تراویح پڑھائی۔ آپ کلام اللہ بہت خوبی اور صفائی سے پڑھتے ہیں۔ جمعۃ الوداع کی نماز بھی کالج میں بہت رونق سے ہوئی۔ نمازیوں کی اسقدر کثرت تھی۔ کہ مسجد میں تل رکھنے کو جگہہ باقی نہ تھی۔ اسی شام ختم قرآن کا جلسہ بہت دہوم دہام سے مسجد میں ہوا۔ کالج کے پروفیسر اور دیگر معززین بھی مدعو کیئے گئے تھے۔ مدرسے کے طلباء وغیرہ کے علاوہ حسب معمول شہر سے بھی بہت لوگ آئے تھے۔ سب کو شیرینی تقسیم کی گئی۔ اُس شب کو مسجد کے صحن میں چاروں طرف اور حوض کے گرداگرد چراغوں کی روشنی کی گئی تھی۔ جو رات کی اندہیری میں بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔

شروع ماہ میں جناب مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب ظلہٗ مدرسے میں تشریف لائے تھے۔ اور اسٹریچی ہال میں ایک نہایت بلیغ اور متانت وعظ فرمایا تھا۔ خصوصاً طالب علموں نے آپ کی خوبی کلام اور طرز بیان کو بہت پسند کیا۔

عید کے قریب اگرچہ بہت سے طالب علم جنکے وطن علی گڈھ سے قریب ہیں۔ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ تاہم نمازیوں کا خاصا بڑا مجمع تہا۔ اور مسجد میں خوب رونق تھی۔

خوشی کی بات ہے کہ مسجد کی روکار کی تعمیر اب شروع ہو گئی ہے اور جسقدر حصہ اب تیار ہوگیا ہے۔ وہ کل عمارت کی عظمت اور شان کی گواہی دیتا ہے فقط

محمڈن اینگلو اورینٹل ڈیفنس ایسوسی ایشن آف اپر انڈیا

مندرجۂ ذیل اصحاب ماہ گذشتہ میں ایسوسی ایشن مذکور کے ممبر ہوئے۔

(۱) محمد ارتضیٰ علیخاں صاحب شرر۔ رئیس کاکوری ضلع اودہ۔

۱۶۔ اپریل ۱۹۰۵ء سید علی احمد صاحب بی۔ اے تلہر سے وصول ہوئے عـــہ/
۱۵۔ اپریل ۱۹۰۵ء منشی ارشاد الدین صاحب نے جمع کر کے مسجد فنڈ کے لیئے روانہ کیئے للعہ/
یہ آخری رقم ۲۰ صاحب سے جمع کی گئی ہے جن میں سے ہر ایک نے ۔/ سے عہ/ تک رقوم ادا کی ہیں۔

ذاتی خبریں

ہم خوشی سے اس خبر کو شایع کرتے ہیں کہ ہمارے کالج کے گریجویٹ فضل حق صاحب ریاست چھتر پور میں بشاہرہ ۵۰ روپیہ ماہوار مقرر ہو گئے ہیں۔

اور دوسرے گریجویٹ سراج احمد صاحب۔ ایم۔ اے۔ قائم مقام اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ممالک متوسط میں مقرر ہوئے ہیں۔

اور سرفراز بخش صاحب (نلسن) ہمارے کالج کے پرانے طالب علم نائب تحصیلداری صوبہ میں مقرر ہوئے ہیں۔

گذشتہ دربار لیوی میں جو محل سینٹ جمیس میں منعقد ہوا تھا۔ ہمارے کالج کے ایک پرانے طالبعلم سید علی اوسط کو پرنس آف ویلز کے حضور میں پیش کیئے جانے کا شرف حاصل ہوا۔

کالج اور رمضان شریف

ماہ مبارک کی برکت سے مہینا بھر کالج میں عجیب رونق رہی۔ اکثر طالب علم روزے رکھتے تھے اور شام کو مدرسہ کی مسجد میں تراویح کی نماز میں شامل ہوتے تھے۔ احباب ایک دوسرے کو افطاری کی دعوت دیا کرتے تھے۔ یہ چھوٹی چھوٹی دعوتیں بڑی پر لطف ہوتی تھیں۔ افطاری کی لذت روزہ کشائی کی مسرت دوستوں کی ملاقات روزہ کی تکان بالکل بھلا دیتی تھی

اسکی بہت زیادہ قدر ہوتی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ ایک بہادر کو اپنے دشمن کے ساتھ جنگ کرنے میں قوت بازو اور چستی و چالاکی کی سخت ضرورت ہوتی تھی۔ اگرچہ اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ مگر ہم یہ نہیں کہسکتے کہ اس فن کو سیکھنا بالکل فضول ہے یا یہ ماہو کہ یہ فن ہستی سے اٹھ جائے خصوصاً مسلمانوں کو جنکی کہ اباؤ اجداد کا ایک مدت مدید تک ترکہ رہا ہو۔ اور جسکی مدد سے صدہا مشکلات حل ہوتی ہوں چھوڑ دیں۔ بلکہ اس شریف فن میں ایک نئی روح پھونکیں اور حاصل کرنے میں حتی الامکان کوشش کریں۔

ہم لوگوں کی خوش قسمتی سے ایک ایسے نیک۔ محنتی مستعد۔ کامل اور تجربہ کار استاد محمد اکبر خاں صاحب مل گئے ہیں جنکی قدموں کی برکت سے انشا اللہ تعالی ہمارے کالج کا ایک ایک نوجوان اس فن کا استاد ہوگا۔ ہمارے استاد اُس عالمگیر مسئلہ کو اپنی نیک نیتی سے غلط ثابت کر دینگے۔ جو کہ مدت سے ہمارے دلوں میں مضبوطی سے جاگزیں ہے۔

زیادہ تر فخر کی بات یہ ہے کہ ہمارے لائق اور بہادر پروفیسر مسٹر ہولین نے اس کلاس کو اپنی نگرانی میں رکھا ہے۔ قریب دو ہفتہ سے ۲ طالب علم کالج کلاس کے روزمرہ سیکھتے بھی ہیں۔ سکول کلاس میں ابھی تک جاری نہیں ہوا۔ صرف اس امر کا انتظار ہے کہ آیا اُن کے والدین پسند کرتے ہیں یا نہیں۔ تقریباً ساٹھ کالج کلاس کے طالب علموں نے فیس داخلہ ہی دیدیا ہے۔ اُن کے لئے یقیناً اس ہفتہ سے تمام لوازمات مہیا کر دیئے جائیں گے۔

انجمن القرض

گذشتہ دو ماہ میں مفصلہ ذیل رقمیں امین انجمن کے پاس جمع ہوئیں!۔

۷ مارچ ۱۹۰۹ء	انتظار حسین صاحب سے بابت مسعود سکالرشپ کے	عـــہ
۸۔ مارچ ۱۹۰۹ء	سکندر خاں صاحب سے وصول ہوئے	صہ/

اب بھی دنیاوی کوششوں میں ویسی زور شور سے ہاتھ پیر مارے جاتے ہیں۔ اور جو لوگ اوقت کامیاب ہیں وہ اُن ہی کے مثل ہیں جو گذشتہ زمانے میں کامیاب ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ مضبوط اصول ہونا کامیابی کے لیئے ضروری صفت ہے اور اگر مسلمانوں میں سے یہ اوصاف زائل نہیں ہوگئے ہیں تو مجھے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ آیندہ کے لیئے ناامیدی کیجائے۔

فینسنگ کلاس یا پنوٹ کی کلاس

ہر متنفس اس امر کا معترف ہے کہ انقلابات زمانے کو کبھی قرار نہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک عجیب حیرت انگیز اور تعجب خیز مسئلہ ہے کہ بعض پُرانے خیالات قریب قریب تمام خواندہ اور ناخواندہ آدمیوں کے دلوں پر نقش کالحجر ہوگئے ہیں کہ وہ اُن کی تائید میں ہمیشہ صدق دل سے کمربستہ ہیں ایسے موقع پر ضرور اظہار کرونگا کہ یہ تعلیم اون حوادثات کا اثر ہے جو کہ اکثر کثرت رائے سے ہوا کرتی ہے۔ ایسے امورات مختلف قوانین پر مبنی ہوتی ہیں۔ جن کی تشریح اس مضمون میں نسیفد غیر مناسب معلوم ہوتی ہے۔ میرا منشا اس ہرزہ گوئی سے یہ نہیں کہ اپنے ناظرین میں ایک نئی روح پھونکنے کی کوشش کروں۔ میری خواہش صرف اُسی اظہار مطلب سے ہے جو کہ مضمون کی سرخی کے متعلق ہے۔

مدت سے سنتے آئے ہیں کہ بنوٹ بھی ایک شریف فن ہے۔ مگر اُسکا حاصل کرنا قریب قریب ناممکن۔ وجوہات جو اس امر کی بابت پیش کی جاتی ہیں وہ یہ کہ اس فن کے سکھانیوالے دستیاب نہیں ہوتے۔ اگرچہ اُنکا وجود صفحۂ ہستی پر موجود ہے۔ بلکہ بعض کا تو یہ خیال ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو بھی سکھلانے میں دریغ کرتا ہے۔ ظاہری وجہ جو کہ ہمارے خیال کو اسطرف رجوع کرتی ہے وہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ فن بہت ہی قابل قدر ہے بلکہ کسی زمانے میں

ہماری اصلاح ماننے پر راضی ہوں جو ہم لوگ اپنے حتے الامکان علیگڈھ سے اُن کو دیتے رہینگے۔
میں مناسب نہیں سمجھتا کہ مسلمان سوسائٹی ناکافی سرمایہ سے ہائی اسکول اور کالج قائم کرے۔
ہائی اسکول اور کالج جو اس طور سے قائم کیے جائینگے وہ اچھے نہوں گے اور جب تک کہ
ان تعلیم گاہوں میں آپ گورنمنٹ اسکول اور کالجوں سے اچھی یا اُس کے برابر تعلیم نہیں دینگے
مسلمان بچوں کو اُن کم درجہ کی تعلیم گاہوں میں بھیجنے سے آپ کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکینگے۔ میری
صلاح مسلمانوں کے لئے یہ ہے کہ گاؤں اور قصبوں میں حتے المقدور ابتدائی مدارس قائم ہوسکتے
ہوں کیجئے اور جب آپ کے لڑکے مڈل کلاس پاس ہو جائیں تو اُن کو کسی عمدہ اسکول میں اور اُس کے
بعد کسی عمدہ کالج میں جس میں آپ بھیج سکتے ہوں بھیجیں۔

یہ بات میں آپ لوگوں کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں کہ آپ کا مقصد اپنے
لڑکوں کو محض معمولی انگریزی تعلیم دینا نہیں ہونا چاہئے بلکہ اُن کو اعلیٰ اور عمدہ تعلیم جو ممکن ہو
دینی چاہیئے۔ مسلمان ہندوستان کے اور قوموں سے پیچھے رہ گئے ہیں اور اپنے کھوئے ہوئے
اقتدار کو اُسیوقت پا سکتے ہیں کہ جب اوروں کی سی نہیں بلکہ اُن سے اچھی تعلیم حاصل کریں گویا
دوسرے لفظوں میں دنیا کے مشکلات حل کرنے کے لیے اچھی طرح مسلح ہوں

دنیا کے مشکلات اب بھی ویسی ہی ہیں جیسی ہمیشہ تھیں گو اُن کی شکلیں بدل گئی ہیں۔
وہ اوصاف جو انسان کو پرانے جنگ و جدال کے زمانہ میں کامیاب کرتے تھے۔ اب بھی ویسے ہی
ضروری ہیں۔ جوش و قوت فیصلہ و معاملہ فہمی اور دل کی مضبوطی وہ اوصاف ہیں جو انسان کو
دنیا کی ہر حالت میں اپنے ہمچشموں میں سربلند کرتے ہیں۔ اور آپ میں سے بعض صاحب خیال
فرماتے ہوں گے کہ وہ خصائل جنہوں نے گذشتہ زمانے میں مسلمانوں کو فاتح قوم بنا دیا تھا اب
بے کار ہیں۔ اگر آپ غور سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اب خوں ریزیاں نہیں ہوتیں لیکن

شریک ہوں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے تعلیم کی ترقی دینے کا یہ ایک مناسب ذریعہ ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ نہایت ضروری امر ہے کہ مسلمان بچے ابتدائی تعلیم اپنے گھروں پر حاصل کریں۔ کیونکہ اول لڑکے اس طرح سے ابتدائی تعلیم کم سنی میں شروع کر سکینگے یہ ایک فطرتی اور صحیح بات ہے کہ والدین خصوصاً مائیں بچوں سے جب نہایت کم سن ہوتے ہیں الگ ہونا پسند نہیں کرتیں۔ اگر والدین مجبوراً بچوں کو دور کے شہروں کے مدرسوں میں بھیجتے ہیں تو ان کے پاس کوئی ذریعہ اس بات کے دریافت کرنیکا نہیں ہوتا کہ اُن کی نگرانی مناسب طور سے ہوتی ہے یا نہیں۔ جب ایسا اسکول کھلجائیگا جو گویا اُن کے دروازہ ہی پر ہے تو نہایت کم سن بچے بھی شریک ہو سکینگے اور شام کو اپنے والدین کے پاس واپس آ سکینگے اور ایسی حالت میں اُن کی صحت اور چال چلن دونوں کی نگرانی والدین بخوبی کر سکینگے۔ دوم ایسے اسکول میں جس کے افتتاحی جلسہ میں آج ہم لوگ شریک ہیں مسلمانوں کو یقین رکھنا چاہیئے کہ ان کی اولاد اُسی قسم کی تعلیم پائیگی جیسی تعلیم اپنے کم سن بچوں کو دینا چاہتے ہیں۔ ایسے مدرسوں کے ساتھ جن میں معمولی دنیاوی تعلیم سرکاری امتحانوں کے واسطے دیجاتی ہے مکتب کی تعلیم بھی ملادی جاسکتی ہے۔ آپ لوگوں کی یہ رائے ہوگی کہ جب تک مسلمانوں کے لڑکے قرآن شریف نہ پڑھ لیں اور کچھ مذہبی مسائل سے واقف نہ ہولیں اُنکو ایسے مدرسوں میں انگریزی تعلیم نہیں شروع کرانی چاہیئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر طرح ممکن ہے کہ مذہبی تعلیم کا نصاب مڈل اسکول کے امتحان کے نصاب کے ساتھ کردیا جائے۔ جب ایسا ہوجائیگا تو آپ لوگ دیکھینگے کہ وہ مخالفت جو ابتک چند مقامات میں باقی ہے جاتی رہیگی۔

جس جگہہ مسلمانوں کی متفق جماعت موجود ہو وہاں اس قسم کے مدرسے قائم کیئے جاسکتے ہیں۔ خرچ بہت قلیل ہے اور انتظام میں بھی چنداں دقت نہیں بالخصوص اسوقت کہ جب وہ

بچانے کے لئے ہر وقت اپنی جان دینے کو تیار ہیں۔ اگرچہ اکثر اخباروں میں لغو اور مہمل باتیں درج ہوتی ہیں اور بہت سے بے ایمان شور مچانے والے گورنمنٹ پر جھوٹے الزامات لگایا کرتے ہیں تاہم میں یقین رکھتا ہوں کہ جوں جوں انگریزی خیالات پھیلتے جاتے ہیں ویسے ہی گورنمنٹ کی منصفانہ کارروائی اور نیک نیتی کا اعتبار رعایا پر ہوتا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی قوم میں جن سے کہ میرا خاص تعلق ہے یہ بات اور بھی عین الیقین ہے۔ حضرات پولٹیکل مسائل میں میرے نزدیک سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان اور انگریز خوب ایک دوسرے سے واقف ہوجائیں اور ایک دوسرے سے ملکر مثل بھائیوں کے ایک ہی ملک کی رعیت ہوکر اتفاق پیدا کریں۔ جس پولٹیکل کام میں ہیں شریک ہوں میری سب سے بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ میری اور آپ کی قوم میں دوستانہ اتحاد قائم ہو۔ میں اُس آدمی کو۔ خواہ وہ کسی قوم کا ہو۔ جو ان دونوں قوموں میں نااتفاقی اور رنجش پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہو دونوں کا سخت دشمن سمجھتا ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہندو بھی اس دوستانہ اتفاق میں شریک ہوں گے۔ لیکن میرا مقصد صرف مسلمانوں سے ہے جن میں کہ میں کام کرتا ہوں۔ اور انہیں کو اسوقت خطاب کر رہا ہوں۔ میں اُسوقت کا انتظار کر رہا ہوں جبکہ کل پُرانے شکوک جو انگریزوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تھے بالکل رفع دفع ہوجائینگے۔ اور جبکہ مسلمان تعلیم اور ترقی میں زندہ دلی اور جوش دکھا کر اور اس عظیم الشان اور حیرت انگیز سلطنت کے رکن ہوکر ایسی اعلیٰ جگہہ پا ئینگے جو دولت میں لیاقت میں اور تہذیب میں اُس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کے ہوگی جو زمانہ گذشتہ میں جبکہ اُنکا ستارہ اُوج پر تھا اُنکو حاصل تھی۔

مسٹر ماریسن کی سپیچ

"حضرات مجھے اس بات سے خوشی ہے کہ تلہر کے ابتدائی سکول کے افتتاحی جلسہ میں میں بھی

آپ نے پولیٹیکل معاملات کی نسبت بھی اس ایڈریس میں اشارہ کیا ہے۔ میری رائے میں
پالیٹکس کی نسبت صحیح طور پر یہ اندازہ کرنا چاہیئے کہ اب اُنکی ضرورت اور معاملات کی ضرورت سے
زیادہ ہے یا نہیں۔ میرے خیال میں بنگال۔ مدراس اور بمبئی کے پالیٹشن پولیٹکل مسائل کی ضرورت
میں زیادہ مبالغہ کرتے ہیں۔ کسی قسم کی پولیٹکل کاروائیاں دولت اور تمدن کو نہیں بڑھا سکتیں
مسلمان انکو صرف تعلیم اور اسی قسم کی اور کوششوں سے بڑھا سکتے ہیں۔ کوئی گورنمنٹ یہ باتیں عوام
کو نہیں عطا کر سکتی۔ یہ تو وہی خود اپنی خوشی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کا تعلیم کو چھوڑ کر
بالکل ہی پولیٹکل کوششوں میں مستغرق ہونا اُن کے حق میں بہت ہی مضر ہے۔ لیکن پولیٹکل امور
بھی بہت دلچسپ ہوتے ہیں اور اکثر افسردگی کے وقت دل کو خوش کرتے ہیں۔ اگر اُن کو غور کے
ساتھ دیکھا جاوے تو وہ ہماری ہمدردی کو بڑھاتے ہیں اور خاص کر عوام الناس میں سے غریب
لوگوں کی بہبودی کی طرف ہمیں متوجہ کرتے ہیں۔ ایسے ہی وقت میں جب پولیٹکل مسائل کی
انتہا ضرورت ہوتی ہے۔ ہر ملک کی ترقی کے لیئے یہ امر لابد ہے کہ اُس کی گورنمنٹ اندرونی اور بیرونی
دشمنوں کی نسبت زیادہ مضبوط اور طاقتور ہو۔ اور اُس کی فوجیں غنیم کے شکست دینے کے لیئے
کافی ہوں۔ اور اُسکا اعتبار رعایا پر اس طرح کا ہو کہ بغاوت اور ناراضی کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔
یہ باتیں ہر قوم کے امن اور ترقی کے لیئے ضروری ہیں۔ جس وقت ان کے جانیکا خطرہ ہو
تو بیشک اُسوقت پولیٹکل مسائل کی اور سب باتوں سے زیادہ ضرورت ہے۔ اسوقت مجھے اس بات کے
یقین سے خوشی ہے کہ ان باتوں کی نسبت کسی طرح کا خطرہ نہیں۔ سرحد کی مضبوطی بہت کر دی
گئی ہے۔ فوج میں اضافہ کیا گیا ہے۔ اور پہلے سے اب اور بھی عمدہ حالت ہے وزیر مال کے
بجٹ سے یہ بات معلوم کر کے بہت اطمینان ہوتا ہے کہ سپاہیوں کی تنخواہ میں اضافہ کیا جائیگا۔
اور اسوجہ سے تمام رعایا کے اُس حصے کو فائدہ پہونچیگا۔ جو کہ بہادری کے ساتھ اس ملک کے

اگر آپ اجازت دیں تو میں دو ایک ضروری باتیں آپکے سامنے پیش کروں - کل روپیہ چندہ کا جمع کرنے میں غالباً آپ کو دقت ہوگی۔ کیونکہ اکثر لوگ اپنا وعدہ دیر میں وفا کرتے ہیں اس لیے میں یہ رائے دیتا ہوں کہ آپ اخراجات کا اندازہ آمدنی سے جسقدر کم ہو رکھیں۔ اور جو باقی بچا کرے اسکو علیحدہ جمع کرتے جائیں۔ تاکہ جب کبھی لوگ چندہ دینے میں کچھ دیر لگائیں تو مدرسہ کے کام میں کچھ ہرج نہ واقع ہو۔ اور جب لوگوں سے چندہ وصول ہوجائے تو وہ اس روپیہ میں شامل کردیا جائے جو علیحدہ جمع تھا۔ اور جس میں سے لیکر ضرورت کے وقت خرچ کیا تھا۔ اور جسقدر اس روپیہ کی مقدار بڑھتی جائیگی اُسی قدر اُسکو وقعت ہوگی اور اس کی مالی حالت محفوظ اور محکم ہوتی جائیگی۔

دوسرے میں آپ کو اس بات کا خیال دلانا چاہتا ہوں کہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کمیٹی کے ذریعہ سے مدرسہ کا انتظام کرنے میں دقتیں پیش آئینگی

کمیٹی کے اکثر ممبر ہیڈ ماسٹر کے کام میں دخل اندازی کرنا چاہیں گے۔ عمدہ ہیڈ ماسٹر ملنا بہت ضروری ہے۔ اگر آپ کو کوئی ایسا شخص ملجائے جو محنت سے کام کرتا ہو اور جس پر آپ کو اعتبار ہو تو یہ بہتر ہوگا کہ اسکو جہاں تک ہوسکے پورا اختیار دیا جائے اور ذرہ ذرہ سی بات میں دخل دیکر اسکو پریشان نکریں۔ مثلاً لڑکوں کو اپنے کلاسوں میں ترقی دینا وغیرہ وغیرہ باتوں کا اختیار بالکل اُسکو ہونا چاہیئے۔ ورنہ وہ سکول میں اچھی تعلیم دینے کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔ کمیٹیوں کے ذریعہ سے سکولوں کے انتظام کرنے کا تجربہ باشندگان ہند کو ابھی تک بہت کم حاصل ہے انہیں یہ لیاقت حاصل کرنی بہت ضرور ہے۔ مگر اس عملی لیاقت کے حاصل کرنے میں ممبران کمیٹی کو بردباری اور تحمل سے کام کرنا چاہیئے۔ میں آپ کو مایوس کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اس قسم کی کمیٹیوں کی کامیابی کی اکثر مثالیں موجود ہیں۔ میں نے صرف اُن دقتوں و مشکلات کا اظہار کیا ہے جو غالباً آپ لوگونکو پیش آئیں

تعلیم کے واسطے ہونا چاہئے۔ کیونکہ زیادہ تر عالی خاندان مسلمان ایسے ہی قصبات میں پائے جاتے ہیں۔ اور چونکہ یہ ضروری ہے کہ اُن مسلمان لڑکوں کی تعداد جو سکول میں انگریزی پڑھتے ہیں۔ بڑہائی جاوے۔ یہ امر نہایت مناسب ہی۔ کہ سب سے پہلے اُنکو تعلیم دیجاوے۔ جنکا تعلق معزز اور شریف درجے کے لوگوں سے ہی۔ یہ بات بہت اطمینان دہ ہے کہ اکثر جگہہ اس طرح کی خیرخواہ قوم پائے جاتے ہیں۔ جیسے کہ ٹہلر میں بھی موجود ہیں۔ اور جو کہ ترقی تعلیم میں کوشش کرنیکا خوشی سے ذمہ لیتے ہیں۔ لیکن اگر کل مسلمانوں کی قوم پر نظر ڈالتے ہیں تو ایسے لوگوں کی تعداد ابھی بہت کم ہے۔ جسقدر انگریز ولایت میں ہیں۔ اُس سے تقریبا دوگنے مسلمان ہندوستان میں آباد ہیں۔ لیکن جب آپ دونوں جگہوں کی تعلیم کا مقابلہ کرینگے تو ولایت کی تعلیم کی مقدار یہاں کی نسبت کئی سوگنا زیادہ پائینگے۔ غریب سے غریب انگلستان کے لڑکے کو بھی جو تعلیم دیجاتی ہے وہ یہاں کے سرکاری مدرسوں کی تعلیم سے کہیں عمدہ ہوتی ہے۔ اور وہاں کے اُن اشخاص کی بھی تعداد جو عوام کی بہتری کے لئے اپنا وقت اپنا روپیہ اور اپنی طاقت تک صرف کرنے کو تیار ہیں۔ یہاں کے لوگوں کی نسبت بہت بڑہی ہوئی ہی۔ اور اس لئے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ جسقدر ایسے زندہ دل لوگ تعلیم میں کوشش کرنے والے ہیں اُنکی تعداد میں ترقی دینے اور اُن کی مدد سے مسلمانوں کی تربیت اور ترقی ہوگی۔ اور کسی اور طرح سے نہیں ہو سکتی۔ ان کی تعداد میں ترقی ہوتی دیکھکر مجکو خوشی ہوتی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ بعد ایک پشت کے ان لوگوں کی محنت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی حالت بہت بہتر ہوجائیگی۔ آپ کے سکول کو مدرستہ العلوم علیگڈہ کی ایک شاخ قرار دینا بہت خوشی سے منظور کیا جائیگا۔ یہ چوتہا سکول ہے جو اس کالج کی شاخ قرار دیا جائیگا۔ باقی تینوں میں سے ایک مارہرہ میں ہی۔ دوسرا اٹاوہ میں اور تیسرا ریواڑی میں۔

دوپہر کو ایک عام جلسہ کیا گیا جسکے صدر تہیوبیک صاحب تہو سید احمد صاحب نے
انگریزی میں اور یوسف علیخاں صاحب نے اُردو میں اُنکی نوع سرائی میں ایڈرس پڑہی جسمیں
مسلمانوں کی حالت کو ترقی دینے کی بابت انکا شکریہ ادا کیا گیا تہا۔ پولیٹکل امور تعلیمی مردم شماری
اور مدرستہ العلوم کی بابت انمیں خاص تذکرہ تہا ۲۲ برس پہلے تلہر میں ایک ٹریڈ عربی اور فارسی کا
قائم ہوا تہا اس کی حالات اور موجودہ اسکول کی بنا کے حالات پڑہے گئے اس کے بعد بیک صاحب
اور موریسن صاحب نے اسپیچ دیے جنکو ہم ذیل میں شائع کرتے ہیں جب سید ذاکر علی صاحب جلسہ کا
شکریہ ادا کر چکے تو کارروائی ختم کی گئی اور حاضرین جلسہ مع ۲۷ طلباء کے جو دوسرے دن سے
اپنی تعلیم شروع کرنے والے تہے مدرسہ کی عمارت دیکھنے گئے۔

اسپیچ مسٹر تہیوڈور بیک پرنسپل مدرستہ العلوم

حضرات! — آپنے مجکو اپنے سکول کے افتتاحی جلسہ میں شریک کرنے سے بہت
معزز فرمایا ہے۔ آپنے مہربانی فرماکر جو اڈریس مجکو دی ہے۔ اس میں میری ان خدمات کی جو
میں نے اس ملک کے مسلمانوں کے ساتھہ کی ہیں۔ بہت تعریف کی ہے۔

میں اس عنایت کا بیحد مشکور ہوں۔ آپنے اڈریس میں بیان فرمایا ہے۔ کہ اس سکول
کی بنا ایجوکیشنل سنسس (تعلیمی مردم شماری) کیوجہ سے ہوئی ہے۔ ایجوکیشنل سنسس کے اس عملی
نتیجہ کو دیکہہ کر بہت اطمینان ہوتا ہے سینسس اسواسطے شروع کیا گیا تہا۔ کہ مسلمانوں کی ترقی تعلیم
میں ایک بڑا عملی نتیجہ پیدا کر سکے مجکو یہ توقع نہ تہی کہ مارہرہ اور ایٹہ کے مدرسوں کی بنا اسقدر جلد
اس عمدہ نتیجہ کا اظہار کریگی۔ میری مدت سے یہ رای تہی۔ کہ اُن قصبات اور دیہات میں جہاں شریف
خاندان مسلمانوں کے ہیں۔ اور جہاں کوئی انگریزی مدرسہ نہیں ہے کچہہ ضروری بندوبست

تلہر کے مسلمانوں کے خیالات میں تبدیلی پیدا ہونے کی عجیب مثال یہ ہے کہ ایک بہت معزز رئیس یعنی حاجی محمد حسین خاں صاحب نے جو پہلے انگریزی تعلیم کے بہت مخالف تھے اور جنہوں عربی تعلیم کی غرض سے ایک مکان چار ہزار روپیہ کے صرف سے تعمیر کرایا تھا۔ اب وہ مکان انگریزی مدرسہ کے لئے (جس کے ساتھ عربی مدرسہ بھی جاری رکھا جائیگا) عنایت فرمایا ہے۔ قوم کیطرف سے سید ذاکر حسین صاحب اور الطاف حسین صاحب اور یوسف علیخاں صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا ضرور ہے جنکی مساعی بلیغہ سے یہ مدرسہ قائم ہوا۔

مسٹر موریسن اور مسٹر بیک علیگڈہ سے جلسۂ افتتاحی میں شریک ہونے گئے تھے ریل کے اسٹیشن پر ۱۰۰ معزز مسلمانوں نے انکا استقبال کیا۔ ان صاحبوں کے ہاتوں میں پھول تھے جو انہوں نے مہمانوں پر بہت کثرت سے نچھاور کئے رات کے اندہیرے میں تقریباً ۲۰ اصحاب کی ہمراہی میں جو گہوڑوں پر سوار تھے اور ایک ہاتی اور چند مشعلچیوں کے ساتھ کچھ فاصلے طے کرکے قصبہ کے اندر ایک مکان میں پہونچے جہاں شب کو انہوں نے قیام کیا دوسرے دن انجمن کا ایک اجلاس ہوا جس میں موریسن صاحب صدر نشین تھے تقریباً بیس ممبر موجود تھے یہ فیصلہ کیا گیا کہ موریسن صاحب کمیٹی کے پریسیڈنٹ یوسف علیخاں صاحب نائب صدر سید علی احمد صاحب سکرٹری اور سید ذاکر علی صاحب منتظم مقرر ہوں۔ چند امور بھی مثلاً ہیڈ ماسٹر کا تقرر تعطیلات کا تعین فیس کی شرح وغیرہ بھی اسی جلسہ میں طے کردیئے گئے یہ امر قرار پایا کہ کمیٹی کو بیس فیصدی طلبا بغیر فیس داخل کرنے کا اختیار ہوگا اور معاونین مدرسہ میں سے جو صاحب ایک روپیہ ماہوار چندہ دیتے ہیں وہ بحساب فی روپیہ چندہ ماہانہ ایک طالب علم نصف فیس پر یا بحساب عمار ماہوار چندہ ایک طالب علم بلا فیس داخل کرانے کے مجاز ہوں گے۔

Alcohol

اسی طرح ریاضی میں Algebra zero chiffre اور کیمیا میں کو الفاظ یہ ہیں Alembic alcohal alcool alchemie

وغیرہ وغیرہ نیچرل ہسٹری اور طب کے الفاظ ہیں مثلاً Julep sirop

elixir lool mirobolans sorbet وغیرہ وغیرہ

ایک لفظ حشیش ہے جس سے ہمارا لفظ assassin نکلا ہے جسکے معنی قاتل کے ہیں

ایم۔ اے۔ او۔ کالج برانچ اسکول تلہر

اس نام کا ایک مدرسہ جو علیگڈہ کالج سے ملحق کیا گیا ہے تلہر ضلع شاہجہاں پور میں ۳۰ مارچ سنہ حال کو کھولا گیا۔ تلہر تقریباً بیس ہزار آدمی کی بستی کا ایک قصبہ ہے جس میں زیادہ تر مسلمان آباد ہیں۔ غدر کے وقت یہاں کے مسلمان متمول تھے لیکن غدر کے بعد بلحاظ دولت و مرتبہ دو گھٹتے گئے یہاں تک کہ تقریباً دس برس ہوئے جب سے انہوں نے شکر سازی وغیرہ تجارتوں کے ذریعہ سے اپنی حالتوں کو سنبھالنا شروع کیا ہے اب مسلمان شرفا کی ایک خاص بڑی تعداد خوشحال ہے۔ مگر وہاں کوئی انگریزی مدرسہ نہ تھا جسمیں وہ اپنی اولاد کو تعلیم دے سکتے جب سید علی احمد صاحب بی اے (طالب علم مدرستہ العلوم) نے تلہر میں تعلیم مردم شماری کی تو وہاں کے باشندوں میں انگریزی تعلیم کا کچھ شوق پیدا ہو گیا تھا اور جب ایسے والدین کو جو اپنے بچوں کو تعلیم نہیں دلاتے تھے خط بھیجے گئے اور دوبارہ تعلیمی مردم شماری کی گئی تو اسقدر جوش پیدا ہوئے کہ ایک سکول جاری کرنے کی مستحکم تیاریاں ہو گئیں (علمہ)۔ ۔۰ روپیہ ماہانہ چندے کا وعدہ کرا لیا گیا۔ یہ رقم فیس کی آمدنی ملا کر مدرسے کے اخراجات کو کافی ہوگی

کے قابل علوم کی اصطلاحات ہیں۔

ہر شخص واقف ہے کہ مدینۃ الحکما اور اسکندریہ کی کتابیں زیادہ تر عرب کے ذریعہ سے ہمارے پاس پہونچی ہیں۔ عرب پر الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے اُن یونانی لفظوں کو خراب کر دیا جو اُن کے استعمال میں ہے۔ یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ عرب نے اپنے حروف میں اُن لفظوں کو ہو بہو نقل کیا بجز (پ) کے جسکے لئے انہوں نے (ب) استعمال کی۔ اور حرف کے واسطے اُس کے مقابل کا حرف استعمال ہوا۔ مگر انہوں نے اعراب کو نہ لکھا جس کی وجہ سے لیٹن میں ترجمہ کرنے والوں نے غلطی کی۔ یہی وجہ ہے کہ عربی ابارکوس ابرکیس ہوگیا اور ارسطوطلیس ارسٹوٹل ہوگیا۔ اور اسم صفت الحبشی الحبث ہوگیا۔ سمت الراس سمٹیا زنیتھ ہوگیا۔ اسی طرح Reni سیسی Assemani اسیلمانی کے schickard سکرڈر Seggei سگری۔ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ستاروں کے عربی نام کس قدر بگاڑے گئے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو تعجب کی بات ہے کیونکہ ایک ایک عربی مادہ سے پندرہ قسم کے فعل بنتے ہیں جنمیں سے ہر ایک کے جداگانہ معنی ہوتے ہیں اور خلاف قیاس جمع کے اٹھائیس اوزان ایسے جو ایک ایک کئی کئی اور ان صفت یا اسموں کے لئے مخصوص ہیں۔ ان وجوہ سے بعض مشتقات کو دریافت کرنا جو مشرقی زبانوں سے لئے گئے ہیں اور ان تغیرات کا پتہ لگانا جو کاتبوں کی لاعلمی یا بے پرواہی کی وجہ سے ان میں ہوئے ہیں بہت دقت طلب ہے مگر ہم اتنا یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا علم ہیئت عربی اصطلاحات سے پر ہے وہ چند اصطلاحات یہ ہیں Almican. harato azim. .. Zenia

Aaurnar Nadir Aldebaran Regel wega

باب میں گفتگو کرنے کے واسطے گیا ہے جو وہاں غلام بنائے گئے تھے۔ آخرکار سنہ ۱۴۹۱ لغایتہ ۱۵ و
سنہ ۱۴۹۲ء میں جب عرب سپین سے نکالے گئے تو فرانس از سر نو عربی قوموں سے بھر گیا۔ جو
اپنے ساتھ نئے خاندانی نام لائے۔ اسی طرح سے ہمارے زمانہ میں فتح الجیریا نے فرانسیسی
زبان کو نئے لفظوں سے بھر دیا جو پیشتر معلوم نہ تھے۔ یہ بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ ان
تعلقات سے جو صدیوں تک جاری رہے ہیں ہماری زبان کو بہت سے عربی کے جملے اور طرز
بیان مل گئے ہیں۔ اس موقع پر ہم اُن لفظوں کا ذکر کرینگے جو دونوں قوموں کے مشترک طریقہ
زندگی یا ڈپلومیٹک تعلقات کی وجہ سے فرانسیسی زبان میں لگئے ہیں۔ یہ بالکل نیچرل تھا کہ
عربوں نے جو آٹھویں صدی کے بعد بحر روم کے مالک تھے فرانس اور اٹلی کو ایک بڑا حصہ جہازرانی
کی اصطلاحات کا دیا۔ مثلاً *Admiral* = امیر البحر۔ *Felouque* ۔ فلوکہ ۔
Darse = دارالصناعت ۔ *Calfat* = قلفۃ *Caravelle.*
Fregate, flotte, Escadre, estacade, chiourme,
Canque, Chaloupe وغیرہ وغیرہ۔ اور سب زیادہ ۔*Bonne-etc.*
جو جینیوں سے منسوب کیجاتی تھے اور یہ ہی نیچرل تھا کہ جب مستقل فوجیں قائم ہوئیں تو جو خطابات
کہ مسلمانوں کی فوجوں میں مروج تھے اختیار کر لیے گئے۔ نعرہ جنگ توپوں کے واسطے بارود
کا استعمال وغیرہ وغیرہ والیان بغداد سے لیا جانا بالکل نیچرل تھا۔ خاندان سوم کے فرینچ
بادشاہوں نے انکا ہر بات میں تتبع کیا اور یہ ہی سبب ہے کہ شاہی شکار کے بہت سے طلاحات
عربی میں مثلاً *Meute chasse, Lacets, Curee, Tente*
وغیرہ وغیرہ۔ اور لفظ *Tournoi* جسکو زمانہ حال کی ڈکشنریاں
Tornamente سے مشتق بتاتی ہیں۔ وہ صرف عربی لفظ ہے مگر زیادہ تر جو

قتل تھے اور جب رابرٹ دوم نے شاہزادی کانسٹنس (Constance) کو ۹۹۶ء
میں فرانس کی تخت نشینی کے واسطے بلایا تو فرانس کی زبان اور اطوار میں ایک بڑی بھاری
تبدیلی ہو گئی

کروسیڈ یعنی جہادات نے اس باہمی تعلقات کو اور زیادہ ترقی دی خصوصاً
سینٹ لوئس (St. Louis) کے جہاد نے جو کئی سال تک مشرق میں رہا۔ فریڈرک دوم
نے جو سینٹ لوئس کا ہمعصر تھا اپنے لیئے عربوں کا ایک گارد۔ مقرر کیا تھا۔ اور ابن الرشد
کے بچوں کو اپنے دربار میں بلوایا ہیئت۔ ریاضی۔ طبیعات عربی کتابوں سے پڑھائی جانے
لگیں۔ تیرھویں صدی تک میں راجر بیکن (Roger Bacon) اور ریمانڈ لول (
Raymond Lull) نے مشرقی زبانوں کی تعلیم کیطرف توجہ دلائی اور اُن کی
ضرورت بیان کی۔ اور وائنا (Viena) کی کونسل نے خواہش ظاہر کی کہ روما الکبرا
پیرس۔ بلونا۔ اور اوکسفورڈ میں ان زبانوں کی تعلیم ہو۔ پوپ دو طالب علموں کو جو مشرقی
ملکوں کے رہنے والے اور عربی۔ ایرانی۔ اور ایشیا کی دیگر زبانیں جانتے تھے۔ پیرس میں
رکھتے تھے۔ فرنل (Fernel) کے عہد سے پیشتر عربی کا فن طب ہمارے ڈاکٹروں کے
علم کی بنیاد تھا۔ فروسارٹ (Froissart) اپنی تاریخوں میں اکثر عربی طرز ادا استعمال کرتا
ہے۔ ولیم پوسٹل (William Postel) نے جو فرانس کے کالج میں ریاضی
اور زبانہائے مشرقی کا پروفیسر مقرر ہوا تھا ۱۵۳۸ء میں ایک مضمون عربی گرامر پر لکھا۔
ریاستہائے بربر کے ساتھ فرانس کے تعلقات نے ہنری سوم کو ۱۵۸۷ء میں خیال دلایا کہ
شاہی کالج میں ایک عربی کے پروفیسر کا عہدہ تجویز کروں اور اُسپر ترنول ڈیلسل (Arnoul Delisle)
کو مقرر کروں جو اکثر اوقات فاس اور مراکو میں فرانسیسیوں کی رہائی کے

دریاے سندھ کے کناروں سے آبنائے جبل طارق تک علم کا چرچا ہوا۔ اور اس طوائف الملوکی کے زمانے میں جو بادشاہ شارلین کے عہد کے بعد پیش آیا جس میں کہ وحشت و جہالت کا اندھیرا فرانس اور جرمنی پر زیادہ اور زیادہ گھرتا جاتا تھا عرب جو کہ جنوبی فرانس پر کوہ نیز سے کوہ آلپس تک قابض تھے اپنے علاقہ فرینگزی نٹ (Fraxinet) سے اپنی فتوحات کو شمال میں صوبہ برگنڈی اور سوئزرلینڈ اور جنوب میں صوبہاے لمبارڈی اور نارول (Monza) تک پھیلانے کی غرض سے بڑھے اور ان ملکوں میں عرب کے اثر کو ترقی دی۔ اور ہمارے بزرگوں کو وہ علم عطا کئے جو عربوں نے ان مدارس میں حاصل کئے تھے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کی وسیع سلطنت میں قائم تھے۔ اس موقع پر عرب اثر کا لیٹن قوموں میں زیادہ پھیل جانا قابل لحاظ ہے۔ اسپین کے ساتھ معاملات زیادہ کثرت سے تھے۔ جربرٹ (Gerbert) کے بارسیلونا (Barcelone) جانے کے متعلق خواہ کتنا ہی اختلاف رائے کیوں نہو مگر اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ عربی ہندسوں اور طریق اعداد عشری کا استعمال ہماری وہاں اسی وقت سے جاری ہوا۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ یہ ہندسے صرف ایک تبدیل شدہ شکل رومی ہندسوں کی ہے جن میں صفر کا اضافہ کر دیا گیا ہے اور ان کے نام اور مسلسل تبدیلیاں بالکل عربی الاصل ہیں۔ ۹۵۶ء میں عبدالرحمن سوم کے معاملات بہت عیسائی بادشاہوں سے۔ جیسے شاہ جرمنی۔ شاہ فرانس اور والی ریاستہای سیلور تھے براہ راست تھے۔ اوتھوں سوم (Otton) کی طرف سے ایک سفیر اس عظیم الشان بادشاہ کے دربار میں رہتا تھا۔ طولوس (Toulouse) کا دربار قرطبہ کے دربار کے نمونہ پر تھا۔ فن شعر گوئی میں ان کے باہمی مقابلے جنکو پہلے زمانہ میں کلیمنٹ اسوار (Clemence Isaure) نے ترتیب دیا قدیم عرب کے متعلقات کی

لفظوں کا اشتقاق بیان کیا ہے جسکو ہم صحیح نہیں سمجھتے۔

آٹھویں صدی کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں کل جنوبی حصہ فرانس کا تھا۔ چارلس مارٹل (charlse martel) نے شمالی حصہ کو ۷۳۲ء سے لیکر ۷۳۹ء تک حملوں سے بچایا لیکن اُس نے سپٹی مینیا (Septimanie.) کو عرب کے واسطے چھوڑ دیا۔ امیر عربوں نے مستقل قبضہ کرلیا اور اسی ملک میں شادیاں کیں اور اس ابتدائی زمانہ ہی میں شیاً لفظ اپنی زبان کے روزمرہ کے استعمال کی چیزوں کے واسطے رائج کیے۔ پادریوں تک نے عرب کی حلقہ بگوشی کو فرانسیسی نبرد آزماؤں کی اطاعت سے بہتر سمجھا جو گرجاؤں کی ملکیت کو دیئے ڈالنے میں کچھ تامل نہ کرتے تھے۔ بہت سے تعلقات پیشتر سے ایسے موجود تھے جنہوں نے عیسائیوں اور مسلمانوں کو باہم شیر و شکر کردیا تھا۔ اکوئٹین (Aquitaine) صوبہ فرانس کے ایک ڈیوک کی بیٹی ایک عرب امیر کی منکوحہ ہوئی تھی۔ صوبہ لنگیڈوک (Languedoc) کے شہروں میں اُن کے گورنر برقرار تھے اور وہاں کا انتظام بدستور قائم تھا۔ موروںٹی (Mauronte) جو مارسلیز (marselle) کا ڈیوک تھا۔ حملہ آوران فرانس کا وفادار طرفدار تھا۔ اور ببین دہرشل (Pepin d 'Mareslul.) کے بیٹوں سے جی توڑ کر لڑا۔ اور جب پیپن لی بریف (Pepin le Beef.) نے ۷۵۹ء میں فتح سپٹی مینیا کی تکمیل کی تو عربوں کی جائدادوں میں دست اندازی نہ کی اور انکو اسی ملک میں آباد رہنے دیا۔ شارلیمن (charlemagne) کے عہد میں دوسری قسم کے تعلقات دونوں قوموں کے درمیان قائم ہوئے۔ تدبیر ملک نے جنگ کی جگہ لی۔ خلفاء بغداد نے عرب کی شائستگی کو درجہ کمال پر پہونچایا۔ اور ہارون رشید نے فرانسیسیوں کے پرشوکت بادشاہ سے رشتہ دوستی قائم کیا۔ خلفاء قرطبہ نے اسپین کو مغربی ملکوں کی جان بنادیا۔

عربی و فرانسیسی زبان کا تعلق

آج تو مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ وہ اس قابل ہی نہیں رہے کہ غیر قوموں کی عمدہ باتوں کا اُن پر اثر پڑ سکے۔ یعنی ان میں انفعال کا مادہ ہی نہیں رہا۔ لیکن کسی زمانہ میں انکی تہذیب و ترقی کا یہ حال تھا کہ یورپ کی اعلیٰ سے اعلیٰ قومیں انکی تہذیب۔ تمدن۔ معاشرت۔ کی تقلید کرتی تھیں یہانتک کہ فرانس کی زبان۔ اور اُسکا لٹریچر عربی کی اثر سے نہ بچ سکا۔ اس خاص مضمون پر کہ فرنچ زبان کس درجہ تک عربی سے متاثر ہوئی تھی۔ پرُوفیسر سیدیو نے اپنی کتاب تاریخ اسلام میں جس سے زیادہ مفصل اور مستند کتاب مسلمانوں کے متعلق یورپ کی کسی زبان میں نہیں لکھی گئی۔ ایک آرٹیکل لکھا ہے۔ ہم اسکا ترجمہ بعینہٖ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔ جو ناظرین کے لیئے خالی دلچسپی سے نہوگا۔ وھو ہذا

فرانسیسی اس امر کو اکثر بھول جاتے ہیں کہ ایک زمانے میں عرب صرف علوم میں بلکہ انسانی واقفیت کے ہر شعبہ میں اُن کے اُستاد تھے۔ اور ہماری عمدہ سے عمدہ ڈکشنریاں یہاں تک کہ ایم۔ لٹرے (M. [illegible]) کی ڈکشنری میں بھی ایک بڑی فروگذاشت ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے بجائے اُن فقروں کے جو براہ راست عربی زبان سے آئے ہیں

(iii) *Football Shield Matches.*

Football matches for the College Class Challen Shield, the competition for which has created a great int rest in Football among the students of our College, a has done a great deal of good for the game, have at la been decided after several drawn matches played during the la two months. The First Year Class was defeated by the Fourt Year in the early stage ; the momentous struggle in the 2n tie between the 2nd and 3rd Year Classes, being the most cel brated contest in the history of the shield matches, resulted in win for the former by two goals to one, and the Fourt Year and the Second Year were left in at the last. The Final ti was not played off, for the Fourth Year Class did not appea in the field to play the match, and thus, without further effort their adversaries were enabled to keep up the proud position of the 2nd Year Class as the ever conquerors of the shield. Their names are as follows —

1. Islam Muhammad Capt.
2. Ashraf Khan
3. Muzaffar Hussain
4. Abdul Majid Khan
5. Khair-uddin
6. Kaim Hussain
7. Abdullah Shah
8. Ali Muhammad Amritsari
9. Ali Muhammad, Ambalvi
10. Nur-uddin
11. Rahim-uddin

And after several lines in which familiar Urdu expressions occurred, such as 'qui hai', 'ulu ka bachha' etc., the last line was—

So I went to the College to pick up some knowledge
and develope a Sandow leg
Yes, Sandow's arms and legs
Sandow's arms and legs
So I went to the College to pick up some knowledge
and develope a Sandow leg.

The scenes from the play were very well done and were very amusing.

The programme was as follows :—

PART I.

1. A Persian Poem (تانز)...............Azmatullah.
2. The rival broom makers ... Muhammad Ali Khan.
3. Ballum V Bottum ... Sayyed Muhammad.
4. Speeches of Horace Walpole and Mr. Pitt. { Salamul Haqq. Nazir Ahmad, B. A. L. L. B.
5. Old Anglo-Indian Satire ... T. Beck, Esq.
6. Read aloud quickly ... Mumtaz Husain.
7. Song ... G. A. Paterson, Esq.

PART II.

1. Song.................. ..Miss Goode.
2. Retort ....Sajjad Haider.
3. The Song of love and death .... S. Zain-ud Din, B. A.
4. Scenes from "Love for love" (Congreve) { Mumtaz Husain, Zainuddin, Muhammad Abdullah, Muhammad Ali, Azmat-ullah. Zia-ullah, Salamul Haqq, and Sajjad Haider.
5. A Reading ... G. S. Carey, Esq.
6. Songs ... G. A. Paterson, Esq. C. S.

"There is a point that cannot be too much impressed on the pupil-in-training, as it is the basal fact upon which all successful physical instruction rests. There must be *a concentration of the will-power upon the exercises* in hand, and the dumb-bells must be held and used, not passively, but as a potentiality to be actively and strenuously exerted."

This is what Sandow says himself and the point should not be forgotten Capt. Greatorex, Assistant Inspector of Gymnasia, Aldershot, says : however good the system, it is null and void without the concentrated "will-power" of the pupil upon the work in hand."

The second matter of capital importance is regularity in performing the exercises every-day : a month's time is too short to enable one to judge of results and Mr. Morison hopes that those who have begun will continue after he has left, with the same regularity as they have hitherto shown : three months regular work especially with the heavy dum-bells ought to show very satisfactory results.

It should be remembered that light dumb-bells are for giving suppleness and vigour to the muscles, and the heavy dumb-bells for adding to their size and power. For the purpose of keeping the muscles and all the body in health the light dumb-bells are the most useful : the heavy ones only give increased power.

(ii) College Entertainment.

A very successful entertainment was given in the Siddons Union Club on April 6th, of which we append a programme. Its success was chiefly due to the singing of Miss Goode and Mr. Paterson, Assistant Collector, and the Scenes from a play. Mr. Paterson's comic songs were loudly encored. In particular the topical allusions contained in his song about Emin Pasha were greatly appreciated. The verse in question began as follows :—

Then I made quick time to a Southern clime in a special parcels cart,
For I heard folks aver that Aligarh was a rather tropical part.

offer to their old College will be mature and weighty and at the hands of the Committee will receive respectful consideration.

I wish to add to the above that I have no wish to prevent students from forming opinions on any thing in heaven or earth, but I do not wish them to be mistaken as to the value of those conclusions.

I have the honour,

Sir,

To be your most obedient servant,

THEODORE MORISON.

COLLEGE NEWS.

(1) *Physical Training.*

Mr. Theodore Morison having procured some books from England on physical development called for volunteers from the 3rd and 1st year classes to be put thro' a course of light and heavy dumb-bell exercises before the time he should leave for England. He selected ten from each class and took all their measurements and weights before beginning.

The object of these exercises is to exercise those muscles which in ordinary athletic games are but little used : the advantage which dumb-bell exercises have over ordinary gymnastics lies in this that the weights can be adapted to the strength of each pupil : whereas in the ordinary gymnastic exercises on the parallel and horizontal bars the weight to be raised is that of the body and cannot be modified : the weight of a heavy person is often too great for his arms to raise : the advocates of dumb-bells claim that there are no muscles which cannot be exercised by their means. The system adapted by Mr. Morison is that of Sandow : the book which describes how he brought his body to its present perfection is very fully illustrated by photographs of the athlete Sandow himself.

The system is not in itself very novel : the increase of muscle which Sandow promises to those who follow his method can only be obtained by following his directions systematically : each exercise should be performed with careful thoroughness : the exercises lose all their merit if the pupil slouches thro' them in a slipshod fashion.

opinions are worthless : being but a boy he cannot have had experience—but it is monstrous vanity in him to resent being told so.

The Indian student is generally accused of being disloyal to the British rule and of spreading political discontent. I do not believe that the statement is true : but the particular cases from which this unfair generalisation is made are probably of youths of overwheening vanity. There are of course in India, as there were in England in Elizabeths' day, " proud University princoxes who think they are men of such merit that the world cannot sufficiently endow them with preferment." The world thinks otherwise ; then they salve their vanity by attributing their failure in life to the hostility of an alien Government. Or perhaps this pack of school boys comes to the conclusion " that India is growing poorer day by day" " or that there ought to be a duty on the corn exported from " India" " or that the English rule has cheapened luxuries but raised the price of necessities "—subjects on which neither their education nor their experience has given them the right to have any opinion at all. No sensible man of course pays the slightest attention to political opinions so accredited : then the more foolish of these boys, unable to see facts through the crassness of their own conceit, fall to screaming that " the Government is arraying against itself the intelligence and education of the country." It is waste of time to argue with such hysterical vanity.

I believe that the democracy of a residential College is a very good corrective of this inflated estimate of his own importance to which the young student is prone. A kick in the bottom is an answer to such fatuity which seems to me as apposite as it is soothing to one's own feelings and of this your University prin cox' is not likely to be baulked in a large Boarding-House.

I think that the tone in the M. A.-O College is growing every day more healthy in this respect. I believe that, as a rule, the present students do not expect the world to pay much attention to their speculations until their exertions and experience have invested them with dignity and authority : if this is so the advice and assistance which they will eventually

prompted by a sincere solicitude for its welfare. Moreover if their services to the community and the position which their talents and experience have gained for them in the world are important I think that they should be encouraged to associate themselves with our work. I have myself derived valuable assistance from the opinions of old students.

But it is quite a different matter when the student of yesterday presumes to be offended because nobody asks his opinion and nobody wants it. The most unselfish devotion and the wisest heads that the Musalman community can muster will be wanted to make this College complete, but it does not follow that any callow B. A. can render valuable assistance in a work of such magnitude, even tho' his vituline conceit be offended that he is not courted to give his advice.

I think that hard measure is dealt to the Indian student in the public press and elsewhere, and when occasion offered I have done what I could to show that he was innocent of the faults usually laid to his charge. I therefore can hardly be misunderstood when I point out what his shortcomings really are. Conceit is his besetting sin. His fatuous self-sufficiency seems to me to be quite out of proportion to his importance in the scheme of creation. It is largely due to a temporary cause : he happens by the accident of his education to have in some respects the advantage of his parents : aware that his elders hold some views which are not tenable, he is led to undervalue that part of their wisdom which is founded on experience and which in the conduct of affairs is worth all his speculative agility. The snubs they should administer to him lose that bitterness wherein their wholesomeness consists when he has no respect for those who administer them ; a young Englishman is made cautious of venting his opinions upon the elder world by the conviction that such opinions will be received with the silence of contempt, which is even more galling than contradiction : but the Indian student who has not been forced to realise the truth (generally unpalatable to young minds) that he and his views are of no consequence to any one is wounded in his self-love when the world with callous frankness tells him so. It is not his fault that his

nearly the same as the proportion deducted for income-tax. As all of us however would be very glad to have to pay no income-tax it may be inferred that the increase of pay will be perceptible and grateful to the men who get it.

When we compare the condition of the finances of India with those of other countries we have reason to congratulate ourselves. The National Debt of India is comparatively small, while in England it is 600 millions pounds, and in France 1,300 million pounds. The revenues of France, Italy, and Russia all showed last year deficits of six or seven million pounds, or about twelve crores of rupees. These deficits were met by borrowing loans and increasing the national debts of those countries. Italy is on the verge of bankruptcy. Greece and Portugal have already gone bankrupt. England alone of European countries shows a good surplus of income over expenditure. The cause of the deficits of European countries is to be found in the enormous military burdens of those countries, and in defects in their methods of government. It is very much to the credit of the finance ministers of India that in spite of the tremendous losses inflicted on the Government by the fall in exchange, amounting altogether to not less than 100 crores of rupees, the finances of the country are in so sound a condition.

CORRESPONDENCE.

To the Editor,

The M. A.-O. College Magazine.

Sir,

Will you permit me to reproduce in your columns the substance of a private letter I recently wrote to an old student on a subject which I think is interesting to many of the younger generation of Musalmans. The subject of contention is whether the old students have a right to expect to be consulted in the direction of the policy of the College?

Now I will begin by saying that I believe that our College will have its heartiest supporters among those who were formerly its students : their advice will generally be the most intelligent because it is founded on practical knowledge and

Revised estimates of 1894–95.

We have already stated that these estimates show an anticipated surplus of nearly a crore of rupees. This remarkable result is due chiefly to an increase of revenue under the following heads :—

Opium	...	Rs.	15,414,000
Customs duties	...	„	9,301,000
Railway earnings	...	„	3,511,000
Excise	...	„	1,502,000

The increase under customs is partly due to the Cotton duties which were imposed towards the end of the year. But it also includes an item of Rs. 3,130,000, due to an actual increase of receipts from the other duties greater than was expected. This seems to indicate that the trade of India is steadily increasing, a sure sign of growing wealth of the country. The total revenue now expected from the Import duties is about three crores per annum.

Budget estimates for 1895–96.

It is expected that there will be an additional loss from exchange to the Government of India of no less than two and a half crores. On the other hand the conversion of the debt from 4 per cent to [illegible] per cent, an operation possible only through the high credit which the Government of India enjoys, will effect a saving of half a crore per annum.

It is expected likewise that the revenue will be largely increased under the headings of Railways, Land Revenue, Opium, and Stamps and Excise. So that it is hoped that at the end of the year there will be an actual surplus of Rs. 462,000 ; and this in spite of an increased expenditure of 26 lakhs of rupees on account of increased pay to the Native soldiers.

It will thus be seen that the finances of India are in a much better condition than any one would have dared to hope. The last item we have noticed—the increase of pay to the sepoys—will meet with universal satisfaction. Formerly the sepoy's pay was Rs. 7 per month with allowances. Now no sepoy will receive less than Rs. 9 per month. The actual increase per head is not great. As there are 110,000 sepoys it amounts to about Rs. 2 As. 8 per head per annum. If we assume the sepoy's pay to be Rs. 100 per annum, the sum is

THE INDIAN BUDGET.

The Financial Statement for 1895-96 has come upon us as an agreeable surprise. We had expected that the unprecedented fall of exchange during the past year would have produced a large deficit in the accounts, which would have had to be met either by increased taxation or by a loan which would have added to the national debt of India. The fall of one-tenth of a penny in the exchange value of the rupee means a loss to the Government of India of a quarter of a crore of rupees. At the beginning of the year 1894-95 it was estimated that the expenditure of the Government would exceed its income by Rs 3,010,000. The fall of exchange during the year added to this sum a loss of no less than Rs 21,658,000. Yet instead of a deficit as we should have expected of Rs 31,563,000, the Finance Minister announces that the improvement of revenue is so great that he expects an actual surplus of Rs 9,905,000

The Indian Budget deals with the income and expenditure of three years. First it makes an estimate of the expenses and income of the coming year, commencing on April 1st Next it gives the actual income and expenditure of the past year. But in-as-much as the Budget is published before the first of April the accounts of income and expenditure for the past year are incomplete, there being a month or so for which expenditure has not been paid, nor income received Consequently the accounts of the past year are called "The Revised Estimates for that year." Finally the Budget contains the completed accounts of the year before last. Thus in the present Budget the accounts for these three years stand as follows :—

ACCOUNTS OF 1893–94.

In the last Budget Statement when this year had been nearly completed a deficit was expected of Rs 17,928,000. The final accounts now show that the deficit is only Rs 15,469,980, *i. e.* Rs 2,458,020 better than was expected. Of this sum Rs. 10,609,540 was spent in Railway construction under the Famine Insurance Grant, so that deducting this money, which may be regarded as an investment, the actual deficit was Rs 486,044 only.

creased so as to secure for the Magazine a circulation among that large section of the Muhammadans who are ignorant of English. Political articles, and a good deal of the College news will be printed in English : the former because we wish them to be accessible to Englishmen and the Editors of papers written in English; the latter because it is interesting chiefly to present and past students of the College, all of whom know English. It is our intention however occasionally to print some portion of the College news in Urdu, so as to interest the non-English-knowing portion of our subscribers in the welfare of the national institution. But such matters as cricket and football news, which are interesting only to Anglicized Musalmans and Englishmen, will be printed in English always. The Urdu portion of the paper will deal with various subjects interesting to the Musalman community, and especially with literary topics. The translations from Arabic papers will give information as to what is happening in other parts of the Muhammadan world. Translations will be given from English, French and German books and journals dealing with questions connected with Islam. Reviews will be given of books written by Muhammadans in India. Some distinguished gentlemen, such as Nawab Mohsin-ul-Mulk, Maulvi Altaf Hosain Hali and Shamsul-ulama Maulvi Zaka Ullah, have promised to contribute articles to the Urdu portion of the journal. As these gentlemen are Trustees of the College, and as the Editors and many of the contributors of the Magazine are members of the staff of the College or old pupils, the name of the Magazine is appropriate to the extended scope of the journal, because it expresses the views, opinions and tastes of that body of men who are the founders and supporters of the movement which has given birth to the College. The directors of the journal now desire that it should be speedily and effectually brought to the notice of the Urdu public. Hitherto its subscribers have been limited to persons knowing the English language. No attempt has been made to sell the paper among that much larger section of the public which is ignorant of English. We hope that all our subscribers will assist us in this work and will bring the Magazine to the notice of all their friends and acquaintance.

accompanied with hopes of promotion. Under these circumstances it is ridiculous to say that the supply is greater than the demand.

It is with great regret that we have heard of the death of Sir George Chesney. India has lost in him one of her greatest statesmen. His book on *Indian Polity* published many years ago led the way to many of the most important reforms that have since been carried out. Among other matters Sir George Chesney then advocated the policy of opening up the higher posts of the civil service to natives of India, a policy which has since been carried into effect. He has just published a fresh edition of this work in which he has recommended that similar privileges be extended to natives of India with regard to the army. We were once favoured to hear his views expressed privately with great force on this subject. But Sir George Chesney's greatest achievements are in connection with the strengthening of the frontier and the improved organisation of the Indian army. On retiring from India he was elected a member of Parliament as representative of the city of Oxford. From his seat in the House he advocated with great effect the cause of good government in India. He was a strong opponent of the National Congress party, and had promised his active assistance to the Indian Imperial Committee. His death is a great loss to this movement.

THIS MAGAZINE.

Our readers will have noticed that the M. A.-O. College Magazine has been undergoing a gradual transformation. Its size has been increasing by degrees. Its subject matter has likewise undergone alteration. Its contents are no longer confined to College news, though the latter has been increased, partly through condensation of the material. The Magazine has become the organ of the Educational Census and the M. A.-O. Defence Association, so as to be attractive we hope to those persons who want to know the latest news of these movements. But the last and present numbers indicate a new departure of much importance to the paper. The Urdu portion has been in-

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series. VOL. 2.	MAY 1, 1895.	No. 5.

EDITORIAL NOTES

Lord Wenlock gave some statistics in his Convocation Address at Madras which disposed the nonsense talked by some people about graduates of Indian Universities being unable to find employment and being obliged to accept menial positions or wander about starving. The number of Government posts in Madras with salaries of Rs 30 per month and over is, he says, 6,500. There are on an average 290 vacancies a year. The average number of graduates on the other hand for the last ten years has been only 238. Consequently it is clear that there are not enough graduates to fill them all, even assuming they all enter the Government service. Some statistics given by Mr. Syed Mahmood in his book (p. 102) show that in the years 1871-82 not half the graduates during that period entered the Government service. The total number of graduates during that period was 3,311, of whom 1,244 entered the Government service. In Madras the figures were 808 and 296 respectively. From these facts we may infer that the market value of a graduate's service immediately after taking his degree must be more than Rs 30 per month. We believe that in these provinces the market value is not less than Rs 50 per month, and that in most cases this salary is

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A.-O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs (3) including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. p. for Rs 3 or for Re. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 1 anna per line or Rs. 3 per page.

THEODORE BECK,
English Editor,

MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,
Urdu Edit

NIAZ MUHAMMAD KHAN,
Manager.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 2.	MAY 1, 1895.	No. 5.

CONTENTS.

Printed at the Institute Press, Aligarh.

For Siddon's Union Club.

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین

اس پرچہ میں مسلمانوں کے مفید مطلب مضامین پولیٹکل علمی وغیرہ مضامین درج ہوا کرینگے — فی الحال کم از کم ۲۴ صفحہ اردو میں ہوا کرینگے — اور کئی مشہور مسلمان معززین نے جن کی علمی لیاقت مسلم ہے — اردو میں مضمون عنایت فرمانے کا وعدہ کیا ہے •

میگزین میں ایسی کتابوں پر جو مذہب اسلام کی بابت یورپ یا ہندوستان میں وقتاً فوقتاً شایع ہونگے — ریویو لکھے جاوینگے اور مصر و شام کے عربی اخبارات و رسالہ جات کے چیدہ چیدہ مضامین ترجمہ ہوکر درج ہوا کرینگے •

یہہ رسالہ مسلمانوں کی " تعلیمی مردم شماری " کا بھی ہے — جس کی کامیابی کی ماہانہ رپورٹیں اس میں درج کی جاوینگی — نیز اس میں شمالی ہندوستان کے " اینگلو اورینٹل ڈیفنس ایسوسی ایشن کی بابت بھی تازہ خبریں لکھی جاوینگی •

میگزین میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کی بابت تمام قسم کی خبریں درج ہونگی — اس لئے یہہ پرچہ بلحاظ کالج کے بیرونی کمالات اور اندرونی حالات کے کالج کی ایک باقاعدہ تاریخ ہوگا •

یہہ میگزین تمام ہندوستان کے مختلف اسلامیہ مدارس کی ترقی و کامیابی کی خبریں شایع کرنے کو ہمیشہ مستعد رہیگا — ایسے مدرسوں کے سرپرستوں اور حامیوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ ایڈیٹر کو ان مدارس کی بابت اطلاع بھیجا کریں •

سالانہ چندہ مع محصول ڈاک عـہ سالانہ مقرر ہے — لیکن قطعی پیشگی ادا ہو جانا چاہئے — حضرات معاونین یا تو مینیجر کے پاس قیمت (سالانہ عـہ ششماہی ۱/۸) روانہ فرماویں — ورنہ پہلا پرچہ بصیغہ " قیمت طلب " پیکٹ بھیجنے کی اجازت دیں •

میگزین میں بشرح ۱/ فی سطر یا عـہ فی صفحہ اشتہارات بھی درج کئے جاوینگے •

دستخط {
تھیوڈور بیک — ایڈیٹر انگریزی
شمس العلما مولوی شبلی نعمانی — ایڈیٹر اردو
نواز محمد خاں مینیجر

جامع ازہر اور اُس کی اصلاح

مسلمانوں کی یہ سب سے قدیم یونیورسٹی ہے جو تقریباً نو سو برس سے قائم ہے۔ اور جس میں کم و بیش بارہ ہزار طالب العلم تعلیم پاتے ہیں۔ اس کی مختصر اور ابتدائی تاریخ یہ ہے کہ مصر میں جب فاطمیّن کی سلطنت قائم ہوئی تو خلیفہ المعز لدین اللہ کے غلام نے جو سسلی کا رہنے والا تھا۔ اور جوہر سپہ سالار کے لقب سے ملقب تھا۔ قاہرہ میں ایک جامع مسجد کی بنیاد ڈالی۔ ۳۵۹ھ میں اس کی تعمیر شروع ہوئی اور ۳۶۱ھ میں انجام کو پہونچی۔ یہ ہی مسجد ہے جو آج جامع ازہر کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ اُس زمانہ میں۔ اگرچہ تمام اسلامی ممالک میں تعلیم کو نہایت ترقی تھی لیکن اُسوقت تک خاص اس غرض کے لیئے مدرسوں کی تعمیر کا رواج نہیں ہوا تھا۔ ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم مسجدوں میں ہوتی تھی۔ یعنی اُس زمانہ کے مدرسے یا دارالعلوم جو کچھ کہو۔ جامع مسجدیں یا عام مساجد تھیں۔ اس قاعدہ کے لحاظ سے جامع ازہر کا قائم ہونا گویا ایک دارالعلوم کا قائم ہونا تھا۔ چنانچہ اس کی طیاری کے تھوڑے ہی زمانہ کے بعد یعنی ۳۷۸ھ میں خلیفہ العزیز باللہ نے چند طالب العلموں کا وظیفہ مقرر کیا اور اُن کے لیئے مسجد سے متصل بورڈنگ کے طور پر مکانات بنوا دیئے۔ ان طالب العلموں کی کل تعداد ۳۰ تھی۔ لیکن زمانہ مابعد میں اسکو روزافزوں ترقی ہوتی گئی۔ ۶۶۵ھ میں خاص تعلیم کی غرض سے امیر بیلبک نے مسجد میں ایک کمرہ طیار کرایا اور بہت سے مدرس مقرر کئے جو فقہ و حدیث و قران کی تعلیم دیں۔ ان مصارف کے لیئے بہت بڑی جائداد وقف کی جو مدت تک قائم رہی۔ ۷۶۱ھ میں اس کے متعلق ایک یتیم خانہ

قائم ہوا جس میں یتیم بچے قرآن مجید کی تعلیم پاتے تھے۔ اس کے ساتھ فقہ حنفی کی تعلیم کے لیے
ایک خاص مدرس مقرر ہوا۔ اور ان مصارف کے لیے بہت سی جائدادیں وقف کی گئیں۔
رفتہ رفتہ یہ مسجد ایک عظیم الشان یونیورسٹی بن گئی۔ عراق۔ فارس۔ شام۔ مغرب۔
تمام اطراف سے طلبا تعلیم کے لیے آتے تھے اور ہر قوم اور ہر گروہ کے لیے مسجد کے اوپر کی منزل
میں الگ الگ قطعے بنے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ ۱۸۸۰ء میں ان طالب العلموں کی تعداد جو خاص
مسجد میں بورڈر کے طور پر سکونت رکھتے تھے ۰۰، تک پہنچ گئی۔ اگرچہ یہ یونیورسٹی ایک مدت
تک تعلیم کا مرکز رہی۔ اور اسمیں بھی شبہ نہیں کہ کسی زمانہ میں اس کی تعلیم بھی اعلیٰ درجہ کی تعلیم تھی۔
لیکن اس تعلیدی اثر نے جو کئی سو برس سے تمام مسلمانوں میں پھیل گیا ہے اس دار العلوم کو بھی
نہ چھوڑا اور ایک مدت سے اس کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ تحقیق و ایجاد کا رستہ بالکل رک گیا ہے اور بہی
بوسیدہ اور تقویم پارینہ کتابیں برابر درس میں چلی آتی ہیں جو زمانہ حال کی ضرورتوں سے مطلق مناسبت
نہیں رکھتیں تعلیم سے زیادہ تربیت کی ابتری افسوس کے قابل ہے۔ لیکن اسکی تفصیل کی اس موقع پر
ضرورت نہیں۔ میں اپنے سفرنامہ ٹرکی میں یہ حالات نہایت تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔

جامع ازہر کی ابتری اگرچہ روشنضمیر لوگوں کو علانیہ محسوس ہوتی تھی۔ چنانچہ علی باشا مبارک
ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم نے آج سے بہت پہلے اس کی اصلاح کی طرف توجہ کی تھی۔ لیکن چونکہ ازہر
کے مدرسین کسیطرح کسی قسم کی اصلاح پر راضی نہیں ہوتے تھے اس کی درستی کی کوئی تدبیر کارگر
نہیں ہوتی تھی۔ ہمکو نہایت خوشی ہے کہ خدیو عباس پاشا جسنے یورپ میں تعلیم پائی ہے اور ہر موقع
پر تعلیم کی ترقی کی طرف نہایت توجہ ظاہر کی ہے۔ ازہر کی اصلاح کیطرف متوجہ ہوا۔ یہ عجیب حسن اتفاق
ہے کہ یہ وہی زمانہ تہا جب ہمارے ہندوستان میں ندوۃ العلما کی بنیاد پڑی۔ گویا۔ خدیو کو ندوۃ العلما
یا ندوۃ العلما کو خدیو سے توارد ہوا۔

خدیو نے ازہر کی اصلاح کے لیئے ایک خاص کمیٹی قائم کی اور مصر کے تمام بڑے بڑے نامور علما اسکے ممبر مقرر کیئے۔ اس کمیٹی سے امور ذیل کی اصلاح اور اس کے متعلق قواعد اور دستور العمل طیار کرنے کی خدمت سپرد کی گئی۔ درس کے قواعد مقرر کرنے۔ طالب العلموں کے مکانات کا سکونت کا انتظام کرنا۔ وظائف اور اسکالرشپ کا تقرر۔ امتحانات کے مختلف درجے قرار دینے سندوں کا عطا کرنا۔ ان امور کے علاوہ اسکو عام اختیار دیا گیا کہ جامع ازہر کی ترقی کے متعلق جو تجویزیں چاہیں پیش کریں۔ جو علما اس کمیٹی کے ممبر مقرر ہوے اُن کے نام حسب ذیل ہیں۔

شیخ سلیم بشری مالکی۔ شیخ عبدالرحمن شافعی۔ شیخ یوسف حنبلی۔ شیخ محمد عبدہ قاضی عدالتہائے ملکی شیخ عبدالکریم وکیل محکمۂ اخبارات سرکاری۔

پریسیڈنٹ شیخ حسونہ نوری مقرر کیئے گئے جو مصر کے مشہور عالم اور جامع ازہر کے وکیل المشایخ ہیں ان کی تنخواہ چہ سو روپیہ ماہوار ہے۔

شیخ حسونہ موصوف نے ممبروں کے اتفاق سے ایک مفصل دستورالعمل جس میں ۵۰ انسٹرکشن درج تھے منظوری کے لیئے جلسۂ وزراء میں پیش کیا۔ اور ان کی ذریعہ سے خدیو کے حضور میں پیش ہوکر جمادی الاولی ۱۳۱۴ھ کو منظور ہوا۔

افسوس ہے کہ یہ دستورالعمل پورا ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ صرف امتحانات اور ڈگریوں کے دیئے جانیکے متعلق جو قواعد مقرر کیئے گئے۔ اُن کو مصر کے عربی اخبارات نے چھاپا ہے۔ چنانچہ اسکا انتخاب ہم بدفعات ذیل لکھتے ہیں۔

(۱) جو شخص زمرۂ علما میں داخل ہونے اور کتب درسیہ کے تعلیم دینے کی اجازت حاصل کرنی چاہے اسکو ضرور ہوگا کہ جامع ازہر کے شیخ (پرنسپل) کی خدمت میں ایک درخواست پیش کرے جس میں ظاہر کیا جائے کہ اسنے کم سے کم بارہ برس تک جامع ازہر میں تعلیم پائی ہے۔ اور گیارہ علموں یعنی اُصول فقہ

۔فقہ۔نحو۔صرف۔تفسیر۔حدیث۔معانی بلاغت وغیرہ کی کتب درسیہ ختم کرچکا ہے۔

(۲) اس درخوست کے گذرنے پر حکم ہوگا کہ وہ اُن علما کی جن سے اُسنے کتب درسیہ پڑہی ہیں اس مضمون کی شہادت تحریری پیش کرے کہ اسنے وہ کتابیں ان سے پڑہی ہیں۔ نیز اسبات کی کہ اسکا چال چلن قابل اطمینان رہا ہے۔

(۳) شہادت کے پیش ہونے پر۔ شیخ ازہر ممتحنوں کا ایک کورم مقرر کریگا جس میں دو حنفی عالم۔ وشافعی۔ دو مالکی۔ ممبر مقرر ہوں گے۔

(۴) امتحان کا دستور العمل خود شیخ ازہر مرتب کرکے ممتحنوں کو حوالہ کریگا۔ اور سمیں علاوہ اور امور کے مقام امتحان اور وقت۔ او مضامین امتحان کا تعین ہوگا۔

(۵) درخوست دہندہ کو امتحان کی طیاری کے لیئے۔ دس دن کی مہلت دیجائیگی۔

(۶) امتحان کے تین درجے قرار دیئے جاینگے۔ اول۔ دوم۔ سوم۔ جو شخص ان تمام گیارہ علموں میں جنکا ذکر اوپر گذرچکا۔ کافی نمبر حاصل کریگا اسکو درجہ اول کی سند دیجائیگی۔ جسنے صرف ۹ علوم میں نمبر حاصل کئے ہیں درجہ دوم میں۔ اور جسنے ۸ علوم مین نمبر حاصل کیئے ہوں۔ درجہ سوم میں کامیاب سمجہا جائیگا۔ لیکن یہ ہرحالت میں ضرور ہے کہ اسکو اور باقی علوم میں معمولی لیاقت حاصل ہو

(۷) امتحانات کے بعد ہر امیدوار کو جس درجہ کی ڈگری ملی ہے۔ اسکے مناسب۔ درس اور تعلیم دینے کی اجازت ہوگی۔ اور اسکا باضابطہ اعلان کیا جائیگا۔

(۸) امیدواروں کے نتائج امتحان۔ خدیو کے حضور میں پیش ہونگے اور خدیو کے حضور سے انکو ڈگریاں عطا ہوں گی۔

(۹) درجہ اول کے کامیاب امیدواروں کو خدیو کی طرف سے اعزازی عبا۔ عنایت ہوگی (یہ عبا۔ ہمارے یہاں کے گون کے مشابہ ہے)۔

(۱۰) جو شخص تین درجوں میں کسی درجہ میں پاس نہوگا۔ اسکو دو برس کی مہلت دیجائیگی۔ اور اس مدت کے گذرنے پر اسکا دوبارہ امتحان لیا جائیگا۔ اس امتحان میں بھی اگر ناکامیاب ہوگا تو ایک برس کی اور مہلت دی جائیگی۔ اور اگر تیسری دفعہ بھی وہ امتحان میں ناکامیاب ہوگا تو پھر اسکو کبھی امتحان کی اجازت نہ دیجائیگی۔

یہ قواعد۔ اگرچہ فائدے سے خالی نہیں ہیں۔ کیونکہ جہاں کسی طرح کی ترتیب اور انتظام نہ تھا۔ وہاں اسقدر ہونا بھی غنیمت ہے۔ اور امید ہے کہ رفتہ رفتہ اسکو زیادہ ترقی ہو۔ لیکن افسوس ہے یہ کہ جو علوم درس میں داخل کیے گئے ہیں۔ وہی پُرانے علوم ہیں۔ علوم جدیدہ میں سے کوئی علم اور کوئی فن امتحان میں داخل نہیں کیا گیا ہے۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ خدیو کا ارادہ۔ علوم جدیدہ کی ترقی دینے کا ہے۔ جسکی بڑی دلیل یہ ہے کہ خدیو نے اسی سرکلر میں یہ بھی حکم دیا ہے کہ جو امیدوار۔ علوم مذکورہ کے سوا۔ اور علوم مثلاً جغرافیہ۔ جبر مقابلہ وغیرہ میں دخل رکھتے ہونگے۔ انکو درجہ اول کو سند یافتہ لوگوں پر ترجیح دیجائیگی۔

حقیقت یہ ہے کہ ازہر کے علما اب تک ملک میں بڑا اقتدار اور اثر رکھتے ہیں۔ اسلیے دفعتہً ان کے خیالات کی مخالفت نہیں کی جاسکتی۔ لیکن چونکہ والی ملک یعنی خدیو عباس پاشا۔ ایک روشن ضمیر اور تعلیم یافتہ شخص ہے۔ اس کے ساتھ زمانہ جو خیر المود میں ہے۔ علما کے گروہ میں بھی اپنا اثر پھیلاتا جاتا ہے۔ ہمکو پوری امید ہے کہ ایک دن جامع ازہر کی قسمت پلٹائیگی۔ اور یہی پُرانا درسگاہ جواب ملایانہ مکتب سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ کسیدن کیمبرج اور اکسفورڈ کے پہلو بہ پہلو چلیگا۔

(شبلی نعمانی)

سرسید اور اُن کے معزز رفقا کا مختصر سفر پنجاب میں "

۲۰۔ فروری کو ایک بجے دن کے فیصلاڈل بزرگ بمبئی میل میں سوار ہوکر دہلی اور انبالہ ہوکر پنجاب جانے

کے لیئے روانہ ہوئے۔

(۱) عالیجناب سر سید احمد خاں بہادر۔ ال۔ ال۔ ڈی بالقابہ۔

(۲) نواب محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں بہادر۔

(۳) آنریبل حاجی اسمعیل خاں صاحب رئیس دتاؤلی ممبر آف دی پراونسیل لیجسلیٹو کونسل برائے وضع قانون۔

(۴) شمس العلما مولانا شبلی نعمانی پروفیسر عربی مدرسۃ العلوم۔

سٹیشن پر جناب نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب۔ انکے صاحبزادے محمد احمد اسکوائر بیرسٹرایٹ لا۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب بیرسٹرایٹ لا۔ مولوی سید کرامت حسین پروفیسر قانون مدرستہ العلوم۔ بیرسٹرایٹ لا۔ اور متعدد طلبا اور افسران کالج اس معزز جماعت کے رخصت کرنے کے لیئے موجود تھے۔ مگر آخر ریل کی گھنٹی بجی۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملہا۔ کیونکہ یہاں اب اونٹوں پر سفر نہیں ہوتا مگر بربندید بستہا کا غل ضرور بلند ہوا۔ یہ سب مسافر رزرو ڈبہ یعنے مخصوص گاڑی میں بیٹھے۔ ریل نے سیٹی دی اور جنگل وبیابان یا یہ کہنا چاہیئے کہ وہ زرخیز وشاداب میں جو جمنا اور گنگا کے درمیاں ہے اسکو چشم زدن میں طے کرتے ہوئے غازی آباد اور پہر ۹ بجے سے کچھ پہلے دہلی پہنچ گئے۔ یہاں پر یہ سچ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی بڑا ہجوم نہ تھا مگر پہر بھی چندہ ہیں معزز اور شریف مسلمان دہلی کے سٹیشن پر موجود تھے تاکہ ان چند منٹوں میں سید صاحب اور ان کے رفقا کی ملاقات سے بہرہ یاب ہوں۔ منجملہ انکے نواب احمد سعید خاں صاحب جو مشہور ومعروف نواب ضیاءالدین احمد خاں رئیس لوہارو کے بیٹے ہیں اور کرم اللہ خاں صاحب۔ غلام محمد حسن خاں صاحب۔ بی۔ اے۔ عنایت اللہ صاحب۔ بی۔ اے۔ حکیم اجمل خاں صاحب اور دیگر رؤسا دہلی موجود تھے۔ چند منٹ کے بعد حسب معمول ریل روانہ ہوئی

اور مغرب کے وقت بم کے گولوں کے شور اور طلبار پانی پت کے چیرز کے شور میں پانی پت کے چھوٹے سے سٹیشن میں داخل ہوئے۔ پانی پت کے سٹیشن پر کئی سو شرفا اور بزرگان پانی پت استقبال کے لیئے موجود تھے۔ اور بہت تپاک اور گرمجوشی سے سید صاحب اور نواب محسن الملک بہادر۔ اور مولانا شبلی سے ملتے تھے بیشمار طلبا مدرسہ صفیں باندہے ہوئے سٹیشن پر کھڑے ہوئے تھے اور بار بار چیرز دیتے جاتے تہے۔ اسوقت پانی پت کے بہت سے شرفا اسی ریل میں سوار ہو کر اس جماعت کے ساتہہ کرنال کو روانہ ہو گئے۔ منجملہ اُن کے خواجہ صفدر علی صاحب۔ خواجہ غلام عباس صاحب پیرجی محمد حسن صاحب۔ چودہری ریاست علی خاں صاحب۔ خواجہ غلام الحسنین صاحب۔ مولوی وحیدالدین صاحب۔ غلام باری صاحب۔ بی۔ اے۔ ال۔ ال بی۔ سابق طالب علم مدرستہ العلوم۔ چودہری ممتاز حسین۔ سابق طالب علم مدرستہ العلوم۔ اور چودہری ہدایت علیخاں۔ علاوہ ان کے دیگر شرفا اور بزرگ شامل تے۔ جو چند منٹ ریل ٹہیری اسمیں لوگ سید صاحب اور نواب محسن الملک کو دیکھتے تھے اور سب مصافحہ کرنا چاہتے تہے۔ مگر ظاہر ہے کہ بہت کم شخص اس ہجوم میں کامیاب ہو سکتے تھے۔

الغرض ریل پانی پت کے سٹیشن سے روانہ ہو کر ایک گھنٹہ سے کم عرصہ میں جب کہ رات کا اندہیرا دن کی روشنی پر پوری طرح غالب آگیا تہا کرنال کے سٹیشن میں داخل ہوئی۔ یہاں بہی مستقبلین کا خاصا بڑا گروہ تہا اور پانی پت کیطرح اس معزز جماعت پر پہولوں کا مینہ برسایا گیا۔ گو یہ پہول بوجہ موسم کے نہایت مشکل سے کئی دن میں فراہم ہوئے تہے۔ تاہم حاضرین کا مجمع بہ نسبت پانی پت کے یہاں کم تہا۔ مگر چونکہ وقت اچہا تہا اور جسقدر لوگ موجود تہے وہ سید صاحب اور اُن کے رفقا کو بیچ میں گہیرے ہوئے تہے۔ اسلیئے یہاں تک نظر کام کرتی تھی آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ سب سے بڑی بات تہی کہ یہاں جناب مولانا مولوی خواجہ الطاف حسین صاحب حالی

ہندوستان کے بے مثل مصنف اور شاعر اور ان کے بیٹے خواجہ سجاد حسین۔ بی۔ اے۔ اوف مدرستہ العلوم ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ضلع کرنال و پانی پت استقبال و مدارات کے انتظام میں مصروف تھے وہ اس معزز جماعت سے ملے۔ سب سے پہلے خان بہادر سید الطاف حسین صاحب پریسیڈنٹ کرنال میونسپلٹی۔ آنریری مجسٹریٹ درجۂ اول اور سابق ڈپٹی کلکٹر کو سید صاحب سے معرّف کیا گیا۔ کیونکہ جو اشتہار سید صاحب کے خیر مقدم میں اور لوگوں کو انکے آنے سے مطلع کرنے کے لیئے دیا گیا تہا وہ آپ ہی کی طرف سے تہا۔ کرنال میں یہ معزز جماعت سوار ہو کر نواب عمر دراز علیخاں اور نواب رستم علیخاں صاحبان کے مکلف مکانات میں تشریف لے گئے جہاں ان کے آرام کا ہر طرح بندوبست کیا گیا تھا۔ یہ دونوں نواب صاحبان اس معزز جماعت کے میزبان تھے اور انہوں نے جہاں تک ان سے ہوسکتا تھا ان کے آرام دینے اور اس معزز جماعت کو نہایت لطیف اور عمدہ کھانے کھلانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ کھانے ایسے عمدہ پکتے تھے کہ سید صاحب آج تک اُن کی تعریف کرتے ہیں۔ غرض سب صاحبان مولانا حالی و خواجہ سجاد حسین اور قاضی محمد زاہد سابق طالب علم مدرستہ العلوم یہاں آئے اور کچھ عرصہ تک پانی پت کے مختلف صاحبان ان بزرگوں کی زیارت کے لیئے آتے رہے۔ آخر کار سب صاحبان رخصت ہوئے اور اس پارٹی نے رات کو آرام کیا۔

اب کہ یہ معزز پارٹی آرام کر رہی ہے میں ایک لحظہ توقف کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ ان سب کے پانی پت اور کرنال آنے کی کیا وجہ ہو۔ شاید یہ سمجھا جائے کہ سیر و تفریح انکو یہاں لائی۔ یا ان ذی علم آدمیوں کو جغرافیہ کی تحقیقات کا شوق تہا اسلیئے یہاں آنا ہی انہوں نے ضروری خیال کیا۔ یا یہ کہ قوم کے پرانے خاندانوں اور ویران قصبوں کی دلچسپ مگر تباہ اور مفلس زندگی کا تجربہ کرنے کیلیئے یہ پارٹی تشریف لائی۔ ان میں سے بہی شاید کوئی وجہ ہو مگر ظاہرا تو اس قیام کا باعث صرف نواب محسن الملک اور مولانا حالی ہیں۔ اگر بے ادبی نہ ہوتی تو یہ کہا جاتا کہ ؎ ای باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ اس پارٹی کے کرنال و پانی پت میں آنے کی مستادلی ہیں۔ اس معنی کی تشریح یہ ہے۔

جب نواب محسن الملک بہادر نے خود انجمن حمایت اسلام کی دعوت قبول کرنیکا ارادہ کیا اور عالیجناب سید صاحب نے بھی اسی خیال سے کہ لوگوں کو یہ خیال نہ رہے کہ وہ کسی قومی تحریک کے مخالف ہیں اور یہ غلط خیال دور ہو جاوے انجمن حمایت اسلام سے انکو ناراضی ہے اور نیز بپاس خاطر نواب محسن الملک بہادر انہوں نے لاہور جانیکا ارادہ کیا اسوقت نواب محسن الملک بہادر نے مولانا حالی کو لکھا کہ آپ کا وطن چونکہ رستہ میں ہے اسلیے میں اور سید صاحب چاہتے ہیں کہ ۲۴ گھنٹے وہاں قیام کریں اور آپکے پاس رہنے اور آپسے ملنے کی عزت اور خوشی حاصل کریں۔

پانی پت چونکہ ایک غریب قصبہ ہے اور وہاں ایسی گاڑیاں ملنی مشکل ہیں جن سے سید صاحب کو تکلیف نہ ہو اسلیے انکو شاید کرنال سے ایسی گاڑی منگانے کی ضرورت ہوئی۔ کیونکہ اگرچہ کرنال بہ نسبت پانی پت کے بہت چھوٹا ہے اور پرانے خاندان اور مسلمانان سلف کی یادگار نسلیں بھی بمقابلہ پانی پت کے وہاں گویا بالکل نہیں ہیں مگر وہ صدر مقام ضلع کا ہے اور دو ایک رئیس بھی وہاں ہیں اسلیے یہ خیال پیدا ہوا کہ سید صاحب کو کرنال میں زیادہ آرام ہوگا۔ ساتھ ہی اس کے مولانا حالی اور خواجہ سجاد حسین۔ بی۔ اے۔ اور نیز ان چند طلبا مدرستہ العلوم جنکا پانی پت وطن ہے خیال پیدا ہوا کہ افسوس ہوگا کہ اگر سر سید اور نواب محسن الملک آئیں اور اس ضلع سے کچھ چندہ کالج کے لیے نہ دیا جائے۔ سب نے اسکا چرچا کیا اور چند معزز عہدہ داران کو ساتھ لیکر مسٹر ای گلینو بہادر ڈپٹی کمشنر کرنال کے پاس گئے۔ انہوں نے اس امر کو بہت پسند کیا اور خود بھی چندہ دیا اور اپنے وارڈز کیطرف سے چندہ دیا۔ یہ دیکھکر ضلع کے دیگر عہدہ داران نے بھی جو سر سید کے مساعی کے نہایت مداح ہیں تے کوشش کی۔ مولانا حالی اور خواجہ سجاد حسین اور دیگر طلبا مدرستہ العلوم

چودھری ممتاز حسین اور قاضی محمد زاہد اور باقی نیک دل شرفا نے چاروں طرف سے چندہ مانگنا شروع کیا۔ غرض ایک معقول تعداد چندہ کی اس غریب ضلع سے جمع کی اور عالیجناب سید صاحب کو اس امر سے مطلع کیا کہ مولانا حالی بھی چند روز سے کرنال تشریف لے آئے ہیں آپ بھی آئیں کیونکہ ڈپٹی کمشنر صاحب بھی آپ سے ملنا اور جلسہ میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔

یہاں سر سید اس اثنا میں زیادہ علیل ہوگئے اور یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید وہ نہ جا سکیں مگر یہ خیال سید صاحب کے اُصول سے ناواقفیت ہونے پر مبنی تھا۔ اس خط کے آنے سے انکا ارادہ مصمم تو تھا ہی اور بھی زیادہ مستقل ہوگیا اور گو ڈاکٹر نے بھی انکا جانا پسند نہ کیا مگر وہ روانہ ہوگئے چنانچہ میں ابھی انکو کرنال میں آرام کرتا چھوڑ چکا ہوں۔

اب ۲۱۔ فروری کو صبح کے وقت سید صاحب مع خواجہ سجاد حسین کے ڈپٹی کمشنر صاحب سے ملنے گئے اور لوٹتے ہوئے خان بہادر ڈپٹی الطاف حسین کے ہاں بھی ٹھیرے۔ واپس آئے تو شرفار پانی پت کا ایک گروہ اپنے اور باقی بزرگوں سے خصوصاً نواب محسن الملک بہادر سے ملنے کے لیئے آیا۔ جب تک آدمی تھوڑے سے تھے اُسوقت تک نواب صاحب سے اچھی طرح ملتی رہے مگر سید کے واپس تشریف لانے پر جب ہجوم زیادہ ہوگیا تو نہ کوئی کسی سے مصافحہ کر سکا۔ اور نہ ملاقات۔ نہ باتیں۔ وجہ اسکی زیادہ تر یہ تھی کہ سید صاحب کی طبیعت علیل تھی اس لیئے باقی اصحاب پارٹی کے بھی خاموش تھے۔

غرض یہ لوگ جو اس توقع سے بہت دور سے آئے تھے کہ اپنے بڑے آدمیوں سے ملیں گے باتیں کرینگے اور محظوظ ہوں گے مگر یہ سب بزرگ خاموش آئے اور خاموش چلے گئے۔ مگر یہ بھی آخر اپنے قصبہ اور اپنے اپنے محلہ کے سرگروہ اور معززین تھے اور اپنے مختصر دائرے سے قدم باہر کبھی انہوں نے نہ نکالا تھا اور وہ پورے طور پر نہ جانتے تھے کہ یہ بزرگ کیسے جلیل القدر لوگ ہیں۔

اور انہوں نے کیسے بڑے بڑے کام کئے ہیں کہ انکا دیکھہ لینا ہی عزت ہی۔ علاوہ اس کے وہ تہکے ماندے بہی ہیں۔

مگر حقیقت یہ ہی کہ پنجاب خاص کیطرح یہاں کے باشندے اس جماعت کو معزز سمجھتے تھے اور قومی خیرخواہ اور سردار بہی دہیمے طور پر انکو کچھہ کچھہ سمجھنے لگے تھے۔ مگر پنجاب خاص کے باشندوں کیطرح وہ ابہی تک سید صاحب کے اثر سے متاثر نہیں ہوے تہے۔ اسلیئے انکو ناگوار ضرور ہوا کہ ہمنے چندہ دیئے۔ ملنے آئے اور پہر ایشیائی تپاک سے ہم سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ یہ بات حقیقت میں افسوس کے قابل تھی کہ اُن لوگوں کی دلشکنی ہوئی اور انسے ملاقات زیادہ تپاک سے نہوئی۔ مگر اس میں انکا ہی قصور ہے اگر انہوں نے اس چہوٹی سی بات کو اہم سمجھا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

۸ بجے دن کے ۲۱۔ فروری کو نواب صاحبان کے ایک خوبصورت اور وسیع مکان میں اجلاس ہوا جسمیں جناب ڈپٹی کمشنر صاحب و رکرنال کے اکثر معززین و عہدہ دار اور بہت سے بزرگان پانی پت سوض ایک ہزار آدمیوں کے قریب جمع تھے۔ اور یہ سب ان بزرگوں کے دیکھنے اور تقریر سننے کے مشتاق معلوم ہوتے تہے۔

ایک صاحب نے پیش کیا اور خواجہ سجاد حسین نے تائید کی کہ خان بہادر سید لطاف حسین حب کے صدر انجمن ہوں اور صدر کرسی پر جاکر انہوں نے حاضرین کا شکریہ اور اس معزز جماعت کی تعریف و خیر مقدم میں مختصر تقریر کی۔ پہر جناب مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی نے ایک ایڈریس ضلع کرنال کے باشندوں کی طرف سے پڑہا۔ اس ایڈریس کی عبارت اور خیالات بلحاظ بندش الفاظ اور متانت بیان کے نہایت اعلیٰ اور عمدہ تہی۔ اور افسوس ہی کہ آج تک اسکو طبع نہیں کیا گیا بعد میں جناب سید صاحب نے کہڑے ہوکر باوجود علالت اور ضعف کے نہایت فصیح اور متین اور پرجوش تقریر کی جسکو قاضی محتشم الدین صاحب تحصیلدار کتیھل اور چودہری ممتاز حسین نے لفظ بلفظ لکھا۔ مگر

افسوس ہے کہ آواز سید صاحب کی ایسی دہیمی تھی کہ شاید گرد کے پچاس ساٹھ آدمیوں سے زیادہ نہ سن سکتے تھے۔ اور یہ تقریر حاضرین کے فہم سے کسیقدر بالا بہی تھی اور وہ اسکے مطلب کو سمجھ نہ سکتے تھے۔ جو بعد ازیں مولانا حالی نے پڑھا وہ بہی ایسی آواز سے پڑھا تھا کہ کم آدمیوں نے اسکو سُنا۔ اسکے بعد نواب محسن الملک بہادر نے اپنی معمولی طلاقت و فصاحت سے نہایت ظرافت آمیز تقریر کی۔ انکا بولنا گویا ایک دریا کی روانی ہوتی ہے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے جو اردو بہت صاف سمجھتے ہیں کہا کہ ان کی تقریر سے انکو مسٹر گلیڈسٹن کا بولنا یاد آگیا۔ مگر اس اسپیچ پر بہی یہ اعتراض کیا گیا کہ مقصد سے کسیقدر رہی ہوئی تھی اور اسوقت کے زیادہ مناسب نہ تہی۔ بہرحال جیسا نواب محسن الملک نے فرمایا۔

مرا جا شد خرم را نیز جا شد　　زن دہقاں بزائد یا نزائد

پانی پت اور کرنال اور کیتہل کیطرف سے تین تہیلیاں قریباً تین ہزار تین سو روپیہ کے سید صاحب کی خدمت میں پیش ہوئیں اور خواجہ سجاد حسین نے پیش کرتے وقت اُن کے متعلق گفتگو کی۔ پھر مدرسۃ العلوم کے ایک گریجویٹ نے چیدہ اور مختصر الفاظ میں ڈپٹی کمشنر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس جلسہ کی کامیابی کے زیادہ تر باعث وہی ہیں اور یہ بہی بیان کیا کہ اشاعت تعلیم مدد دینا ایک نہایت اعلیٰ اور عمدہ یادگار انگریزی حکومت کی ہندوستان میں باقی رہیگی۔

۵ بجے کے قریب جلسہ برخاست ہوا۔ سید صاحب و اُن کے رفقا سٹیشن پر تشریف لائے۔ رات کو وہاں آرام کیا کیونکہ اگر شام کو روانہ ہوتے تو نہایت سویرے لاہور پہونچتے۔ اس وقت انجمن حمایت اسلام استقبال کا بندوبست نہ کر سکتی تہی اور لوگوں کو بہی تکلیف ہوتی اس لیئے انکا ٹہرنا مانگر مجبوراً ۲۲۔ فروری کی صبح کو لاہور روانہ ہوئے۔ رستہ میں بہت سے سٹیشن طے کرتے ہوئے پہلور پہونچے۔ وہاں ایک معقول مجمع "زندہ دلان پنجاب" کا خیر مقدم کے لیئے موجود تہا۔

میں یہ بات بہول گیا کہ کرنال میں ۲۱۔ کی صبح کو غلام نیاز خاں صاحب وکیل رئیس جالندہر آ گئے تہے اور اُنہوں نے نار دیکر پہلو میں کہانے کا بندوبست کرایا تہا۔ غرض دوپہر کا کہانا وہاں کہایا۔ پہر لدہیانہ۔ جالندہر۔ امرتسر۔ کو گذرتے ہوئے اور ہر سٹیشن پر استقبال کرنے والوں کو چہوڑتے ہوئے مگر ہر سٹیشن سے بہت سے لوگوں کو جو اس جماعت کے دیکہنے اور نواب محسن الملک کی تقریر سننے کے لیئے حمایت اسلام کے جلسہ میں لاہور جا رہے تہے۔ سوار کرتی ہوئی ۲۲۔ فروری کو ۴ بجے شام کے پہولوں کی بوچہاڑ اور استقبال کرنے والے آدمیوں کے ہجوم اور چیرز کے غل و شور میں لاہور کے بڑے سٹیشن میں ریل داخل ہوئی۔

لاہور کے ریلوے پلیٹ فارم پر ہندوستانی اور انگریزی پولس کا سخت انتظام تہا اور وہ سختی سے مار مار کر آدمیونکو ہٹاتے تہے۔ پلیٹ فارم کا ٹکٹ بند تہا اُسپر بہی آدمیونکا بے انتہا ہجوم تہا۔ ڈرائنگ روم میں چند منٹ آرام کرنے کے بعد جب ہجوم کم ہوا اور اس پارٹی کو رستہ ملا تو وہ مع خان بہادر برکت علیخاں کے گاڑی میں سوار ہو کر جس ہوٹل میں انکا ٹہرنا تجویز ہوا تہا وہاں چلے۔ مگر سٹیشن کے باہر آدمیونکا اور گاڑیونکا بہت بڑا مجمع تہا اور نصف میل تک سرسید اور اُن کے رفقا کے خیر مقدم کا سامان نظر آتا تہا۔ بڑے بڑے جہنڈے جنپر سنہرے حرفوں سے مختلف جملہ اور فقرے انگریزی اور اردو میں اور فارسی شعر لکہے ہوئے تہے۔ جگہ جگہ لوگ لیئے کہڑے تہے۔ حمایت اسلام کے مدرسے کے طلبا کی صفیں دور تک تہیں۔ غرض اس ہجوم اور گرمجوشی اور تپاک سے اہل پنجاب کی سچی زندہ دلی معلوم ہوتی تہی اور یہ بہی ثابت ہوتا تہا کہ سید صاحب کے اثر کا اصل دار الخلافہ لاہور یعنی پنجاب کا دار الحکومت ہے۔ جب یہ پارٹی جس ہوٹل میں ٹہیہ ٹہرنے والے تہے وہاں پہونچے تو علاوہ حمایت الاسلام کے سکرٹری اور ممبروں کے اور بہت آدمی تمام کمروں میں پہلے ہی سے بچہکر فرش پر بیٹہے ہوئے تہے اور یہ لوگ کرسیوں پر انکو ئی

بولتا تہا نہ کلام کرتا تہا مگر حضرات زندہ دلان پنجاب اپنے دلی جوش کو دبائے ہوئے صرف ٹکٹکی
باندہے ان لوگوں کو دیکہہ رہے تہے بہت دیر کے بعد بمشکل مکان خالی کیا گیا اور شام کو سب نے آرام
کیا۔ صبح کو ہوٹل میں انجمن کی طرف سے سب کے آرام کا بہت اچہا بندوبست کیا گیا تہا۔ شام کو نواب
محسن الملک اور مولانا شبلی۔ خان بہادر برکت علیخاں صاحب کے ساتہہ سوار ہوکر شہر کی سیر کو گئے رات
کو کہانے پر بہت سے آدمی ملنے آئے جنمیں عالیجناب نواب ناصر علیخاں صاحب قزلباش اور خان بہادر
ڈاکٹر رحیم خاں بہی تہے۔ غرض ۲۲۔ کی شام سے ۲۴ کی شام تک جبتک سید صاحب اور انکے ساتہی
وہاں رہے اُسوقت تک معززین لاہور برابر آتے جاتے رہتے تہے یہاں تک کہ حمایت الاسلام کے
جلسے کے وقت بہی۔

۲۳۔ کی صبح کو سید صاحب بوجہ سفر کے ماندگی کے مکان پر رہے مگر نواب محسن الملک بہادر اور
مولانا شبلی۔ اور آنریبل حاجی اسمعیل خاں ۹ بجے انجمن حمایت الاسلام کے سالانہ جلسہ میں تشریف
لے گئے۔ اور جب انجمن کے مکان میں داخل ہوئے تو وہاں چار پانچ ہزار آدمیونکا مجمع صحن میں بالاخانوں
میں نشستوں میں۔ چہت پر۔ غرض جہاں پر کوئی جاندار سما سکتا تہا آدمی ہی آدمی بہرے ہوئے
تہے۔ اور جب دور سے دروازہ میں ان بزرگونکی شکل نظر آئی تو اہل مجلس نے زور شور سے چیئرز دینے
شروع کیے اور جب تک وہ اپنی مخصوص کرسیوں پر آکر نہ بیٹہہ گئے اُسوقت تک نعرہ تحسین بلند رہا۔
پلیٹ فارم پر آٹہہ دس مخصوص کرسیاں تہیں باقی تمام لوگ فرش پر تہے۔ گیلریوں میں البتہ بنچ تہے
اور اسی طرح اجلاس کرنا ضرور تہا کیونکہ بغیر اس کے اتنے آدمی نہ آسکتے تہے۔ تہوڑی دیر کے بعد لائق
مولوی نذیر احمد صاحب جو اس انجمن کی رونق کے اصل باعث ہیں تشریف لائے تو ایسے ہی تپاک سے
انکا استقبال ہوا۔ وہ بہی اپنی کرسی پر بیٹہہ گئے۔ بعد میں مولانا شبلی اور نواب محسن الملک میں کچہ
مشورہ ہوا اور انہوں نے مولوی نذیر احمد صاحب سے ذکر کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا موصوف نے کہڑے ہوکر

کہا کہ یہ بات ایک جلسۂ اسلامی کے شایاں نہیں ہو کہ چند آدمی اوپر کرسیوں پر بیٹھیں انہیں کیا خصوصیت ہے۔ نواب محسن الملک بہادر چاہتے ہیں کہ ہم زمین پر بیٹھیں۔ اس کے ساتھ سب صاحب پلیٹ فارم پر فرش پر اتر آئے۔ مگر بعض لوگوں نے کہا کہ کرسیوں پر بیٹھنے کی وجہ سے ہم ان بزرگان قوم کو آسانی سے دیکھ سکتے تھے۔ اب نہیں دیکھ سکتے۔ مگر نواب محسن الملک نے آخرکار کھڑے ہو کر چند پر لطف جملے کہے جس سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے اور آیندہ سب زمین پر بیٹھتے رہے۔

انجمن حمایت اسلام کی کارروائی بیان کرنے کا یہ کوئی موقع نہیں۔ عام رائے اسکی نسبت آخر میں عرض کیجائیگی۔ اسدن ایک بجے سب صاحب اپنے مکان پر آئے۔ یہاں معلوم ہوا کہ سید صاحب کی طبیعت علیل ہو گئی۔ سب کو تردد ہوا۔ آج دوسرے اجلاس میں کوئی نہ گیا۔ ۴ بجے نواب محسن الملک بہادر اور دیگر بہت سے معزز آدمیوں کو نواب صاحب سے ملنے کے لیے منشی فضل الدین صاحب مالک و اڈیٹر خیال وفادار نے اپنے مکان پر بلایا اور بہت دھوم سے انکے لیے ایوننگ پارٹی کی۔ شام کو سب صاحب واپس آئے اور سید صاحب کی اور ان کے ساتھیوں کی شام کو منشی فضل الدین نے ہوٹل ہی میں دعوت کی۔ آج سید صاحب علیل زیادہ رہے۔

دوسرے دن ۲۴ فروری کو صبح کیوقت مولانا نذیر احمد کا لکچر تھا جو ۵ گھنٹے تک رہا۔ اس کی تعریف اور اس پر رائے لکھنے کے لیے پورا میگزین میرے قبضہ میں ہونا چاہیے۔ وہ طبع ہوگا تو سب آدمی اس سے خود واقف ہو جاینگے۔ گو مولانا موصوف کی زبان سے تقریر سن لینے میں جو لطف ہے اسکا اندازہ سامعین ہی کو ہو سکتا ہے۔ اور وہ ظرافت۔ آواز کی گرج۔ گفتگو کی دلچسپی باہر والوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ یہ کہنا انکی تقریر کے لیے کافی ہے کہ ۹ بجے سے ۱ بجے تک ہزاروں بھوکے پیاسے بہت پاس پاس بھنچے ہوئے بیٹھے تھے مگر دم بدم مجمع بڑھتا جاتا تھا۔ آخرکار انکا لکچر تمام ہوا۔ سب نے اس عظیم الشان تقریر کی انکو مبارکباد دی اور نواب محسن الملک اور مولانا شبلی اور حاجی اسمٰعیل خاں صاحب

کھانا کھانے کے لیے مکان پر تشریف لائے۔

سید صاحب کی طبیعت بہتر تھی مگر ڈاکٹر صاحب نے صلاح دی کہ علیگڈھ کو واپس جانا چاہیے۔ سب نے جانے کا ارادہ کیا۔

مگر آج یعنی ۲۴۔ کے دوسرے اجلاس میں نواب محسن الملک بہادر کی تقریر ہونیوالی تھی۔ مگر صبح سے لوگ تھکے ہوئے تھے اور نہایت عجیب بات یہ ہے کہ صبح سے شام تک کارروائی میں کوئی وقفہ نہیں ہوتا اسلئے سب آدمیوں کو مجبوراً جلسہ میں رہنا پڑتا ہے۔ خیر ۲ بجے نواب محسن الملک بہادر اور باقی بزرگ مع مولانا نذیر احمد کے پھر تشریف لائے۔ نواب محسن الملک بہادر کی مدح میں اور مامِ جلسے کے متعلق شہزادہ عبد الغنی صاحب ارشد نے ایک نہایت عمدہ نظم فارسی میں پڑھی۔ سب لوگ نواب صاحب کی تقریر کے حد درجہ مشتاق ہیں۔ مگر ایک طرف تو ۶ بجے شام کی ریل میں سب بزرگ جانیوالے ہیں۔ کیونکہ سید صاحب کی علالت کیوجہ سے زیادہ قیام کرنیکا ارادہ سب نے ترک کیا۔ دوسری طرف انجمن چندہ جمع کر رہی ہے اور یہ کارروائی برابر جاری ہے اور روپیہ لوگ سلسلے برابر دے رہے ہیں۔ تیسری طرف نواب محسن الملک بہادر کی تقریر کا شوق حد سے زیادہ ہے۔ غرض سب کام بند کیے گئے اور ۲ بجے نواب محسن الملک بہادر نے تقریر شروع کی۔ جو تقریر کہ انہوں نے جلسہ میں دینے کے لیئے تیار کی تھی وہ بلحاظ لفظی و معنوی فصاحت اور دلچسپی اور مضمون کے حالی ہونے کے انکی اعلیٰ سے اعلیٰ تقریروں سے زیادہ نہ تھی تو ہم پلہ ضرور تھی مگر انہوں نے وہ تقریر نہ پڑھی قریب ڈیڑھ گھنٹہ کے بالکل نئے طرز کی ایک متین اور فصیح زبانی گفتگو کی۔ چونکہ بوجہ سابقہ علالت کے آواز انکی ایسی پر زور نہ تھی کہ سب جلسہ پر مولانا نذیر احمد کیطرح چھا جاتی۔ اسلیے انہوں نے اپنے تئیں بہت روک کر تقریر کی۔ اُسکے اثر کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ساری تقریر میں شاید ایکدفعہ بھی چیرز نہیں ہوا۔ اور معمولی غل شور جو ہر وقت جلسہ میں رہتا تھا وہ بالکل نہ تھا۔ لوگ نہایت خاموش اور متوجہ تھے اور ہر لفظ جو زبان سے نکلتا تھا اسکو نہایت عزت و احترام سے

سنتے تھے یہ تقریر اُسیوقت خواجہ کمال الدین۔ بی۔ اے۔ انجمن وہ سرگرم ممبر اور کالج کے پروفیسر نے لکھ لی تھی۔ اُسکا مضمون یہ تھا کہ مختلف قسم کے سب قومی جلسوں نے وہی پرانا طریقہ ظاہر و ایسی اوتضح کا اختیار کر لیا ہے۔ لفظ بہت ہیں مگر مطلب کم ہے اور چونکہ رجحان طبائع کا بگڑ گیا ہے اور شاعرانہ (جو ایک عمدہ لفظ ہے غیر حقیقی اور جھوٹ کے لیے) طبائع ہم لوگوں کے مدت سے ہیں۔ اسلیے کہتے ہم بہت ہیں مگر کرتے کچھ نہیں۔ بلکہ کہنے اور بولنے اور تقریریں سننے اور چیرز دینے اور قوم قوم کا نام پکارنے اور مرثیہ لکھنے کو "کرنا" سمجھتے ہیں۔ مگر ان دونوں میں بڑا تفاوت ہے۔ "کرنا" اہل یورپ جانتے ہیں نہ کہ ہم۔ اسکے بعد مقرر نے متعدد مثالیں دیں کہ یورپ کی انجمنیں کیسے کیسے کام کرتی ہیں اور کس طرح کرتی ہیں۔

اس تقریر کے بعد سب صاحب ہوٹل میں واپس تشریف لائے۔ تھوڑی دیر کے بعد سٹیشن پر آکر علی گڈہ کو روانہ ہو گئے۔ اور ۲۵۔ فروری کی دوپہر کو علی گڈہ پہنچ گئے۔

اس سفر کی مختصر کیفیت یہ ہے جو میں نے اوپر بیان کی۔ مگر جس مضمون پر سرسید کچھ لکھ چکیں اُسپر قلم اُٹھانا نہایت مشکل ہے۔ اسلیے جو باتیں سرسید صاحب نے انسٹیٹیوٹ گزٹ میں بیان کر دی ہیں انکو حتی المقدور میں نے نہیں دُہرایا۔

مجکو فرصت نہیں ہے کہ اس سفر کے عام خیالات جو دل میں پیدا ہوئے ہیں اُنکو بیان کروں۔ اور نہ اتنی لیاقت ہے۔ مگر خلاصہ یہ ہے کہ پانی پت اور کرنال کے آدمیوں کی مالی مدد نہایت قابل تعریف ہے۔ اس سفر میں ایک بیّن ثبوت اسبات کا بھی مِلگیا ہے کہ اہل پنجاب حقیقت میں ایک زندہ دل اور ترقی کرنے والی قوم ہے اور سرسید کی عظمت انکے دل میں ایسی ہے جیسی لبرل پارٹی میں مسٹر گلیڈسٹن کی۔ بلکہ اس سے بہت زیادہ۔ مگر ساتھ ہی اسکے یہ بھی معلوم ہوا کہ انمیں جو مادہ ترقی کا ہے اُسکا نمونہ باقی ہے اور جو تہذیب وہ سیکھ رہے ہیں یا سیکھ چکیں گے اُسپر صیقل چڑھنا اور اسکا منجھنا ضروری ہے اور

زمانہ یہ خود کردیگا۔ اسی سفر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انجمن حمایت اسلام ایک اکام کر رہی ہے اور اُس کی شاخیں بھی مستعد ہیں اور اُس کے سکرٹری اور عہدہ داروں کی محنت اور قومی ہمدردی قابل تعریف ہے۔ مکر جلسہ کرنے کارروائی کو مرتب کرنے۔ روپیہ خرچ کرنے کے ابھی انہوں نے اصول مستقل قرار نہیں دیئے۔ ان کو چاہیئے کہ اپنے طریقۂ عمل میں رفتہ رفتہ اصلاح کریں۔ مگر قوم کی حالت ایسی ہے کہ جس طرح وہ لوگ کام کرتے ہیں اس کے سوا انکو کامیابی مشکل سے حاصل ہوسکتی ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا مسلمانان پنجاب کو ایک عالیشان قوم بنائے اور ان کی کوششیں کامیاب ہوں۔ اگرچہ اسباب کے معلوم ہونے سے نہایت افسوس ہوا کہ نااتفاقی اور مضر خودرائی وہاں بھی اچھی طرح سے اپنا عمل رکھتی ہے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

رپورٹ تعلیمی مردم شماری ضلع رائے بریلی

سید اقبال علی صاحب جج گونڈہ نے نہایت محنت سے ایک مفید رپورٹ اس ضلع کی بابت ارسال فرمائی ہے جو ذیل میں مندرج ہے۔

باشندگان ضلع رای بریلی انگریزی تعلیم کی ضرورت کو علی العموم تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن بعض نان شبینہ سے محتاج ہیں۔ بعض اخراجات کتب و فیس مدرسہ ادا نہیں کرسکتے۔ اور بعض ضلع سکول میں بھیجکر تعلیم دلانے کے اخراجات کے متحمل نہیں ہوسکتے ہیں۔ قصبات میں انگریزی تعلیم کی اشاعت میں ایک اور رکاوٹ یہ درپیش آتی ہے کہ پہلے اُن میں جو انگریزی مدارس تھے اب وہ بند کر دیئے گئے ہیں اور اُن کے بجائے صرف اُردو کے مدرسہ کھولے گئے ہیں۔ اسلیئے بجز اسکے کہ لڑکوں کو ضلع میں رکھکر ضلع اسکول میں تعلیم دیجائے اور کوئی صورت انگریزی تعلیم دلانے کی نہیں ہے۔ اور ۵۰ اشخاص ایسے ہیں جن میں سے بعض تو جھوٹی پدرانہ محبت کی وجہ سے اپنے بیٹوں کو ضلع اسکول میں تعلیم پانے کیلیئے

جدا نہیں کر سکتے اور بعض کو انگریزی تعلیم کی طرف رغبت ہی نہیں۔ ان کی آمدنیاں ۲۰۰ سے لیکر ۳۰۰۰ روپیہ سالانہ تک ہیں اور ان سب کی مجموعی آمدنی تخمیناً ۳۲۲۴۰ روپیہ سالانہ ہے۔

گوشوارہ بابت تعداد ان مسلمان لڑکوں کی جو قصبات و دیہات ضلع رائے بریلی میں رہتے ہیں اور تعلیم پانے کے قابل ہیں۔

باسم قصبہ وغیرہ	مجموعی تعداد اطفال	تعداد ان لڑکوں کی جو تعلیم پانے کے قابل ہیں	تعداد ان لڑکوں کی جو صرف عربی فارسی تعلیم پا سکتے ہیں (?)	ایضاً جن کے والدین انگریزی تعلیم کے خواہاں نہیں (?)	ایضاً جن کے والدین انگریزی تعلیم کے شائق ہیں (?)	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
جائس	۲۴۸	۱۷۸	۸۰	۱۲	۱۵۶	۸۹	۶۵	۴	۱۲	۱۳
نصیرآباد	۹۰	۷۳	۱۷	۳	۷۰	۴۶	۲۵	۲	۱	۴
سلون	۶۵	۵۶	۲۳	۰	۵۶	۲۰	۲۸	۸	۰	۵
سانا سیدان	۱۷	۱۳	۳	۰	۱۳	۸	۵	۰	۰	۰
پرشدی پور	۳۴	۱۸	۱۶	۰	۱۸	۱۵	۳	۰	۰	۳
رسول پور	۴۸	۳۵	۱۳	۰	۳۵	۰	۲۸	۷	۰	۶
بھوانی پور و ڈیہ بیول	۲۰	۱۹	۱	۰	۱۹	۷	۱۲	۰	۰	--
مصطفیٰ آباد	۱۳۲	۹۹	۳۳	۰	۹۹	۴۷	۴۹	۳	۰	۹
تحصیل ڈلمؤ	۳۶	۳۴	۲	۰	۳۴		۳۴	۰	۰	۲
میزان	۷۰۳	۵۱۵	۱۸۸	۱۵	۵۰۰	۲۳۲	۲۵۹	۲۴	۱۳	۴۵

(۱) خاص شہر رائے بریلی کا نقشہ مردم شماری تیار نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہاں پر انگریزی اسکول ہونے کی وجہ سے قریباً کل باشندگان کو تعلیم کی طرف توجہ ہے۔

(۲) نقشۂ مندرجۂ بالا میں صرف ایسے خاندانوں کے لڑکے شامل ہیں جو پیشتر علم کے قدردان تھے۔ اور جو شریف مشہور ہیں اور جن میں ابتک اپنی اولاد کی تعلیم کے لیے میاں جی مقرر کرنے کا دستور چلا آتا ہے۔

اخوان الصفا

اخوان الصفا کا جلسہ ۱۲۔ فروری ۱۸۹۰ء کو ہوا۔ جسمیں برادر محمد وجی صاحب نے ایک مضمون پڑھا۔ مشن اسکول کے دو طالب علموں کا ایک مکالمہ تھا طالب اسکول فرضی ہے۔ اور یہ دو لڑکے شریف اور معزز مسلمانوں کے بیچے ہیں ان کے آپس کی گفتگو نماز پر ہے۔ ایک طالب علم تو چلتے ہوئے و آزاد منش ہیں اور نماز کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور دوسرا ایک شریف اور اچھا مسلمان ہیں جن پر اچھی سوسائٹی اور بچپن کی عمدہ تربیت کا اسقدر اثر ہے کہ وہ نماز کو اپنا بڑا فرض اور جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ یہ گفتگو بہت دلچسپ ہے۔ آخر اس طالب علم نے باتوں ہی باتوں میں اپنے آزاد دوست سے یہ اعتراف کرا لیا کہ بیشک نماز خدا کا حکم ہے اور اسکی پابندی ہم پر فرض ہے۔

مضمون کے پڑھے جانے کے بعد برادر عبد الحق نے کہا کہ یہ حالت صرف مشن اسکولوں ہی میں نہیں بلکہ ہر ایک جگہ اور ہر ایک خاندان میں ہم دیکھتے ہیں کہ نئے لوگ نہ صرف نماز بلکہ تمام مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں پہلو تہی کرتے ہیں۔ اور حاضرین کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ وہ کونسی ترکیب ہے کہ جس سے ہمارے دلوں میں مذہبی فرائض کی ایسی عظمت بیٹھ جائے کہ ہم دل و جان سے انہیں ادا کریں۔ برادر ضیاء الدین نے کہا کہ نیک دوستوں کی صحبت سے اس بارہ میں بہت کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ انہوں نے خود اپنی مثال پیش کی کہ میں صرف اپنے ایک نمازی دوست کے طفیل سے نماز کا اسقدر پابند

ہو گیا ہوں جسے میں ایک مدت سے خیرباد کہہ چکا تہا۔ برادر محمد وصی نے کہا کہ اس کی کوئی خاص تدبیر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ مختلف وجوہات ہوتی ہیں اور زیادہ تر بچپن کی تربیت کا اثر ہوتا ہے۔ برادر نظیر احمد نے کہا کہ اخوان الصفا کے ممبروں کا فرض ہے کہ جو بات ان کے دل کی ہو اسے صاف صاف کہدیں اور جو یہ نہیں کرتا وہ اسکا ممبر نہیں۔ کیونکہ اس کا نام ہی اخوان الصفا ہے۔ درحقیقت یہ ہے کہ یہ شکایت ہمیں نہیں بلکہ ساری دنیا میں اسکا رونا ہے۔ برادر بہادر علی نے بہی برادر محمد وصی کی تائید اور اسی مطلب کو دوسرے پیرایہ میں ادا کیا۔ برادر غلام ثقلین نے جو اسوقت سکرٹری کی کرسی پر تہے برادر محمد وصی کا ان کے عمدہ مضمون کے لیئے اور برادر عبد الحق کی ایک مفید بحث چہیڑنے کے لیئے شکریہ ادا کیا۔

(۱) اس کے بعد کمیٹی کی کارروائی شروع ہوئی جن ممبروں نے ابتک مضمون نہیں دیئے تہے اُن سے درخواست کی گئی کہ اپنے اپنے مضمون عنایت فرمائیں۔

(۲) کالج کلاسوں کے چند طلبا اخوان الصفا کے ممبر تجویز کیئے گئے۔

(۳) اس کے بعد ہر ایک ممبر نے علاوہ اپنے کورس کی کتابوں کی جو جو علمی کتب وغیرہ پچھلے دو مہینوں میں پڑہی تہیں اُنکا حال بیان کیا۔ جو بہت دلچسپ و قابل شنید تہا۔

۱۴۔ مارچ ۱۸۹۸ء کی شام کو مسٹر آرنلڈ نے اخوان الصفا کے ممبروں کو افطاری دی۔ اسکا مفصل حال لکہنے کے لیئے نواب محسن الملک بہادر نے وعدہ فرمایا ہے امید ہے کہ ہم اسکو آیندہ پرچہ میں ہدیۂ ناظرین کرینگے۔

ہندوستانی اور انگریز

تمت سابق۔ ایک نتیجہ اس لاعلمی کا جو آپس کی عدم مصاحبت سے ہے یہ پیدا ہوا ہے کہ ہندوستانی انگریزوں کو اپنے اوپر اس سے کہیں زیادہ نامہربان سمجہتے ہیں جسقدر کہ وہ فی الحقیقت ہیں کوئی شاذ مثال اسبات کی مل گئی کہ کسی انگریز نے ہندوستانی کے ساتہہ ناشایستگی برتی تو اس کی خبر سب جگہہ

دوڑ جاتی ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ انگریز و نکا جو حقیقی خیال ہندوستانیوں کیطرف سے ہی اسکا اظہار اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے۔ برخلاف اس کے تواضع اور مہربانی کی باتیں۔ چونکہ ان میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اسلیئے ان کو وہ شہرت بھی حاصل نہیں ہوتی۔ برائی میں بھلائی سے زیادہ لطف ہے جیسے کہ آج کل کا قصہ نویس کپ لنگ اپنے قصوں کے مضمون سے ظاہر کر رہا ہے اس قصہ نویس کی تحریر میں جو ہندوستان کے انگریزوں کے اخلاق اور اطوار کے متعلق ہیں انکا اثر بھی انگلستان کے لوگوں کو ایسا ہی غلطی میں ڈالنے والا ہے جیسا کہ ہندوستانیوں کا یہ غلط خیال ہے کہ ان کے حاکم جابر اور مغرور ہیں۔ مجکو یاد ہے کہ میں نے اس قصہ کو کہ کسی انگریز کمشنر نے کسی راجہ سے ہاتھہ ملانے سے انکار کیا تھا۔ اس جگہہ سے جہاں یہ واقعہ گذرا تھا تین تین سو میل دور مشرق اور مغرب میں اپنے کانوں سے بیان ہوتے سنا۔ اسی کمشنر نے شاید اور ہندوستانیوں سے ہاتھہ ملایا ہوگا۔ لیکن یہ بات بیان نہیں کی گئی یا شاید سو انگریزوں میں یہی ایک اکیلا انگریز ہوگا جسنے اس خاص راجہ سے ہاتھہ ملانے سے انکار کیا لیکن اسبات کی ذکر کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ غرض جو کچھہ اثر اس قصہ کا لوگوں پر ہوا یہ تھا کہ کوئی انگریز ہندوستانی سے ہاتھہ ملانا پسند نہیں کرتا۔

اگر میں اس جگہہ اسبات کا ذکر نکروں کہ زیادہ تر انگریز ان عیبوں سے جو میں نے ابھی بیان کیئے ہیں پاک ہیں تو میں اپنے ہموطنوں کے ساتھہ بے انصافی کرونگا۔ بلکہ اس قسم کی اکثر شکائتیں کمینے انگریزوں اور خاصکر یوریشین لوگوں کے گستاخانہ انداز سے پیدا ہوتی ہیں جنکو اپنے دوغلے پنے میں یہ کہانا ہوتا ہے کہ کدہر کو وہ زیادہ جھکے ہوئے ہیں۔ غرض یہ عیب انسان کی فطرت میں ہیں۔ ایسے نقص نہیں ہیں جو انگریزوں کے ساتھہ مخصوص ہیں۔

پٹھان بادشاہوں نے جو برتاؤ ہندوؤں کے ساتھہ کیا وہ ایسا نہ تھا جس میں رعایت اور سلوک

حد سے زیادہ کیا گیا ہو خود آج کل کے کشمیر کے مسلمان جو برہمن حاکموں کے جوے کے نیچے ہانپ رہے ہیں اپنے ان خوش قسمت ہموطنوں پر رشک کرتے ہیں جو برٹش ہندوستان میں رہتے ہیں۔ حکمران قوم کے لوگوں کی نسبت غرور کی شکایت وہی لوگ کسیقدر کر سکتے ہیں جو خود کبھی حکمران قوم میں سے نہیں رہے ہیں۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ ہندوستان کے انگریزوں پر جو لوگ اعتراض کرتے ہیں وہ انصاف بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ میں نے ان غلط فہمیوں کا ذکر کر دیا ہے جو آپس کی ناواقفیت سے پیدا ہوتی ہیں اب میں ان بہتان بندیوں کو بیان کرتا ہوں جو شرارت سے انگریزوں پر کیجاتی ہیں۔

بنگالی اخباروں کو بغیر اسباب کے دیکھے پڑھنا ناممکن ہے کہ کسطرح گورنمنٹ اور انگریزوں کی مذمت کو انہوں نے عمداً اپنی پولیسی قرار دیا ہے۔ یہ بتانا کہ یہ پولیسی انہوں نے پولٹیکل اغراض کے حاصل کرنے کے لیئے اختیار کی ہے۔ یا اس کی بنا محض بغض اور عداوت پر ہے مشکل بات ہے لیکن کبھی یہ اخبار گورنمنٹ اور اُسکے افسروں کے سخت مخالفت میں شروع سے اخیر تک سیاہ ہوتے ہیں ان کے بہت سے الزام بالکل جھوٹ ہوتے ہیں۔ علی گڈھ میں پبلک کے چندہ سے ایک گھنٹہ گھر بنایا گیا۔ اخبار انڈین مرر نے اسپر لکھا کہ چونکہ یہ گھنٹہ گھر ہندوں اور مسلمانوں کے چندہ سے بنا تھا اسلیئے جو باغ اس سے ملحق ہے وہ ہندوستانیوں کی تفریح کے مخصوص ہونا چاہیئے لیکن انگریزوں نے خود لون ٹنیس کھیلنے کے لیئے اسپر قبضہ کر لیا ہے۔ حقیقت صرف یہ تھی کہ ہندوستانیوں کو لون ٹنیس کے لئے وہ ابتدا ہی سے بالکل دیدیا گیا تھا۔ لیڈی ڈفرن تک کو اسلیئے برا کہا گیا کہ انہوں نے پردہ نشین عورتوں کے علاج کے لیئے فنڈ قائم کیا ہے۔ گورنمنٹ نے جب عمر رضامندی کا قانون پاس کیا جو کم عمر بیاہی لڑکیوں کے حق میں جو بارہ برس سے عمر میں کم تھیں نہایت ہی سلوک کا کام تھا تو بھی ان ظالم مفسدوں نے مذہبی بنیاد پر گورنمنٹ کے خلاف رعایا

کو جوش دلانیکا موقع خوشی خوشی حاصل کیا۔ اور فصیحوں نے فصاحت کے جوش میں یہاں تک نوبت دکھلایا کہ عقل سے بے بہرہ ہو گئے۔ ایک صاحب ان میں سے کہنے لگے کہ اگر یہ شرارت کا قانون منظور ہوا تو ہم اس میں پر جو گناہوں سے پر ہے آباد رہنے کا گناہ نکرینگے۔ آؤ اپنے ضعیف باپوں اور بڑھیا ماؤں کو لیکر سمندر پر کسی دوسرے کنارے پر چلیں ان صاحب نے یہ نفرمایا کہ وہ دوسرا کنارہ کون ہی۔ گورنمنٹ کو ایک دفعہ مجبور ہو کر اس بنگالی اخبار کو بغاوت کے الزام میں ماخوذ کرنا پڑا جس کی اشاعت سب سے زیادہ ہی۔ غرض اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ جو مذمتوں کا ایک مسلسل دریا بہایا گیا ہے اس کے نتیجے کیا ہوں گے۔ پہلی بات تو یہ ہوگی کہ انگریزوں کے دل ہندوستانیوں کی طرف سے برگشتہ ہو جائینگے۔ دوسری بات یہ ہوگی کہ بغاوت اور سرکشی پھیلے گی اور جو لوگ جاہل ہیں ان کو رغبت ہوگی کہ غدر کے خوفناک واقعات کو ایک دفعہ پھر دکھلا دیں جس سے شمالی ہندوستان کی بہادر قومیں تو بے انتہا بلاؤں میں گرفتار ہو جائینگے اور ڈرپوک اڈیٹران کلکتہ اپنے بنگلوں میں جنکے گرد برٹش فوج حفاظت کرتی ہوگی چین سے آرام کرتے ہونگے۔

فقط،

(باقی آئندہ)

" In the last item of " other Castes" the number of castes represented was 37. In the last Census Report, Brahmans are shown amounting to 4,744,840, Muhammadans to 6,346,651, and Kayasthas to only 514,327.

" Notwithstanding the vast disparity of Kayasthas as compared with Brahmans and Muhammadans, they are much more largely represented than either in the Anglo-Vernacular Schools."

The following figures are taken from the Resolution of the Govt. of Bengal on the Director's Report of Education in that province :—

"The number of Muhammadan candidates successful at the University Examinations for the last five years and the percentages of such candidates to the total number which passed are as follows :—

	1889—90		1890 91		1891-92		1892-93		1893-1894	
Number of Successful candidates.	General Total	Muhammadan only.	O. T.	M.	O. T.	M.	O. T.	M.	O. T.	M.
Entrance	2,156	125	1,710	110	1613	85	2 915	172	1863	134
Percentage of Muhammadans.		5 79		6 43	.	5 11	...	5 9	...	7·19
First Arts	996	67	693	16	1011	47	830	35	826	31
P. C of Muhammadans ...	..	5 72	....	2 31	...	4·65	...	4·21	......	3·58
B. A. ..	399	21	231	19	280	14	301	28	486	26
P. C. of Muhammadans	..	5·29	...	8 22	...	5	...	7 64	....	5 37
M. A. ...	57	3	46	2	54	2	57	2	......	......
P. C. of Muhammadans ...	..	5 29	...	4 34	..	3·45	..	3·50	...	..

[N. B. Ex-students of the College are requested to favour us with short accounts of their doings in life order to be put in under the above heading.]

NUMBER OF MUHAMMADAN STUDENTS IN N.-W. P. AND BENGAL.

The last Reports on Education for the N.-W. P. and Bengal give very discouraging figures showing the backwardness of Muhammadans in Education. The Report of the Director of Public Instruction for the N.-W. P. and Oudh contains the following paragraph.—

"The following abstract shows the distribution of Hindus and Muhammadans in the four Sections of Zila Schools.

	Lower Primary	Upper Primary.	Middle	High.	Total.
Hindus ..	1,325	1,576	1,706	928	5,535
Muhammadans...	395	419	412	173	1,459

"For the last four years the proportions have been very much alike. In each year the proportion of Muhammadans to Hindus in the Middle Section has been about 28 to 100, while in the High Section it is only 18, from which it may be inferred that Hindus, after having finished the Middle Stage, are more eager than Muhammadans to carry their education further.

"In the last Middle Examination, the passed candidates from Government, Aided and Unaided Schools were distributed according to caste and creed in the proportions shown below :—

Christians ..	33	Chatris	57
Muhammadans ...	299	Khattris	58
Brahmans ...	357	Baniyas	161
Kayasthas ...	443	Other Castes ...	86

clusion he spoke of the special functions of the Brotherhood and wished it long life and success.

THE DUTY.

A meeting of the Servants of the Duty was held on the 17th February, in which the following Associates were elected Servants in consideration of the continued zeal they had displayed on behalf of the Anjuman .—

Hafiz Ilahi Bakhsh, M. Irshad Uddin and Muhammad Hashim.

The following were appointed Associates : Bashir Mirza, Sujjad Haidar, Syed Muhammad, and Sarfraz Khan.

The Keeper begs to acknowledge the rceipt of Rs 15 collected by Amin Uddin Haidar.

The Duty shop realized a profit of nearly Rs 70 during the local exhibition fair of February 1895.

MISCELLANEOUS COLLEGE NEWS.

A misprint occurred in the March numbur of the Magazine. The number of old students who are school masters was wrongly entered as 77 instead of 17.

There are now 15 horses in the College stables.

The new First and Third Year Classes will open on July 5th.

Drill Certificates have been given to several students, who have qualified themselves.

PERSONAL NEWS.

At the recent examination of the Council of Legal Education the following students of the College obtained pass Certificates :—

Inner Temple—Mohammed Siddique.

Middle Temple—Syed Sirajul Hasan.

The following student was called to the Bar on January 28th.

Middle Temple : Syed Sirajul Hasan.

for all the needs of the Mahomedans, for Colleges, scholarships, schools, hospitals, asylums &c. Again if 300 of the past students of this College gave one rupee a month we should have an income of Rs. 300 a month, which would suffice for 60 wazifas. In conclusion he called on the students not to forget the College when they attained prosperity in after life through the education which they gained in the College; but to prove their gratitude by sending assistance to the *alma mater* to which they owed their success.

Mr. Beck, who occupied the chair, then rose and said that the Brotherhood was one of the most important means of maintaining the connection between present and past students of the College. The College, he said, should be regarded as consisting of two parts; one of them the part in Aligarh, the other the old students scattered throughout the country. The College did not look on a student as having severed all connection with it when he left after finishing his education, but it expected him to carry on the work for which the College was founded in the district in which he happened to live. That work was the spread of education and advancement throughout the Mahomedan community. There were many ways in which old students could do useful work. There was the Educational Census, the Mahomedan Directory, collection of money for the Duty &c. Present students could do these things when they were at home during the vacations. The Census work had been chiefly carried out by students of the College and he appealed to the students to assist the work during the present year. In order to keep up the connection between present and past students a newspaper was necessary. And this purpose was fulfilled by the College Magazine. He called on students to assist in spreading the circulation of this journal. The Mahomedan nation was like a lifeless body through which the blood did not circulate. The purpose of the College was to supply the blood which was to arouse it to healthy activity. The students who had left the College were the blood circulating in the veins of the inert mass of the Mahomedan nation, and that part of the organisation which was in Aligarh, the College proper, was the heart that was constantly pumping forth the stream of blood. In con-

I can only say that if you undertake any serious work which will necessarily be spread over a long time you cannot hope to be always fermenting with enthusiasm. To achieve any notable result you must work steadily and methodically, and that the secret of success lies in plodding along in spite of discouragements. It is easy enough to generate a certain windy zeal at public meetings at brightly illuminated dining tables or in the excitement of declamation : but when the novelty of the thing has gone by this kind of patriotic zeal generally evaporates too : this holiday enthusiasm will never achieve the big result which we are aiming at, and therefore if in the coming year any of you feel annoyed or despondent, and, worried at the importunity of the Brotherhood at each recurring quarter, begin to ask what is the good of it all, I can only repeat that these feelings are the common lot of all who put their hands to a big piece of work and unless each of you individually resist them, our Brotherhood and perhaps our College will fall to pieces.

To those students who are about to go up for the examinations, as Secretary of the Brotherhood I wish all success and speedy appointments to well-paid posts that of their salaries I may get one percent."

This was followed by an English poem by Zafar Ali, speeches in English by Gholam-us-Saqlain, Mahomed Ali Khan, and Mumtaz Hosain, and a Persian poem by Mahomed Ghaus Khan. Mr. Syed Mahmood, the Life Honorary Joint Secretary of the College, then rose and made an eloquent speech on the objects of the Brotherhood in the course of which he urged the students to learn from England and Englishmen the principle of self-help which had made England great. He alluded to the backward state of education among Mahomedans, inasmuch as out of about 15,000 graduates only about 540 were Mahomedans. The doctrine of Zakat among Mahomedans ought to induce people to give money for the public good. It was a curious coincidence that the amount of Zakât fixed by Islam, viz. $\frac{1}{40}$th, was exactly equal to the income tax levied by Government viz. $2\frac{1}{2}$ per cent. There were 6 cores of Mahomedans in India. If every man gave one rupee per year we should have an income of 6 crores of rupees which would be a sum enough

as marking very clearly one of the most important aspects of the Brotherhood.

Past and present students of this College are in reality all equally members of one organization, they form one society of which all members have the same aims and objects and one of the most important objects of the Brotherhood is always to keep this clearly before your minds. Perhaps, some of you may fancy when you leave the College and circumstances compel you to live far away from it and prevent you from visiting Aligarh that your connection with the College is severed : this is not so : and I want you to uproot any such ideas should they begin to grow in your minds. The least important part of the College is the bricks and mortar which are the material symbol of it . the essential part lies in those traditions, in that spirit of the place, which you have all helped to make and which you carry with you into whatever towns or lonely places you may be sent : the real College then consists in that body of public opinion which is ploughing up Islam in India and breaking up the barren fallow which prejudice and indifference have baked hard. All you who work hard at developing sounder views of politics or religion, and more earnest care for your fellows constitute the real College and no separation from Aligarh should lead you to think that you are no longer members of it. This annual dinner always held in the Holi holidays is a permanent invitation to you all to come back to the spot in which you first picked up these ideas and to imbue yourselves afresh with the principles which are focussed in Aligarh.

This had always been one of the leading ideas of the Brotherhood : another and very important one is, you know, connected with the endowment fund of the College. In this part of the work I must frankly confess we have not been so successful ; our organisation is not yet efficient in drawing our quarterly payments from the Brothers with punctuality. It is always disagreeable to part with ready money—in my opinion at least, and it is unreasonable to expect any body to feel enthusiastic once a quarter about the periodical payment of a small sum of money.

"In the sub-section dealing with the special schools attended solely or chiefly by Mahomedans the noticeable point is the progress made by the Aligarh Anglo-Oriental College. In the College Department there were 152 candidates against 121 in 1892, and in the school Department 297 against 238. His Honour the Lieutenant Governor has lately visited Aligarh, and was glad to express his admiration of the really great institution which has grown up there under the enlightened guidance of Sir Syed Ahmad Khan and his beneficent associates in this enterprise."

THE SCHOOL TOURNAMENT

The tournament was held here on the 22nd, 23rd and 24th of February. Cricket was not put in it, but nearly all the Schools sent in their representative teams, which had arranged matches between themselves, before they came here. Our school team played the Etawah High School and won the match by 70 runs. No one on either side scored a big score. Nevertheless our boys played a very good game all through. Abid's score of 28 runs was at the top.

In the Athletic Tournament the following prizes were won by students of the School :—

100 Yards Race	1st prize	Abdul Hafiz
¼ Mile Race	1st prize	,, ,,
Hurdle Race	1st prize	,, ,,
Long Jump	2nd prize	,, ,,
High Jump	2nd prize	,, ,,
Throwing the Cricket Ball	2nd prize	Jalilul Rahman

M. A.-O. COLLEGE BROTHERHOOD.

The annual dinner of the Brotherhood was held on March 12th in the Salar Manzil, about 200 persons being present. Mr. Morison, the Secretary of the Brotherhood, was unfortunately obliged to be absent through illness. After the dinner Mr. Arnold read the following address from Mr. Morison :—

" BROTHERS,

I very much regret that I am unable to be with you this evening, because I have always looked upon this annual dinner

INTER-COLLEGE SPORTS.

Putting the Weight.—

E. P. Bobb, Reid Christian College, Lucknow ... ... 28 ft. 5½ inches 1

B. B. Chakarwati ; Canning College, Lucknow, ... 27 ft. 4 inches 2

¼ Mile Race.—

Qaim Husain, M. A.-O. College, Aligarh... ... 1

J. Gordon, Muir C. College Allahabad 2

High Jump.—

Mohamed Zaman, M. A.-O. College, Aligarh, 5 ft. 3¼ inches 1

B. B. Chakarwati, Canning College, Lucknow ... ... 5 ft. 3 inches 2

Pole Jump.—

Fida Husain, M. A.-O. College, Aligarh... 8 ft. 7 inches 1

J. Pannah, St. John's College, Agra... 8 ft. 6 inches 2

Hurdle Race—Final Heat.

Mohamed Zaman, M. A.-O. College, Aligarh 1

Qaim Husain, M. A.-O. College, Aligarh 1

Broad Jump.—

Mohamed Zaman ... ... 17 ft. 9 inches 1

M. D. Fordyce, Muir C. College, Allahabad 1

Mile Race.—

R. W. Thomas, St. John's College, Agra 1

J. Gordon, Muir C. College, Allahabad 2

100 Yards, Final Heat.—

N. C. Mitter, Muir C. College, Allahabad 1

Qaim Husain, M. A.-O. College, Aligarh 2

Throwing the Cricket Ball.—

Ata Mohamed, M. A.-O. College, Aligarh 103 yds. 1 ft. 1

Abdullah, M. A.-O. College, Aligarh ... 99 yds. 2 ft. 2

OPINION OF GOVERNMENT ABOUT M. A.-O. COLLEGE.

We have much pleasure in quoting the following paragraph from the orders of Government passed on the Report of the Director of Public Instruction, N. W. P. and Oudh :—

and interesting, made the football match one of the best events of the University Tournaments. Soon after the start the Bareilly College led a combined attack to the M. A.-O. College goals, which was not at first met well by the latter's backs, for though the defence was not successfully broken even once, the ball remained at their end of the ground for nearly 10 minutes. This opening charge of the Bareilly College was in every way very hopeful for them, but they were disappointed soon after, for the M. A.-O. College had an opportunity of acting on the aggressive, when Zarif, though not very successful in his first attempts at dribbling the ball all along the right wing, at last kicked a goal (1-0) for them. The M. A.-O. College forwards being very quick on the ball, effected some very skilful runs, and by their successive attacks helped to confine the ball to their opponents' quarters, when in a warmly contested *mêlée* at the Bareilly College goals one of them was penalised for foul play. The penalty kick being shot right at their goal by Zain Uddin just touched the goal-keeper's hands and went through (2-0). Before the ends were crossed over, two corners fell to the M. A.-O. College, but no result came from them, and they entered on the 2nd half with a substantial lead of two goals to love. Soon after the game was resumed, the Bareilly College made some determined rushes, and on two occasions seemed very near scoring, but Shaukat, the M. A.-O. College custodian, never lacked promptness to repulse their attacks successfully. Even play ensued for a short while, after which the M. A.-O. College forwards gave further proofs of their superiority making repeated rushes. Within ten minutes of the start the M. A.-O. College finished up a remarkably fine run by sending the ball between the posts, thus making the record three goals to none, which was quickly added to by another, making the total (4-0). Of the 4 goals Zarif scored the 1st, Zain Uddin the 2nd, Muzaffer Hosain the 3rd and Abdul Majid Khan the last. Zarif played with great dash and repeatedly won the applause of the spectators. For the Bareilly College Prem Lal, Goberdhan and Ram Bahadur played very well, and had they been helped by the rest the result might have been different.

The Bareilly Captain Prem Lal winning the toss, sent in Ram Bahadur and Adaraji to face the bowling of Abdul Mughni and Abdullah Ram Bahadur played very carefully for his 17, and the 1st wicket fell for 22. Abdul Mughni now tackled the batsmen and 5 wickets were down for 39 runs. Prem Lal (15) and Sarup Nath (15) then joined together and the game became very lively, the pair pulling the score up to 65. Zain-Uddin was now put on instead of Abdullah and the change was very successful. The Bareilly College 1st Innings ended for 70 runs.

The M. A.-O. College began rather badly, the first 3 wickets being down for 11 runs. Now the Aligarh Captain Shaukat Ali and Zea Ullah Khan were in together; the former a very fast scorer and the latter a very steady bat. It was very interesting to watch Shaukat Ali send the ball all over the boundaries. He gave a high catch to the long on, when he had scored only 23, which not being accepted, he went on hitting more vigorously till time was called, the telegraphic board showing 83 runs for 3, Shaukat 46, Zea Ullah 29.

The game was again resumed in the afternoon and the pair did not part until the total stood at 130, when Shaukat was caught at cover-point by Ram Bahadur for 75 runs. Zea Ullah was bowled at 118 after a very careful score of 55. The Aligarh College made a total of 184.

The Bareilly College was most unfortunate in losing 3 good wickets for only 9 runs. But Prem Lal and Ram Lal next morning showed some very good cricket and it was a treat to watch the pair playing. At 55 Ram Lal was caught at slip by Shaukat Ali off Mughni.

Zain Uddin (Left hand-medium) again bowled very successfully and Bareilly in its 2nd venture could only score 69. Thus the M. A.-O. College won the match by an Innings and 45 runs.

FOOTBALL.

Association Rules.

(From the Pioneer.)

The M. A.-O. College, *versus* Bareilly College.

There was fairly a large muster of spectators so witness the game on the evening of the 2nd March, which, being very fast,

Mr. Cadell's Address, but we have been unable to deal with all the points it raises and we would recommend its careful study to students about to enter the Government service, to those now engaged in it, and to all persons interested in the improvement of education in India.

THE UNIVERSITY TOURNAMENT.

It has been decided by the Syndicate of the Allahabad University that next year's Tournament will include cricket, football, athletics and gymnastics. It will be open to all institutions affiliated up the B. A. or Intermediate Examination. In the cricket and football matches students of collegiate schools attached to Colleges will be allowed to play, provided each team shall contain at least four students from the College department. The gymnastics and athletic sports will be open only to College class students. No master will be allowed to compete or take part in the matches The athletic sports will terminate after the Convocation. A band will be provided for the occasion and all the residents of the English station will be invited to be present. Probably the Chancellor will distribute the prizes in the field. It is certain that there will be a large and distinguished assembly to witness the sports. On the last occasion the Vice-Chancellor and several ladies and gentlemen were present, and the sports were a great success. But next year the occasion is likely to be much more brilliant, both as regards the performances of the competitors, and the spectators who will witness them.

The result of this year's Tournament has been a victory for the College all along the line. The College beat the Bareilly College in cricket and football, and in the Athletic Sports won 6 out of 9 first prizes and 3 out of 9 second prizes. The following is a detailed account :—

CRICKET.

A two days cricket match between the Bareilly College and the M. A.-O. College came off on the 1st and 2nd of March, on the Muir Central College ground. Both the parties agreed to begin the game early in the morning and play till 11 A. M. continuing it again in the afternoon at 3 P. M.

" many of their number have honourably distinguished them-
" selves by good and useful work, the men educated in our Col-
" leges have as a body failed to come up to the expectations of
" those who were most prejudiced in their favour and most
" ready to hold out to them a helping hand." Now appreciation of the good work done by higher education combined with a criticism of its weak points is most valuable and encouraging to all persons engaged in education or interested in its progress. All men of sense will like to know where they have failed, while they naturally expect credit for the good work they have done. To have purified and raised the character of the judicial service is no small achievement It remains for them to do the same for the executive service and we may add, police. Their success in the one and failure in the other is moreover intelligible, as it is the result of a system that has devoted its energy mainly to the intellectual rather than the active side of human nature. And the remedy will doubtless be found in completing our education in its physical, active, executive and moral aspects. Mr. Cadell gives some sound and most needed advice to those persons who are guilty of extravagant and intemperate writing for the press, who make "statements the inaccuracy of
" which is obvious, and which could never have been made if the
" writers had had a proper regard for truth, or if they had
" been writing for a public which was likely to resent actively
" the absence of it. Gross misstatements and unsound argu-
" ments may please those who are anxious to be misled, but
" they will never convince those who are worth convincing
" or tend to form that sound and reasonable public opinion
" which should be the object of writers on public subjects."
In conclusion Mr. Cadell advises Indian graduates not to be ashamed to take humbler posts and work their way up in the service, stating his conviction that the men who do this and acquire knowledge, experience and the habit of hard work in this way will often surpass those who start in a higher position and with regard to whom he complains that they "too often
" look upon entrance into official life, and more especially
" on beginning the career of an executive officer, as giving
" them an opportunity for rest, rather than occasion for re-
" newed exertion." We have quoted at some length from

how enormously the demand has increased of recent years. For first, the number of Deputy Collectors in these Provinces in 1870 was 130, while the number is now increased by more than 100, and the proportion of Englishmen holding these offices has diminished; and other high posts have been thrown open to Natives. Next, Natives of these Provinces have been gradually substituted for men imported from other Provinces. And finally subordinate offices which were formerly held by men of little or no education are now filled up with educated men. In fact Mr. Cadell is of opinion that the supply of good men has been inadequate to the demand. "And there can be little practical doubt "that, so far from the increasing number of higher appointments "having fallen short of the supply of men fitted to fill them, "there was at one time an insufficient number of men who "were, in respect of education, character, and experience, "thoroughly competent to take the places of their English "predecessors, and that the efficiency of the administration "suffered in consequence." With reference to the effect of higher English education on the progress of the country, which it is now the fashion in some quarters to deny, Mr. Cadell gives no uncertain opinion as to the advantages it has conferred on the Government and on the country. He says "I would "guard myself against the suspicion that I undervalue in any "degree the work which our Colleges have done, and the "additional strength which the men educated in them have "given to our administration. Without them indeed it would "have been impossible to conduct that administration on its "present lines, and at its present cost. But as far as I can see, "your predecessors have done more for the judicial than for "the executive branch of the public service. With respect "to the former it is admitted, that not only has the tone of the "service been raised, but that the character of the work has "improved, and so far as these changes are due to the large "introduction of University men, they constitute a great "service to the community upon which our Colleges may well "pride themselves." On the other hand "it must, I think, be "admitted, so far as executive work is concerned, that while

share of the cost of the Imperial Navy ; she can certainly complain of no injustice in the matter. Mr Naorojī's arguments as to the poverty of India were answered by Sir Richard Temple, who said " they were told that the people of India were " dying of starvation—the very people who were increasing and " multiplying more than any other nation under Heaven. They " were told that the people were half starving when they were " sending 150 million sterling annually to foreign countries, " and when they were flooding the British corn markets with " grain to the dismay of the British farmer. They were told " this at a time when the trade of India was expanding, when " their agriculture was spreading fast, and their capital could " be shown to be growing and accumulating " It is highly satisfactory that Mr. Narojı has succeeded so well in discrediting the movement which he represents, and in disgusting the leaders of the Liberal party, and we very much doubt whether he will be offered a seat in the next Parliament.

THE ALLAHABAD CONVOCATION ADDRESS.

The Address given by Mr. Alan Cadell as Chancellor of the University of Allahabad is one of the best that has ever been given in any Indian University. The advice to the graduates contained in it is an admirable mixture of criticism and encouragement, that is interesting and instructive both to the professors and to the students. Mr. Cadell did not attempt to deal with the technical aspects of education which are best understood by professional experts, but he summarised the results of his long experience as to the product of Indian University education, the graduate as a member of the Government service. On this subject Mr. Cadell is a specialist of the first rank and his conclusions are entitled to the greatest respect, the more so as his large-hearted sympathies are entirely on the side of the progress of the people. To begin with Mr. Cadell does not sneer at the desire of the Indian graduate to enter the public service. He says that " within proper limits and restrictions, " the ambition is a right and reasonable one." Nor does he think the supply in excess of the demand. For he points out

office by the British taxpayer. Rather than pay for t government of India as well as his own government, the En lishman in England would throw over India altogether. An then India would be plunged in the wildest anarchy and misrul while England could go on much the same as ever. Ind has about a hundred times as much to lose as England from severance of the connection between the countries. It is cer tainly not to the interest of India to place the connection unde any excessive strain. It is a singular piece of bad tactics in Mr. Naoroji that he should propose a measure which the bulk of his own party, the Liberals, are bound to reject. Certainly the Congress has found a very poor advocate in Mr. Naoroji, a foolish friend who is damaging them more than a wise enemy. For the speech with which Mr. Naoroji introduced his amendment was so full of misstatements, and vituperation, that it called forth a crushing reply from the Secretary of State for India. Mr. Naoroji stated that 200,000,000 rupees were spent on the salaries of English officials in India. Mr. Fowler exposed the falsity of this statement inasmuch as less than 60 million rupees are spent in that way, adding that "the numbers "which constitute that large army of public servants (the civil "administration), both Europeans and Natives, who discharge "their duties with the greatest ability and efficiency, are 7,991 "Europeans, 5,347 Eurasians, and 11,9,514 Natives." Mr. Naoroji said that India had no commerce to protect and therefore it was a monstrous thing for her to have to contribute anything to the Navy. Mr. Fowler showed that the trade of India in 1892-93 was £79,000,000 of imports and £113,000,000 of exports. Is it credible that Mr. Naoroji was ignorant of the gigantic foreign trade of India? He belongs himself to a trading community and he professes to be a profound student of Indian statistics. Or does he think that false assertions which may be accepted without denial by the National Congress will be allowed to pass uncontradicted in the House of Commons? The contribution of India to the Navy which protects her trade is the trifling sum of £50,000 per annum, while England herself pays over £19,000,000, or 380 times as much as India. It might plausibly be argued that India ought to pay a reasonable

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 2.	APRIL 1, 1895.	No. 4.

MR. DADABHAI NAOROJI.

On the opening of Parliament Mr. Dadabhai Naoroji moved an amendment to the Address to the Throne to the effect that England should contribute a share of the salaries of English officials employed in India. It is astonishing how a man of Mr. Naoroji's position can have made so foolish a proposal. It is absurd to suppose that one country should out of charity undertake the cost of the government of another country. It would be as sensible to propose that India should pay a share of the cost of the administration of England. And if England were to consent to such a proposal it would be extremely humiliating for India, and would destroy the independence of the Indian Government, for the English people would then have a right to dictate how the money was spent. And suppose it were done for some years, and India had come to rely not on her own resources but on the annual gift from the British Treasury, and that then the English Government found itself badly off for money, through a war or bad trade or any other cause, and stopped the grant, India would have become paupersied and be unable to pay her way. Moreover how could Mr. Naoroji suppose for a moment that his proposal had any chance of acceptance by the British Parliament. Whichever party, whether Liberals or Conservatives, should propose such a measure would be certain to be turned out of

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A.-O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs-3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. for Rs-3 or for Rs. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 1 anna per line or Rs-2 per page.

THEODORE BECK,

English Editor,

SHAMSUL-ULAMA MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,

Urdu Editor,

NIAZ MUHAMMAD KHAN,

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

محمدن اینگلو اوریئنٹل کالج میگزین

New Series VOL. 2.	APRIL 1, 1895.	No. 4.

Contents.

Printed at the Institute Press, Aligarh.

For Siddon's Union Club.

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتاز الدین کے اہتمام سے

تصنیفات اِس میں مہیا کی گئی ہیں - بالخصوص مولانا شبلی نعمانی کا سفر نامہ روم و شام جسمیں قسطنطنیہ و مصر و شام کے نہایت مفصل حالات درج ہیں اس بک ڈپو کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتا اور مولانا مولوی الطاف حسین صاحب حالی نے نہایت مہربانی سے اپنی کل تصنیف چھاپنے کی الفرض بک ڈپو کو اجازت دیدی ہے لہذا شائقین علم اور تاجران کتب کی خدمت میں التماس ہے کہ مصنفین مذکورہ بالا کی تصانیفات الفرض بک ڈپو سے طلب فرمائیں — مبلغ عـــہ روپیہ یا زیادہ کے خریداروں کو دس روپیہ فی صدی کمیشن دیا جائیگا •

اس بک ڈپو کی ایک دوسری شاخ بھی ہے جس میں کتب مروجہ مدارس سرکاری موجود ہیں اور طلبائے مدارس کو قیمت مقررہ مصنفین و مولفین پر ملسکتی ہیں *

المشتہر

ولایت حسین منیجر

الفرض بک ڈپو

مدرسۃ العلوم

مدرسة العلوم علیگڈہ

کی

انجمن الفرض اور بک ڈپو

شاید ہمارے کالج کے واقف کاروں کو معلوم ہوگا کہ کالج کے بعض ہمدرد طالب علموں نے چند سال سے ایک انجمن قایم کی ہی جس کا مقصد یہہ ہی کہ مختلف ذرایع سے کالج کے غریب طلبا کی امداد کے واسطے روپیہ جمع کریں — یہہ انجمن روز بروز نہایت ترقی کرتی جاتی ہی اور اُس نے تجارت کی مختلف شاخیں کھول دی ہیں *

اب اُس نے ایک نہایت مفید صیغہ قایم کیا ہی جسکی درحقیقت ملک کو بہت ضرورت تھی — اسقدر مسلم ہی کہ ملک میں عام طور پر عامی مذاق پیدا ہوگیا ہی اور جو مفید تصنیفات آجکل ملک میں شایع ہوتی ہیں اُن کو لوگ بہت دلچسپی سے پڑھتے ہیں لیکن ابتک کوئی ایسا کارخانہ نہیں تھا جسکی نسبت عام لوگوں کو یہہ اطمینان ہو کہ اس قسم کی کل عمدہ تصنیفیں وہاں باسانی مل سکتی ہیں اور اس سے زیادہ یہہ کہ اُس میں جسقدر تالیفات مہیا کی جاینگی وہ وہی ہونگی جو اعلی درجہ کے مذاق کے موافق ہوں *

انجمن نے خیال کیا کہ ایسی کتابوں کے انتخاب اور اُن کے مہیا کرنیکا بندوبست کالج کے احاطہ سے بڑھکر اور کہاں ہوسکتا ہی چنانچہ اس خیال کے موافق یہہ صیغہ قایم کیا گیا اور اُس کا نام الفرض بک ڈپو ہی کسی کتاب کا اس کارخانہ میں ہونا اِ بات کی شہادت ہی کہ وہ کتاب آجکل کی عمدہ سے عمدہ تصنیفات کی فہرست میں درج ہونے کے قابل ہی *

سر سید جناب ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر و نواب محسن الملک مولوی مہدی علیخاں بہادر و خواجہ محمد حسن صاحب مرحوم سی آئی ای وزیر ریاست پٹیالہ و خلیفہ محمد حسین صاحب میر منشی ریاست پٹیالہ و مولانا مولوی الطاف حسین صاحب حالی و شمس العلما مولوی محمد شبلی نعمانی و مولانا مولوی حافظ نذیر احمد صاحب کی

A dreadful onslaught and they strove amain
To break the Moslem ranks but all in vain.
The Moslems were intrepid, cool and calm
As was their leader, and with stalwart arm
They beat the heathen back. The heathen fled,
The field of battle with their blood was red
 Turn gentle muse, avoid the gory scene
And paint some picture lovely and serene :
Not only 'dowed with beauty of the mind
The Prophet was, his person too we find,
Was fair and stately. On his noble face
No scowl or frown could mortal ever trace,
His countenance was pleasant to behold
For it was cast in kindness' balmy mould
When thorns were scattered on the path he trod
His body smeared with filth, he thanked his God
And said(يا ليت قومي يعلمون) *O that my people knew full well*
What they were doing. On his knees he fell
And prayed for them Contented with his lot
He ever was. No worldly thing he sought
He might have lived as richly as a king
On wealth and splendour that his arms could bring,
But on a simple diet of barley bread
And dates from desert groves he lived His bed
Where for his scanty hours of sleep he lay
Was rough. He praised th' Almightly night and day.
Unbounded was his love for all his sheep
It filled his loving soul with sorrow deep
To see that many who avowed his creed,
Because of having grown the bitter seed
Of sin in their corrupted souls might dwell
For ever in the burning pits of hell.
An audience of th' Almighty thereupon
He craved and there he pleaded one by one
The cause of all his flock. God said not nay
To aught the Prophet begged, so legends say.
Returning from his visit satisfied,
Muhammad to his much loved people cried :
Repent your sins, so shall your spirits rise
After this life, to dwell in paradise.

ZAFAR ALI KHAN,
27th December, 1894.

Idolators no longer there were seen,
The unity of God was seen and known
In minds before so dark, God reigned alone ;
Their sable sins were turned to spotless white
As moon-beams shining in a silvery light.
" The Moslems each to each are bound with ties
Too sacred to unloose" the Prophet cries.

And now there came a period of renown
The like of which the world had never known ;
The zenith of the vast cerulian dome
Of million shining gems their azure home,
Had ne'er been decked with such a star on high
As was the crescent on the Moslem sky.
Then countries fell and nations tribute paid,
The faith of God a wondrous progress made ;
With mighty strides it traversed all the earth,
It entered kingly hall and cottage hearth.
The Moslem crescent floated far and wide,
And peace and culture on its horns did ride.

As meek and gentle as the lambs he fed
No angry thing the Prophet ever said ;
He prayed for those detested slanderous bands
Whose savage fell and sacriligious hands
Injured his teeth in famous Ohud's war
And on his noble visage left a scar ,
He pardoned even those, he was so good ;
Who mingled deadly poison in his food,
And yet he was most valiant, strong and bold
And ever' gainst his foes his own could hold ;
Whenever for the name of God he fought
The proudest heathen to the dust he brought ;
But only when molested by the foe
He drew in self-defence his arched bow;
Nor ever couched his glory crowned spear
Until the threatening enemy drew near.
And here I think I ought in brief detail,
To tell the famous war of Badar's tale,
In which renowned strife in battle field
The Prophet showed how he a sword could wield,
With men three hundred and thirteen in all
Whom he could swiftly muster at his call,
The heathenish opponents to defy
Who came in number thrice as great to vie,
He sought the field of Badar and arrayed
His scanty force. The enemy then made

When forty sum mers graced his holy brow
God in His fondest love for him to show
His choicest favours to His dearest friend
Forthwith His angel Gabriel did send;
With prophet's crown to deck his brow divine,
As messenger of God he 'gan to shine
The stream of light which o'er the land did roll
And scattered darkness from the people's soul
Gleamed from Muhammad. He it was who broke
The chains that bound the Arabs to the yoke
Of cursed evil, and thus set them free
Once more the heaven's sacred light to see.
The sacred book the holy Alkoran
He brought with him from God was th' early dawn
Of that illustrious morn of virtue bright
Hidden so long from all the peoples sight.
In language fervent, eloquent and plain,
In gentle terms although at first in vain
He taught his lesson to the heathen men
Who thronged around to hear his words, and then
Would mock and scoff and ridicule and jeer
At all the truths he fain had made them hear.
When he would say :—O people God is one,
He has no daughter and has no son,
He is Almighty, good and wise and great,
His equal none, all things He did create,
So come and bow your heads before His throne
And for your errors and your sins atone.
They pelted him with stones but that he bore
Like many prophets of the days of yore,
In resignation calm and gentle aye.
Full many a trouble and a hardship lay
Across his arduous mission's path, but soon
As works a charm or rises up the moon
He wrought a mighty and a noble change
In hearts to whom such miracles were strange.

That hallowed temple which great Abraham
Had destined as the temple of Islam,
Was full of eighteen score of idols vain
Fantastic and grotesque in form and mien.
Once more that shrine became the house of God
When at Muhammad's pure and sacred nod
The heathen statues downward tottering fell
And headlong plunged into the pit of hell.
Then all was holy, chaste and pure and clean,

"THE PROPHET OF ARABIA"

An English poem composed by Zafar Ali Khan Sahib, the well-known poet of our College. The poem was read by him in the 9th sitting of the Muhammadan Educational Conference held at Aligarh in December last. We congratulate the author for his success in producing such an excellent piece of poetry in a foreign tongue.

Out burst in vivid blaze a flash of light
From dark recesses of a desert land
Whose sultry breezes blew along the sand
Whose brow was stern and rugged as the night
Whose parching winds that scorched th' encircling main
Drew little moisture from its waves again.
It shone from Mecca first in streaks of gray
But rapid as the sun
Disperses shadows when the night is done
It spread its lustre like the dawn of day.
O say then what was that supernal blaze
Whose strong and potent rays
Eclipsed the sun and all the starry throng.
My meek and reverent muse attempts to soar
To lofty heights and lifts the veil she wore
And sings the Prophet of Arabia's song
There was an ancient hardy Arab clan
Koraish in race, in valour's foremost van
Sprung from a haughty people versed in arms
Who lived in times that rang with war's alarms
Muhammad (peace be on his blessed soul)
Made all this nation one harmonious whole.
While yet a child he saw with vision clear
His kinsmen's evil state both far and near,
They worshipped idols, gods corrupt and vile,
Deceitful were their thoughts and full of guile'
Dark were their hearts with sin and dark their mind
To God Almighty's greatness they were blind;
Their cruel pastime was infanticide
They laughed although their tender infants died;
In revelries, in orgies and in mirth
They far excelled all nations of the earth;
In theft and murder and in speaking lies
They knew no equal nor in breaking ties;
They spent in gambling all their precious time
Full fond were they of music and of rhyme
Such was the race with whom he had to deal
Whose sickness he at last did fully heal.

کي نسبت ان کو هوسکتا تها ظاهر هي که کيا هوگا جب که رات دن انکو ايسے لوگوں سے پالا پڑتا هي جو هر چيز ميں دهوکا اور فريب ديتے هيں - غرض جس طرح کي طبيعت انگريزوں کي ميں نے بيان کي اور وه باتيں کہيں جو ايسي طبيعت کا تقاضا هيں تو يهه سب باتيں هندوستان ميں انگريزوں کي اسبات کو که وه هردل عزيز هوں کم کرديتي هيں کيونکه خود داري کو قايم رکهنا انساني جذبات ميں سب سے بڑهکر هي اور جب که بے پروائي سے اسکو صدمه پہنچايا جاتاهي تو آپس ميں وه عداوتيں پيدا هوجاتي هيں جو ان مخاصمتوں سے بهي بعض اوقات بڑهکر هوتي هيں جو بے انصافي يا ظلم سے پيدا هوں — يهه آفت بعض اينگلو انڈين اخباروں سے بهي بڑهتي هي جو هندوستانيوں کي نسبت اکثر طنز اور نفرت برتتے هيں اور انکي ترقي کي طرف سے بے پروائي يا عداوت ظاهر کرتے هيں *

اب رها يهه الزام که هم هندوستانيوں پر جسماني تشدد کرتے هيں اور ان پر ظلم کرتے هيں يا اور اسيطرح کي باتيں تو يهه سب الزام اگو اينگلو انڈين پر لگايا جاتا هي تو وه محض بہتان هيں - خاص خاص لوگ ايسا کريں ليکن يهه ايسي هي بات هي جيسے اور قسم کے جرائم لوگوں سے سرزد هوتے هيں - علاوه اس کے جو نقص انگريزوں کے ميں نے بيان کيئے ان ميں نهايت بيجا مبالغه کيا جاتا هي - ميں نے بعض انگريزوں کے اُن نفرت اور حقارت کے خيالات کو سنا هي جو هندوستانيوں کي نسبت وه رکهتے هيں ليکن اُسوقت ميں خوشي کے ساتهه اسبات کو ديکهکر متعجب تها که ان کے خيالات کسقدر بودے اور خام هيں - ميں نے ان انگريزوں کو ديکها هي جو اس امر پر گفتگو کرتے تهے که هندوستانيوں کے ساتهه آزادي سے ملنا ناممکن هي اور کہتے تهے که کسي موقع پر هندوستانيوں کو گهر پر بلانا اور اپني لڑکيوں سے انکا تعارف کرنا ان کے ساتهه شکار ميں شريک هونا يا اور کهيل تماشوں ميں ان سے برابري کا ميل جول رکهنا ناممکن هي - هندوستان ميں جس چيز کي ضرورت هي وه يهه هي که انگريزوں اور هندوستانيوں کي مصاحبت کے ليئے ايسے مشترک مقاصد هوں *

(باقي آينده)

خیال پیدا ہو جاتا ہی کہ ہمارے اپنے رسم و رواج ان لوگوں سے بہتر
ہیں جو اسوقت گرد و پیش نظر آتے ہیں یہی وجہہ ہی کہ ہم میں
سے اکثر جب کبھی ان کو یورپ میں ہونے کا اتفاق ہوتا ہی تو اسی
انجان پنے سے وہاں کے لوگوں کو نا خوش کردیتے ہیں اس کے علاوہ چونکہ
اکثر مزاج میں باریک بینی اور کسی چیز کو آسانی سے قبول کرنے کا
مادہ کم ہوتا ہی اس لیئے بہت سے انگریز جب کبھی وہ غیر ملک
والوں کی صحبت میں بیٹھتے ہیں تو وہ مکدر رہتے ہیں اور یہی
سبب ہی کہ غیر ملکوں میں جہاں کہیں انگریز بستے ہیں ان میں
یہہ ایک عام میلان ہوتا ہی کہ غیروں سے علحدہ بطور خود اپنی بستیاں
بسائیں — اس سے بڑھکر یہہ ہی کہ اجنبی آدمیوں کے ساتھہ انگریزوں
کے برتاو میں ایک طرح کی کشیدگی اور مغایرت ہوتی ہی خواہ وہ
اجنبی اُن ہی کی قوم کے کیوں نہوں لیکن اس کشیدگی کو لوگ غلطی
سے بد نفسی سمجھہ لیتے ہیں - ہندوستان میں جہاں قومی تفرقہ
اور رسم و رواج کا اختلاف بہت بڑھا ہوا ہی وہاں ان دونوں میں بہت
مبالغہ کیا جاتا ہی — ان سب باتوں کے علاوہ ہندوستان میں جو
انگریز حاکم ہیں ان کے پاس اُمیدواروں کا ایسا ہجوم رہتا ہی کہ
ان کو گریز کے لیئے خواہ مخواہ بے پروائی کا انداز اختیار کرنا
پڑتا ہی - دوستی اور ملاقات میں احتیاط کرنے پر فی الحقیقت وہ
مجبور ہوتے ہیں اس لیئے کہ کہیں اس ملاقات کا جو اثر ہی وہ بیجا
تعدی اور ذاتی منفعت کے لیئے استعمال نہ کیا جاے ادنی درجہ کے
جو انگریز ہیں وہ فقط یہہ دیکھکر کہ ہمارا رنگ گورا ہی اور اس لیئے
ہم بھی ممتاز ہیں بعض اوقات بہت گستاخ اور مغرور انداز اس تصور
میں کہ اپنے امتیاز کو قایم رکھنے کے لیئے وہ ضروری ہی اختیار کرلیتے
ہیں ایسے انگریز جس قدر کم ہندوستانیوں سے واقف ہوتے ہیں
اُسیقدر زیادہ ہندوستانیوں سے نفرت رکھنے کی طرف راغب ہوتے ہیں ؎

میں ایسے انگریزوں سے ملا ہوں اور بلا شبہ وہ حکام میں سے نہ تھے
جو فی الحقیقت اس بات سے ناواقف تھے کہ ہندوستانیوں میں کوئی
جماعت شریفوں کی بھی ہوتی ہی — ہندوستانیوں کا جسقدر
علم ان کو تھا وہ اپنے نوکروں کو دیکھکر پیدا ہوا تھا اور جو خیال نوکروں

خدمت ملنا چاہیئے — لئے اور بیکار لوگوں سے کوئی عمدہ نظام پیدا کرلینا ایسا ہی ہی جیساکہ بودے اور ناقص مصالح سے اچھا مکان بنانا — اس لیئے اگر برٹش گورنمنٹ ہندوستان کے حق میں بڑی برکت ثابت ہوئی ہی تو یہہ اس بات کا ثبوت ہی کہ اس گورنمنٹ کی کار پرداز رعایا کے بھی خواہ ہیں *

لیکن " شاید آپ کہینگے کہ " ہمکو یہہ نہیں سکھایا گیا ہی کہ ہم انگریزوں کو ایسا سمجھیں — انگریز ہم سے ملنے میں ایسا ہی غرور کا برتاو کرتے ہیں جس کے لیئے وہ ضرب‌المثل ہیں — بنگالی اخبار روز مرہ ان کو سخت جرایم کا مرتکب ثابت کرتے ہیں — مسٹر دادا بھائی نوروجی جو ندائے غیب کی طرح غلطی سے مبرا ہیں انکا بس چلے تو ان انگریزوں کو مع رخت ادبار کے کبھی کا ملک سے رخصت کردیں — اینگلو انڈین لوگوں میں ایسے شخص جیسے مسٹر کین اور سر ولیم ویڈربرن ہیں موجود ہیں جو ان انگریزوں کے حال سے ایسے واقف ہیں کہ ہم سے اس کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی اور یہہ لوگ انگریزوں کو ملامت کرنے میں کسی طرح کی کسر نہیں رکھتے " جب آپ یہہ فرمائینگے تو میں چاہتا ہوں کہ یہاں چند سوالات بیان کرکے خود ان کا جواب دینے کی کوشش کروں — سوال یہہ ہیں کہ انگریزوں میں نقص کیا ہی ؟ اور وہ معترض جن کا ایک فقرہ میں نے اوپر نقل کیا ہی انگریزوں کے ساتھہ انصاف کرتے ہیں یا نہیں ؟ انگریز ملک کی کیا خدمت کرتے ہیں ؟ *

یہہ اکثر اور صحیح کہا جاتا ہی کہ انگریز کی طبیعت علحدگی پسند ہوتی ہی جس کے معنی یہہ ہوتے ہیں کہ وہ جزیرہ میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی — اور چونکہ اور قوم کے لوگوں سے اس کو سابقہ پڑنے کا اتفاق کم ہوا اس لیئے دوسروں کے خیالات کو سمجھنا اور ان کے ساتھہ ہمدردی کرنا اس کو دشوار معلوم ہوتا ہی — لیکن جس خوش دلی اور مہمان نوازی سے وہ اپنے وطن میں غیر ملک والوں کے استقبال کو بڑھتا ہی اس سے صاف ظاہر ہی کہ غیر لوگوں سے ملنے میں کوئی فطری نفرت اس کے مزاج میں نہیں ہی — البتہ غیر ملکوں میں ایسے انگریزوں کو جنہیں سفر کا اتفاق کم ہوا ہی وہ

کرتا ہوں کہ اگر اس سلطنت کا مقابلہ بالفرض جنوبی امریکہ کی سلطنتوں سے کیا جاوے تو وہاں کی راشی اور غیر مستقل ریپبلکوں اور رات دن کی خوں ریز بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کو دیکھکر یہہ کہا جاسکتا ہی کہ سلطنت برطانیہ جنوبی امریکہ سے ادنی درجہ کی ہی — لیکن اب چاہیئے اپنی قسمت پر افسوس کریں مگر میں تو یہی جانتا ہوں کہ آپ کو اس فخر پر کہ آپ سلطنت برطانیہ کی رعایا ہیں ناز کرنا چاہیئے ہر شخص جو عقل رکھتا ہوگا وہ اس بات کو تسلیم کریگا کہ ہمکو ہندوستان کی بہبود کے لیئے ان شرایط کے ساتھہ جن کے تحت میں اس کا رہنا ضروری ہی بہتر سے بہتر کوشش کرنی چاہیئے *

جب یہہ حالت ہو تو اس پالیسی کو معقول بتانا غیر ممکن ہی کہ ہندوستان کے لوگوں کو گورنمنٹ اور انگریزوں سے نفرت دلانے کے لیئے ترغیب دینا چاہیئے اور وجہہ اس کی یہہ قرار دی جاوے کہ آزادی یا کولونیل طریقہ کی گورنمنٹ حاصل کرنیکے لیئے صرف ایسا کیا جاتا ہی یہہ تمام خیالات شرارت کے دھوکے ہیں — مشعل صحرائی کی طرح ہیں جو بد نظمی اور تباہی کے دلدل کی طرف رہنمائی کرتی ہی — برخلاف ان باتوں کے اب انگریزوں اور ہندوستانیوں میں وہ رشتہ پیدا ہوگیا ہی جو کسی طرح نہیں ٹوٹ سکتا — اس لیئے یہہ ظاہر ہی کہ ہندوستان کی بہتری کے لیئے ان دونوں فریقوں میں دوستی اور اتحاد کا قایم رہنا لازمی اور ضروری ہی *

یہہ امر اکثر بحث میں لایا جاتا ہی کہ گو برٹش گورنمنٹ ہندوستان کے حق میں ایک برکت رہی ہی اور اب تک ہی لیکن انگریز جن سے وہ گورنمنٹ مرتب ہی ہندوستانیوں کے دشمن ہیں — اس لیئے سب سے بہتر یہہ ہی کہ ان کی تعداد کو جہاں تک ممکن ہو کم کرکے اقل مقدار پر کردینا چاہیئے — لیکن یہہ دونوں خیال متناقض ہیں — گورنمنٹ ہرگز ایسی قوت نہیں ہی جو بغیر انسانی ذریعوں کے کوئی کام کرسکے — اگر گورنمنٹ نے ملک میں بلا رو رعایت عدل و انصاف کے لیئے طریقے جاری کیئے ریلیں بنائیں سڑکیں اور نہریں تعمیر کیں — مدرسے کالج اور دارالشفا قایم کیئے تو ان منفرد انگریزوں کو جنہوں نے یہہ کام کیا ہی نیک نامی کا پورا

بھی ایساہی فرض کیا جاوے تو یہاں پارلیمنٹ کا طریقہ سب سے زیادہ اور نہایت درجہ ناموزوں اور بیکار ثابت ہوگا۔ اگر ایسا ہوا تو پہلی بات یہ ہوگی کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کی کثرت رائے کا مغلوب بننا پڑیگا اور یہ بات ایسی ہے کہ جسکو مسلمان چپ چاپ برداشت نکرسکینگے۔ گاؤ کشی اور دیگر چند امور کے متعلق محض یہ افواہ کہ ہندوؤں نے اس میں ظلم کیا ہے بمبئی کے مسلمانوں کو یہاں تک برانگیختہ کرنے میں کافی ہوئی کہ انہوں نے بلا اس خوف کے کہ مخالفین کی تعداد ان سے زیادہ ہے ہندوؤں پر خون ریز حملے شروع کردیئے — ڈیموکریسی یا یعنی جمہوری سلطنت کے استحکام کی بنا اس اصول پر بنائی جاتی ہے کہ ہر شخص کا ووٹ (رائے) ایک گھونسے کی برابر ہو اس لیئے ایسے ملک میں جہاں ووٹوں کی کثرت گھونسوں کی تعداد پر غالب نہیں آ سکتی وہاں جمہوری طرز سلطنت کا یہ اصول باطل ہوجاتا ہے *

پس ہندوستان پر ہندوؤں کی پارلیمنٹ سے حکومت نہیں ہوسکتی اور اس امر میں بھی آپ مجھ سے اتفاق کرینگے کہ اسلامی سلطنت کو پھر زندہ کرنے کی کوشش کرنا بھی ایسی ہی مہمل ہوگی — مغلوں کی ذی شان سلطنت مع اسکی حیرت انگیز تاریخ اور عالیشان یادگاروں کے اپنے ہی صوبوں کی سرکشی سے نادر شاہ کے حملوں مرہٹوں اور سکھوں کی فتوحات سے اس وقت سے پہلے ہی غارت ہوچکی تھی جب کہ انگریز ہندوستان میں کوئی قوت گردانے جاتے تھے اب ہندوستان کے لیئے دو باتیں رہ گئی ہیں یا تو وہ انگلستان کی حکومت قبول کرے یا روس کی اس اخیر امر کی بحث پر گفتگو کرنے کی اس وقت ضرورت نہیں ہے *

اس لیئے اب ہم مجبور ہوکر اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ ہندوستان کو سلطنت برطانیہ کا ایک جزو ضروری بنا رہنا جیسا کہ وہ ہے لازم ہے اور نہ میں ہندوستان کی قسمت پر اس بات سے افسوس کرسکتا ہوں کہ آج وہ اس زبردست سلطنت کی شان و عزت اور برکتوں کا شریک ہے جو شایستگی کے لحاظ سے کم سے کم درجہ پر نہیں ہے اور وسعت میں دنیا کی تمام سلطنتوں سے بڑی ہے اور نہ میں خیال

یہہ خیال ایسا زبردست تھا جو ہندوستان میں اس وقت تک سلطنت
کي گورنمنٹ سے جس کو سخت سمجھا جاتا ہی پیدا نہیں ہوا —
حالانکہ ہندوستان میں اس مذہبي اتحاد کا نشان بھي نہیں ہی جو
یورپ میں پوپوں کے عہد میں تھا — کیونکہ ہندؤں اور مسلمانوں کے
مذہب میں کوئی علامت زوال کی نہیں پائي جاتي بلکہ جو لوگ
ان مذہبوں کے ماننے والے ہیں ان میں عداوت روز افزوں ہی —
تاریخي حالات جو قومي خیالات کا سب سے بڑا مخزن ہی ان سے معلوم
ہوتا ہی کہ جو بات ایک قوم کے لئے فخر کي ہوئي ہی وہي دوسري کے
لئے باعث شرم و ذلت ہی — مسلمان اورنگ زیب جیسے بادشاہ پر
ناز کرتے ہیں لیکن گرو گوبند سنگھہ اور سیواجي کے ماننے والوں کو اس
کے نام تک سے نفرت ہی *

دونوں قوموں میں ازدواج باہمي نا ممکن ہی اور اسوقت ہندوؤں
کي ہزارہا ذاتیں ہیں جو اسبات کو گناہ جانتي ہیں — کوئي مثال
تاریخ میں ایسے معجزے کي نہیں ہی کہ اتني نفور اور مختلف‌الفرع
قوموں کو متحد کرکے کسي نے ایک قوم بنادیا ہو — اور اگر یہي کرنا
منظور ہی تو اس کے لئے ابھي پہلا قدم بھي نہیں اُٹھایا گیا ہی *

اسیطرح ہندوستان کے لوگوں کے لئے یہہ امر بھي نا ممکن
ہوگا کہ وہ اتفاق کرکے جمہوري طرز سلطنت سے اپنے اوپر خود
حکمراں بنیں اس کے لئے ہم ایک عمدہ سے عمدہ مثال لیتے ہیں
فرض کرو کہ ایک صوبہ ہی جس کا رقبہ بھي اوسط درجہ کا ہی
اور جس کے باشندے بھي سب ایک مذہب رکھتے ہیں جیسا کہ ملک
بلوچستان ہی اب اگر ایسے صوبہ کو جدا کرکے ایک ریپریزینٹیٹو
گورنمنٹ قایم کردي جاوے تو پارلیمنٹ کے طریقوں سے لوگوں کي محض
ناتجربہ کاري اور خود سر حکومتوں کے زیر فرمان رہنے کي عادت
ابتدا هي سے ان کو ایسي سخت دشواریوں میں ڈال دیگي جن کا
رفع کرنا ناممکن ہوگا اور سواء کا یہہ حال ہوگا جیسا کہ روما میں سیزر
کے عہد میں اور انگلستان میں کرومول کے زمانہ سلطنت میں ہوا تھا
کہ وہ بجائے بلوچي سینیٹ یا بلوچي ہاوس آف کامنز کي اطاعت کے
کسي لایق سردار کي اطاعت کو قبول کرلیگي اگر پھر ہندوستان کے ساتھہ

وقت جبکہ میں ایسے طالب علموں کے سامنے تقریر کرتا ہوں جن کی نظر کے سامنے چند سال سے وہ واقعات نہیں ہیں جنہوں نے ہندوستان کے بیدار مغز مسلمانوں کے دلوں پر روز افزوں طاقت کے ساتھ ان تمام باتوں کا یقین نقش کردیا ہے اور چونکہ میرے سامعین وہ نوجوان ہیں جو اس ملک میں آجکل اور ہی طرح کی چیزوں سے متاثر ہو رہے ہیں یعنی یہہ کہ انگلستان کی پولیٹکل مجالس اور طریقوں سے رات دن ان کو سابقہ ہے اس لیئے چند دلایل اس امر کے متعلق بیان کرنے فائدہ مند ہونگے کہ حسد اور بغض کو ترقی دینے کی پالسی صرف اپنے مقصد ہی کو پورا کرنے میں نا کام نہ رہیگی بلکہ اس کے نتیجے آفت خیز ہونگے ٭

یہہ امر کہ بر اعظم ہندوستان کی انتیس کروڑ رعایا کبھی متحد ہوکر ایک قوم بن جاویگی — اول تو وہم و گمان سے بعید ہے اور اگر ایسا ممکن بھی ہوا تو اس کے لیئے اتنی صدیاں درکار ہیں کہ عملی پولیٹکس میں اس فرضی امکان پر کوئی حجت نہیں قایم ہوسکتی انگلستان اور ایرلینڈ خود اس امر کی مثال ہیں کہ ان دونوں ملکوں کے باشندوں میں باوجود آپس کی مشابہت اور قرابت اور ایک ہی سلطنت کی رعایا ہونے کے قومیت کا خیال کہ وہ دونوں ایک قوم مشترک ہیں کسقدر دیر میں اور آہستہ آہستہ پیدا ہوا ہے — اگر عہد وسطی میں یورپ کی مختلف اقوام کو متحد کرکے ایک قوم بنانے کا خیال ہوتا تو البتہ وہ مسئلہ ایسا ہی ہوتا جیسا کہ آج کل ہندوستان میں پیش ہے - کیونکہ اس زمانہ میں لاطینی زبان یورپ کے تعلیم یافتہ لوگوں میں اسی طرح رایج تھی جیسے انگریزی زبان اب ہندوستان میں ہے — لیکن لاطینی زبان بھی اسوقت یورپ کی اور زبانوں کو معدوم نکرسکی جس طرح آج کل انگریزی زبان ہندوستان کی زبانوں کو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکی ہے — عہد متوسطہ میں یورپ والوں میں یہہ خیال عام تھا کہ روما کا مقدس پادشاہ مذہب عیسوی کا سردار مع اُن لوازم شان و سطوت کے جو اس رتبہ کے شایان ہیں قرار پاوے — اور یہہ خیال ان لوگوں کا مد مقابل تھا جو اپنے ملک یا قوم کا پاس رکھتے تھے اور اسکی سر براوردگی چاہتے تھے غرض

جاوے کہ ہندوستان کے لوگ ایک قوم ہیں — جب میں پہلی دفعہ ہندوستان گیا تو بنگالی اخباروں کو پڑھکر سمجھتا تھا کہ ہندوستان میں انگریز ایک شراب خوار اور بدکار آدمی ہوتا ہی جو ہندوستانیوں سے ان کو آدمی نہیں بلکہ جانور سمجھکر برتاو کرتا ہی اور میں سمجھتا تھا کہ اگر میں ہندوستانیوں کا طرفدار بنا تو میرے ہموطن مجھکو نفرت سے دیکھینگے — فی الحقیقت میں نہیں خیال کرسکتا کہ کیونکر کوئی شخص جو ان بنگالی اخباروں کا یقین کریگا ایسے خیال سے بچ سکتا ہی جو میرے دل پر نقش ہوا تھا — کیونکہ ان اخباروں کا یہہ ایک مستقل کام اور پالیسی ہی کہ گورنمنٹ کے ہر ایک کام کو خواہ وہ کیسا ہی فیاضانہ ہو غلط طریقہ پر ظاہر اور کسی بری نیت پر محمول کریں کوئی ملکی تدبیر ہو اس کے لیئے موافق اور مخالف دونوں طرح کی دلیلیں ہمیشہ ہوتی ہیں اب اگر موافق دلائل کو نظر انداز کیا جاوے اور صرف ان دلایل میں جو مخالفت میں ہیں مبالغہ کیا جاوے تو ایسی نیک گورنمنٹ کو بھی جو انسان کی فیاضی سے بالا تر ہو شیاطین کی جابر سلطنت سے مشابہ بتانا مشکل نہوگا لیکن ایسی مذموم ترکیبوں کے بغیر بھی ہندوستانیوں اور انگریزوں میں ناواقفیت کو ترقی دینا آسان ہی — اس تحریر سے میری غرض اس امر کا ظاہر کرنا ہی کہ اس طرح کی تمام کارروائیوں میں ہندوستان کی آیندہ حالت کے لیئے مضرت شامل ہی *

اس بحث میں کہ دو منفرد اشخاص یا جماعتوں میں محبت کا قایم رہنا سود مند ہی یا نفرت کا — بار ثبوت ان پر ہی جو نفرت کو اپنے حق میں بہتر اور مفید جانتے ہیں — اگر اس ذریعہ سے ہندوستان میں ہوم رول کا حاصل ہونا کسی طرح ممکن ہو تو خیر یہہ تسلیم بھی کیا جاسکتا ہی کہ انگریزوں کے ساتھہ مخالفت رکھنے کی پالیسی کسیقدر معقول ہی — اگر میں اسوقت ہندوستان کی کسی مجلس میں مسلمانوں سے خطاب کرتا ہوتا تو اس بات کو بالکل تسلیم کرلیتا کہ ایسے خیال کی بنا محض خام خیالی پر ہی بلکہ مسلمانوں اور انگریزوں میں دوستی کا پیدا ہونا اور اسکو ترغیب دینا ہی وہ مقصد ہی جس کی نہایت سرگرمی سے خواہش کی جاتی ہی لیکن اس

اور اس غرض کی تکمیل کے لیئے جہاں تک گورنمنٹ کے طریقہ سے ممکن ہو ہندوستان کو حتی‌الوسع کانیڈا اور اسٹریلیا کے کولونیوں کی حالت کے قریب پہونچا دینا چاہیئے - جو تجویزیں اسکے کے لیئے پیش کی گئی ہیں ان میں پہلی تجویز تو یہہ ہی کہ ہندوستان کی سول سروس سے انگریزوں کو رفتہ رفتہ خارج کردیا جاوے اور دوسرے یہہ کہ جب ہندوستانی اس میں داخل کردیئے جاویں تو وہ سب انتخاب شدہ جماعتوں کے تحت میں رہیں - لیکن اس وقت تک سمجھکر یہہ دریافت نہیں ہوسکا ہی کہ جو لوگ ایسی تجویزوں کے حامی ہیں وہ ملک کے فوجی انتظام اور امور کے متعلق اگر کچھہ راے رکھتے ہیں تو وہ راے کیا ہی — لیکن یہہ لوگ عوام‌الناس سے بھی کہتے ہیں کہ ملکی انتظام پر اختیار رکھنا ہمارے "فطری حقوق" اور اختیارات کا ایک حصہ ہی اور یہہ حقوق حکام وقت کے قبضہ سے نکال کر ہمکو اس طرح حاصل ہوسکتے ہیں کہ ہندوستان کی قوموں میں اتفاق پیدا کیا جاوے — اور بدانتظام شکایتوں کا ایسا شور و شغب ملک میں جاری رکھا جاوے جس میں خونریزی سے نہیں بلکہ صرف تحریر و تقریر سے کام نکلتا رہے — رہا اتفاق تو یہہ ہندوستان کے لوگوں میں قومیت کا خیال پیدا کردینے سے ہوسکتا ہی - اور قومیت کا خیال ان کی راے میں از خود اس طرح پیدا ہوجائیگا کہ گورنمنٹ کی مخالفت میں متحد ہوکر کارروائی کرتے رہیں اور اس کے ساتھہ ہی آپس میں وہ ہمدردی رکھی جاوے جس کی بنا اینگلو انڈین کمیونٹی سے نفرت کرنے میں پڑی ہی ٭

غرض اسطرح رعایا کے دل میں انگریزی حکام کے خلاف دشمنی کی آگ بھڑکا دینے کی مذموم حکمت عملی کا نام اس پولیٹکل مسئلہ کے بموجب ایسا مستحسن کام" رکھا گیا ہی جو ملکی ہمدردی کے واسطے کیا جاتا ہی - اور چونکہ بلحاظ قومی تفریق کے ہندوستان کی قوموں کے عناصر ایسے مختلف ہیں کہ ان کو کسی ترکیب سے ملاکر ایک کردینے میں بے شمار دقتیں پیدا ہونگی اس لیئے یہہ آسان ترکیب نکالی گئی ہی کہ گورنمنٹ اور انگریزوں کو ہمیشہ برا کہکر اور ان کی مذمتیں کرکے ایک ظاہرا صورت جو بالکل مصنوعی ہی اسباب کی دکھلائی

A meeting of the Servants of the Duty was held on Sunday the 16th February 1895, in which it was decided that a pamphlet be written on the M. A.-O. College and that it should contain all possible informations about it, and that the various lists of old students should form part of it.

Its contents will be something like this :—

1. History of the College : Its aims and benefit.
2. Account of the Boarding-House : Its benefits : Its various Societies and Clubs : their object and benefit.
3. An account of the College buildings and a map if possible.
4. Various Lists of ex-students.
5. Appendices (medalists etc)

TOFAIL AHMAD.

ہندوستانی اور انگریز

یہہ وہ لکچر ہی جو مسٹر بیک پرنسپل محمدن کالج علیگڈہ نے انجمن اسلامیہ لندن کے سامنے پڑھا تھا — یہہ نیشنل ریویو میں چھپا تھا اور یہاں اس کا ترجمہ چھاپا جاتا ہی —

سوال یہہ ہی کہ ہندوستان کے باشندوں کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص اُن انگریزوں کے ساتھہ کیا خیالات رکھنے چاہئیں جو ہندوستان میں مقیم ہیں اور جن کی جماعت کو اینگلو انڈین کمیونٹی کہا جاتا ہی — اگر یہہ سوال میں اپنے اینگلو انڈین بھائیوں سے کرتا تو جملہ سوال کی مبتدا اور خبر کو معکوس کردیتا لیکن سوال کا جواب ایک ہی رہتا اور وہ جواب یہہ ہی کہ ان کو ہم ملک ہونے کا خیال اور آپس میں ہمدردی اور اخوت رکھنی چاہئیے — لیکن بعض لوگ ایسے ہیں جن کے قول اور فعل سے بجائے ہمدردی اور اخوت کے خیالات کے نفرت اور حسد ظاہر ہوتا ہی — یا یہہ ہوتا ہی کہ ایسے لوگ اُن پولیٹکل مسائل کے قائل اور پیرو ہوتے ہیں جن سے حسد اور نفرت بدلایل واضح پیدا ہوتا ہی ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہہ بھی ہی کہ ہندوستان کو قومی آزادی حاصل کرنے کا مقصد پیش نظر رکھنا چاہئیے

Settlement Department.

Head Clerk ...	1
Translator ...	1

Agriculture Department.

English Clerks ...	2

Opium Department.

Assistant Sub-Deputy Opium Agent ...	1

Salt Department.

Inspector ...	1

Judicial Department.

Additional Civil Judge ...	1
Munsifs ...	3
High Court Readers ...	2
High Court Translators ...	2
Translators Judge's Court ...	2
Munsarims Munsif's Court ...	2
Amins Munsif's Court ...	2
English Clerks ...	7

Secretariat Department.

English Clerk ...	1

Police Department.

Inspectors ...	3
Sub-Inspectors ...	6
Heads in charge of Thanas or otherwise ...	8

Irrigation or Public Works Department.

Assistant Engineers ...	2
Sub-Overseers ...	3
Clerks ...	3

Great Trig. Survey.

Sub-Assistant Conservator ...	1
Studying in England ...	8
Passed candidates of the Police School ...	4
Studying at the Police School ...	2
Studying at the Medical College ...	6
At home ... ... about ...	50

The above list does not profess to be exhaustive. It contains only the names of those whose addresses I have been able to learn up to this time. There are many more whose names and addresses I have not been able to ascertain yet.

Commissariat Department.

Head Assistant Commissary General's Office ...	1
English Clerks ...	2

Education.

Professors ...	2
Inspectors ...	2
Head Moulvi ...	1
Schoolmasters ...	77
Librarian and Clerk ...	2
Superintendent Boarding House ...	1
Editor ...	1

Municipality

Head Clerk ...	1

Native States.

Employed in Hyderabad ...	10
" " Rampore ...	1
Private Secretaries to Native Chiefs and private individuals	5

Nominated Candidates.

For Extra Assistant Commissionership ...	1
" Tahsildarship ...	2
" Naib Tahsildarship ...	3
" Apprentices ...	4

Practising at the Bar.

Barristers ...	17
L. L. B's. Wakils and Pleaders ...	13

Native Chief ...	1
Raises ...	12

Revenue and Executive Department.

Civilian	1
Statutory Civilians (Joint Magistrates) ...	2
Deputy Collectors and Extra Assistant Commissioners	5
Tahsildars ...	9
Excise Naib Tahsildars ...	1
Naib Tahsildars ...	6
English Office Clerks ...	6
Kurk Amin ...	1
Supervisor Kanugo ...	1
Naib Record Keeper ...	1

M. A.-O. COLLEGE CRICKET.

We played three matches this month, two with Regimental Teams, and one with the Station here ; in which the victory fell to our lot. The results of the matches are :—

I. HOME TEAM V. QUEEN'S OWN REGIMENT.

Queen's Regiment 27 } First Innings.
Home Team 76 }

Queen's Regiment 61

The match was not played out, as there was no time.

II. HOME TEAM V. QUEEN'S REGIMENT.

Queen's Regiment 13 } 1st Innings.
Home Team 63 }

Queen's Regiment 27

Home Team 29 for 1 wicket.

III. HOME TEAM V. STATION CLUB ALIGARH.

Station 31

Home Team 129

In the first match with the Queens Lt. Bichford made a stand for 31 and was not out. He played a faultless game all through.

In these matches we tried our Change Bowler Abdul Ali, as Abdul Mughni was absent, and we found him promising.

LIST OF OLD STUDENTS.

The following facts, showing the occupations of old students of the M. A.-O College, have been taken from the list of old students which I am compiling :—

Forest Department.

Ranger	... 1

Registration Department.

Sub-Registrar	... 1

Medical Department.

Civil Surgeon	.. 1
Head Clerks Civil Surgeon's office	... 2

Postal Department.

English Clerks	... 2

Railway Department.

Clerk of D. T. S.	... 1

Army.

Jamadars	... 2
Mir Munshis	... 4

VISIT OF RAJAHS TO THE COLLEGE.

In the commencement of February His Highness the Maharajah of Chhatarpur and Rajah Bahadur, eldest son of His Highness the Maharajah of Tikamgarh (Urcha), both of them Princes of Bundelkhand, visited Aligarh. The Maharajah of Chhattarpur stayed with Mr Morison in his bungalow, and the Rajah of Urcha in a house in the city lent by Rajah Ghanshiam Singh of Mursan. The former chief is a well-educated intellectual gentleman of literary tastes, and the latter who also knows English is a very sporting man of soldierlike disposition. He has taken parts in fights with armed dacoits in Bundelkhand. He played with the students of the College in a game of football. One of our old students, Abdul Qadar, B. A., is employed in the Tikamgarh State, and takes an active part in the football eleven started by Rajah Bahadur. The Maharajah of Chhatarpur is one of the benefactors of the College; four prizes are annually given out of the interest of the money presented to the College by him. Both Princes find in Aligarh sympathy with their diverse tastes. We are very glad to have them visit us in Aligarh and hope they will both come every year.

PERSONAL NEWS.

We are glad to publish that the undermentioned ex-students of our College have obtained employments in the following capacities :—

(1) Mr. Nazir Husain Faruqi as a Head Master of the Marehra School.

(2) Mahmud Hasan Khan, B. A., as a Head Master in the Hyderabad State on Rs. 75 per month.

(3) Muhammad Daud, B. A., as an officiating Naib Tahsildar.

(4) Qutb-ud din, B. A., Municipal Clerk, Bara Banki.

Three candidates from our College, (viz. Ali Gauhar, Ata Husain and Ikram Ali) have been declared successful in the last Police Examination of the N. W.-P. The fourth candidate, Ali Zaman, did not appear in that examination on account health.

5. K. Mahmud Hosain.
6. Shabbiruzzaman.

M. SHAKUR BAKHSH KADRI,
Honorary Secretary.

THE ANNUAL DINNER OF THE M. A.-O. COLLEGE BROTHERHOOD.

The Annual dinner of the Brotherhood will take place on the twelfth of March, during the Holi holiays of this year.

All the ex-students of this College are invited to take part in it.

EVENING PARTY OF THE ENTRANCE CLASS ENGLISH SPEAKING AND DEBATING CLUB.

The Entrance Class English Speaking and Debating Club gave an Evening-Party on the 24th December 1894.

Mr. and Mrs. Beck and Mr. Horst were personal guests. After the party was over Syed Muhammad Ibrahim the Honorary Secretary thanked the guests for the trouble they had taken in coming to their Evening-Party and explained that the cost of the entertainment was defrayed by the fines levied on the members for speaking Urdu instead of English. He then laid much stress on the necessity it its being affiliated to the mother institution, the Siddons Union Club.

Muhammad Allah Dad Khan the Vice-President then spoke.

Then amid loud cheering Mr. Beck arose. He said he was extremely pleased to know the working of the Club; He was amused at the curious system of fines. It was the first time in his life that he derived such kind of benefit from fines. As for the affiliation he could see no reason why it should not be affiliated to the Union.

This brought the party to a close.

The thanks of the Club are due to its energetic and able President, Mir Wilayet Hussain, Sahib, B. A., who takes the keenest possible interest in the Club which has grown up under his guidance.

VII. Sack Race.

(1) Hamid Husain (2) Ahsan Husain (3) Mumtaz Husain.

VIII. Quarter Mile Race.

(1) Abdul Hafiz (2) Qaim Husain (3) Abdul Mughni.

IX. Blind Fold Race.

(1) Qaim Husain (2) Ahsan Husain (3) Abdul Hafiz II

X. Bhisti Race.

2nd Day 5th February 1895.

I Throwing Cricket Ball.

(1) Ata Muhammad (2) Abdul Mughni (3) Abdullah

II. Pole Jump.

(1) Abdul Hafiz (2) Abdul Ghani (3) Jalilur Rahman and Fida Husain

III. Hurdle Race.

(1) Abdul Hafiz (2) Muhammad Zaman (2) Fida Husain (1st year)

IV. Small Boys' Flat Race (100 yards).

(1) Abdul Jalil (2) Abid (3) Muhammad Ishaq

V. Obstacle Race.

(1) Haji Husain Khan (2) Abdul Hafiz II.

VI. Mile Race.

(1) Abdul Hafiz (2) Muhammad Ayyub (3) Jalilur Rahman

VII. Consolation Race.

(1) Azmatullah (2) Ziaullah-Khan (3) Jalil Ahmad

VIII. Bun Struggle Race.

IX. Tug of War.

(1) Drill Soldiers. v. Riders (2) College Class v. First Year.

(3) School v. College.

S. H.

SIDDONS UNION CLUB.

An election of the members of the Select Committee was held on Thursday the 24th January 1895.

The following gentlemen were elected:—

1. Salamul Haq (Re-elected)
2. Ibrahim Hasan. Do.
3. Sajjad Haidar.
4. Razaullah.

taken a census of the Sherwani Pathans, and had received promises of subscriptions amounting to Rs 150 per month for the purpose of educating the boys of the community It was decided that an English School should be established teaching up to the Middle Class standard, in which religious education should be compulsory. The school was to be affiliated to the M. A.-O. College, and Mr. Morison was appointed a member of the School Committee on behalf of the College. The chair was taken by Mr. Muzammil Ullah Khan, and a great deal of animated discussion took place over the various proposals. The Sherwani Pathans consist of about 4,000 persons settled in villages in the districts of Aligarh and Etah. They arrived in India during the reign of one of the Lodi Emperors, and are of the oldest and most influential families in the district. This is now the second *Bradari* which has undertaken the responsibility of the education of its members. We hope to be able to publish from time to time reports of the progress made.

The Annual Athletic Sports of the College were held on the 4th and the 5th of February : among those who came to witness the sports, we have particularly to mention the young Raja of Urcha (Bundelkhand) who has lately paid us a visit. The subjoined is a brief abstract of the proceedings.

First day 4th February 1895.

I. PUTTING THE WEIGHT.

(1) Abdul Hafiz (2) Shaukat Ali (3) Abdul Ghani

II. WIDE JUMP.

(1) Abdul Hafiz (2) Muhammad Zaman (3) Muhammad
18 ft. 1 17 ft. 11 Abdullah

III. THREE LEGGED RACE.

(1) { Ali Hassan, Mumtaz Husain } (2) { Ahsan Husain, Riyaz-ud Din }

IV. SERVANTS RACE.

(1) Kallan (2) Kheali (3) Bundun

V. 100 YARDS FLAT RACE.

(1) Abdul Hafiz (2) Abdul Mughni (3) Qaim Husain

VI. HIGH JUMP.

(1) Muhammad Zaman (2) Abdul Hafiz (3) Qaim Husain

thankful for the great hospitality which they experienced at the hands of some of the Muhammadan gentlemen of the place. The special feature of the school is that besides combining religious with English education it has four classes in which instruction is given solely in Quran, and Urdu reading and writing and Arithmetic. After going through these classes in two years, the student commences the regular study of English and thus remains no necessity of giving any private education at home, which is generally done in other places in these Provinces. In other respects the school is copying *its model* the mother institution.

Up to the present time the school has not had any house of its own but very soon a school building is to be erected and a liberal-minded Muhammadan gentleman, M. Muhammad Zama Khan, an official of the Nizam's State, has promised a donation of Rs-5,000 for the purpose.

Before this school was started very few Muhammadan boys were reading English in the Government School and this is a proof of the great influence which these local Muhammadan schools exercise in directing the attention of Muhammadans towards English education. They are gradually being affiliated to this mother Institution which has undertaken the responsibility of looking after them, and we may aspire to the time when the education of the whole community will be organised and centralized under one Muhammadan University of Aligarh.

In speaking of the Etawa school we cannot forget the name of Nawab Muhsinul-Mulk Maulvi Mahdi Ali Khan Bahadur, the pride of the place and the great benefactor of the school whose monthly subscription of Rs. 50 forms the chief factor of the income of the school and to whose sympathy for the people of his place the school owes its existence.

THE SHERWANI PATHANS.

A Committee of the Anjuman of this *Bradari* was held in Aligarh on February 7th during the Fair, at which Messrs. Morison and Beck were invited to be persent. The energetic Secretary of the Anjuman, Mr. Habib-ur Rahman Khan, had

شیخس ایجوکیشنل لیگ (شیخوں کی تعلیمی مجلس) کی صدیقی شاخ بدایوں میں قایم کی جاے اور اشخاص مندرجہ فہرست میں سے ہر ایک اپنی آمدنی کا ½ فیصدی اس مجلس کی اعانت کے لئے دے — تو اسطرح ۳۲۹ روپیہ ماہوار سے کم آمدنی نہیں ہوگی — اور یہہ رقم کل برادری کی تعلیمی ضروریات پورا کرنے کے لئے کافی ہوگی *

ڈاکٹر فیض محمد خاں صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ ریاست ٹانکہ میں کوئی ایسا مسلمان نہیں جس کی آمدنی عـــ ماہوار سے زاید ہو اور وہ اپنے بیٹوں کو تعلیم نہ دیتا ہو *

نذیر عباس صاحب طالب علم انٹرینس کلاس ایم اے او کالج نے ڈبائی ضلع بلندشہر کی مردم شماری نہایت غور کے ساتھہ کی ہے — اُن کی رپورٹ میں ۵۶ ایسے والدین کے نام درج ہیں جن کی آمدنی عـــ ماہوار سے زیادہ ہے اور اپنے بیٹوں کو تعلیم نہیں دیتے — ڈبائی میں مڈل کلاس تک ایک انگریزی مدرسہ بھی ہے — نذیر عباس صاحب اور حیدر حسین صاحب نے اپنی برادری (شیخوں کی شاخ الف) کی علحدہ فہرستیں تیار کی ہیں — اس طالب علم کا کام نہایت قابل اطمینان ہے — اور اس سے ثابت ہوتا ہے — کہ جو طالب علم اسکول میں بھی پڑھتے ہیں وہ بھی مسلمانوں کی تعلیم میں بہت بڑی مدد دے سکتے ہیں *

MUHAMMADAN SCHOOL AT ETAWA.

This School was started on the 14th of December 1889 by the combined efforts of Mr. Bashirud-din, the able and energetic editor of Najmul Akhbar and of the late M. Mumtaz Ali Khan, a pious and influential Kamboh gentleman of the place. It has been lately affiliated to this College and was inspected on the 26th of January last by M. Khalil Ahmad and Mir Wilayat Husain, members of our staff. On the date of inspection the No. of students on the school-rolls was 112, and that of teachers 7. The inspectors have given a favourable report of the inspection and we congratulate M. Bashir Uddin and M. Roballa Khan who are chiefly running the school, on the success which their efforts have achieved. Our inspectors are

طبقه کو تین جماعتوں میں تقسیم کیا هی – اول رشته داران
نواب صاحب والي رياست جو انگريزي سے بالکل نا واقف هيں — دوم
ملازمان رياست جو اپنے بيٹوں کو تعليم ديتے هيں – اور سوم اور شريف
خاندانوں کے لوگ ان میں سے اکثر بوجهه افلاس مصارف تعليم کے
متحمل نهيں هوسکتے *

حبيب الرحمن خاں صاحب رئيس دهيکم پور نے دو قصبوں
(سهاور ضلع ايٹه اور بهوري ضلع عليگڈه) کي رپورٹ مردم شماري
ارسال فرمائي هی قصبه سهاور ضلع ايٹه ميں ۷ ايسے والدين هيں
جن کي آمدني عـــه ماهوار سے زياده هی اور اپنے بيٹوں کو تعليم
نهيں ديتے — اور قصبه بهوري ميں ايسے والدين کي تعداد ۲۰ هی –
کل تعداد ان والدين کے بيٹوں کي جن کي عمر تعليم پانے کے قابل
هی ۳۷ هی — علاوه ازيں قصبه بهوري ميں ايک سو سے زياده
شيرواني افغانوں کے بيٹے هيں جن کے والدين بوجهه افلاس تعليم نهيں
دے سکتے *

حيدر حسن صاحب طالب علم مدرسة العلوم نے سکندره آباد ضلع
بلند شهر کي رپورٹ مردم شماري بهيجي هی — اس ميں ۲۷ نام
ايسے والدين کے هيں جن کي آمدني عـــه ماهوار يا اس سے زياده هی
اور اپنے بيٹوں کو تعليم نهيں ديتے – لڑکوں کي تعداد ۳۲ هی – شهر
مذکور ميں ايک امدادي هائي اسکول هی – بعض والدين بهت دولتمند
هيں — ليکن انگريزي تعليم سے متنفر هيں *

رياض الدين صاحب طالب علم مدرسة العلوم نے بدايوں کے صديقي
شيخوں کے حالات کي ايک مفصل کيفيت بهيجي هی — بدايوں
ميں اس قوم کے ۲۵۰۰ آدمي آباد هيں – ان کے ۸۳ لڑکے انگريزي مدرسه
ميں تعليم پاتے هيں — ۱۹ والدين اپنے ۲۷ بيٹوں کو جن کي عمر
۸ سے ۱۷ برس تک کي هی باوجود ذي مقدرت هونے کے تعليم نهيں
ديتے – بدايوں کے صديقي شيخوں کي ايک فهرست تيار کي گئي هی –
اس ميں ايسے اشخاص کے نام درج هيں جن کي آمدني ـــه ماهوار
سے زياده هی – اشخاص مندرجه فهرست کي تعداد ۷۳ هی – اور انکي
مجموعي آمدني ۱۵۹۰ روپيه ماهوار هی اس سے معلوم هوتا هی که اگر

کہ اس سال "مردم شماری زیادہ توجہہ کے ساتھہ کی گئی ہی" - ہمکو اب تک اس امر کی اطلاع نہیں ہوئی کہ جن لوگوں کے نام سنہ ۱۸۹۳ع کی ابتدائی فہرست میں درج تھے اُن میں سے کسی نے اپنے بیٹوں کو تعلیم دینا شروع کیا ہی یا نہیں *

سید الطاف حسین صاحب نے تلہر ضلع شاہجہاں پور کی مردم شماری نظر ثانی فرماکر بھیجی ہی - اس فہرست میں ۲۹ (بمقابلہ ۲۰ مندرجہ فہرست ابتدائی) ایسے والدین کے نام درج ہیں جو اپنے بیٹوں کو تعلیم نہیں دیتے — سید صاحب موصوف نے سیکرٹری تعلیمی مردم شماری کو مندرجہ ذیل چٹھی بھیجی ہی *

تلہر ۱۰ فروری سنہ ۱۸۹۵ع

جناب من

میں نہایت خوشی کے ساتھہ آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپکی رپورٹ نے جو ۲۸ دسمبر سنہ ۱۸۹۴ع کے جلسہ میں پیش ہوئی تھی اور اس سال کی مردم شماری نے تلہر کے مسلمانوں پر ایک عجیب اثر پیدا کیا *

میرے خیال میں اب تلہر کے مسلمانوں کے نام خطوط بھیجنے کی ضرورت نہیں ہی — اور عنقریب آپکو ایک محمدن اسکول قایم ہونے کی خوشخبری سنائی جاویگی *

راقـــــم

سید الطاف حسین

نواب محمد علیخاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ نے شہر مالیر کوٹلہ کی رپورٹ مردم شماری روانہ فرمائی ہی — اس میں ۳۷ والدین کے نام درج ہیں — اس کے ساتھہ نواب صاحب موصوف نے ایک نہایت دلچسپ چٹھی بھیجی ہی جس میں ریاست مالیر کوٹلہ کی تعلیمی حالت کی کیفیت تحریر فرمائی ہی — وہ لکھتے ہیں کہ اس امر کا دریافت کرنا نہایت مشکل ہی کہ آیا مسلمان اپنے بیٹوں کو مذہبی تعصب - غفلت - یا تونگری کی وجہہ سے تعلیم نہیں دیتے - تونگری کے باعث والدین خیال کرتے ہیں کہ اُن کے بیٹوں کو تعلیم پانے کی ضرورت نہیں ہی - نواب صاحب نے مسلمانوں کے اعلی

are won by Musalmans, Thakurs and Jats. In gymnastics however our experience is that no one can beat, and very few can equal those Bengalis, who have shown wonderful proficiency in these exercises.

It is proposed to make a Muhammadan Directory in Aligarh, which shall contain the names and addresses of the principal Musalman re-idents all over India. All persons willing to assist in this work are requested to send lists of the Muhammadan gentry of their districts to the Principal of the M. A.-O. College. In this work, as in the Census, the students of the M. A.-O. College, both present and past, can be of the greatest assistance. It is desired to know approximately the incomes of the persons whose names are sent, so as to ensure that the list is not indefinitely extended by the inclusion of a multitude of names of persons of no importance. And for convenience it is proposed to group persons into four classes with respect to income: thus, A. class, persons with over Rs. 1,000 per month ; B. between Rs. 1,000 and Rs. 500 ; C. between Rs. 500 and Rs. 200: D. between Rs. 200 and Rs. 50 ; E. men of learning, influential priests, or persons of great patriotic zeal with incomes below Rs. 50 per month. Further it is desired that persons who can read or speak English should be marked as "English knowing". The names will be grouped according to localities. Such a Directory is likely to be of great assistance for the Musalman community for purposes of education. It will give some idea likewise of the general wealth and status of the nation.

محمدن ایجوکیشنل سینسس

رفیع اللہ خاں صاحب نے شاہجہاں پور کی تعلیمی مردم شماری کی رپورٹ کرکے ہمارے پاس بھیجی ہے اس رپورٹ میں ۵۲ ایسے والدین کے نام درج ہیں جو اپنے بچوں کو تعلیم دے سکتے ہیں اور نہیں دیتے ہیں ان والدین ہی کے ۷۱ ایسے بچے ہیں جن کی عمر تعلیم پانے کے قابل ہے — شاہجہاں پور کی ابتدائی مردم شماری سنہ ۱۸۹۳ع میں ہوئی تھی اس میں صرف ۳۳ والدین کے نام درج تھے — پس معلوم ہوتا ہے

not more than half this work was done in a similar period. The funds available for this purpose are supplied partly from Government, and the Municipality, and partly by subscription. The subscriptions amounted in the last year to Rs. 306, of which Rs. 275 were given by the English residents and Rs. 31 by the Native Gentry. The Dispensary has incurred a debt of Rs. 1,300 during the past two years, and Dr. Roberts appeals to the liberality of the public to assist him in this philanthropic work. We are surprised and shocked to find how little has been done by the wealthly Raises of Aligarh to support this most charitable institution, and trust that a mere knowledge of the facts we have stated will be sufficient to induce them to remove the disgrace that must otherwise attach itself to them. We are very pleased to state that His Highness the Maharajah of Chhatarpur, who was on a visit to Aligarh when Dr Roberts' circular came round, promptly promised Rs. 100 for the Dispensary Fund, although he has no direct connection with this district. His Highness is an enlightened Prince, who has received a liberal English education ; and we trust his example will be followed by those wealthy residents of the District who have a direct responsibility for the welfare of the poor around them.

The Allahabad University will, in the commencement of March, inaugurate a new era in the history of physical sports in these Provinces. The University has voted Rs. 1,000 for the expenses of a cricket and athletic tournament, open to its affiliated Colleges, a precedent which we believe has not been previously set in India. The original suggestion of a tournament for the affiliated Colleges in Allahabad is due to His Honour Sir Charles Crosthwaite, who proposed it in a speech at the University Convocation in 1893. Part of the money will be spent in paying the travelling expenses of teams to Allahabad, and part in prizes. The financial assistance given by the University places the scheme on a solid basis, which it would otherwise not possess. We believe there is great future for cricket and football in these Provinces, among the martial races. It is remarkable that in the school tournaments most of the prizes

appointment as Ruler of these Provinces, which Sir Alfred Lyall described as the "heart of India."

It would seem that there are still many surprising and wonderful things to come out of Bengal We are growing accustomed to the wild political theories of that Province and extravagances in this sphere of thought have no longer the charm of novelty. But as yet our notions of ancient history have been left undisturbed, and it will probably surprise the Muhammadans to read what Mr. A. C. Dev in his "Abstract of the Greeks and Persians" tells them of King Darius. "The Athenians burnt the temple of Sardies, they maltreated his envoys, they defeated him on the field of Marathon. The anger of the Muhammadan monarch knew no bounds as he remembered these wrongs one by one" *(p. 55)*, Again on p. 112 he writes : "Thersandres. The Persian general who was a guest at the splendid banquet which Attaginos gave to the Persian generals (before the battle of Plataea). He was told by another who shared his couch that according to the Kismet of the Musalmans, of the many thousands of Persians few would remain alive in the intended Grecian invasion." A ray of pity seems to have touched the hearts of the Bengalee politicians, who wish to reduce the Muhammadans to political and social insignificance : in compensation for their present fallen condition, they shall be allowed to ante-date their history by a thousand years !

Aligarh has been, and is, fortunate in possessing a Civil Surgeon whose great professional ability is only equalled by his zeal and self-denying efforts for curing the sick of all classes, and especially the poor. Dr. Roberts has issued a circular appealing for subscriptions for the fund from which medicines are given to the poor people who flock to the Aligarh Dispensary. We learn from this circular that during the past year no less than 30,475 sick poor received medical assistance at the Central Sadar Dispensary ; that 5,00,000 doses of medicine were dispensed in the 12 months ; and that in addition to this 518 Major and 848 Minor Surgical operations were performed. Previous to the year 1891

India, and therefore there is no possibility of ensuring the same standard in different centres.

With regard to the Indian Imperial Committee *The Pioneer* and *The Madras Mail* both say that they think the objects of this Committee excellent but impossible of realisation. They do not state in what the impossibility consists, whether in the formation of such a Committee or in the Committee's being unable if constituted to produce any effect on English public opinion. As to the first of these difficulties we have the best reason for knowing that many influential gentlemen in England heartily sympathise with the Committee's objects, and are willing to assist in its work. As to the second no one can say how much effect can be produced on English public opinion until the attempt has been made. Most men in England holding high positions hold perfectly sound views about Indian politics. The supporters of the National Congress are looked on as faddists. They derive a great deal of their strength from the mistaken notion that in these questions the interests of the Anglo-Indian community on the one side are arrayed against those of all the people of India on the other. When these benevolent people discover that a large section of the people of India are themselves opposed to these rash schemes there is every reason to believe that they will cease to take any great interest in them, and will cease to support them with their votes. Hence we fail to see any reason why the objects of the proposed Indian Imperial Committee are impracticable.

EDITORIAL NOTES.

The friends of the College and the residents of Aligarh must have received with great satisfaction the news of Mr. Alan Cadell's having been appointed to act as Lieutenant-Governor during the absence on leave of Sir Charles Crosthwaite. Mr. Cadell was for some years Collector of Aligarh, where his generous sympathies and strong administration left a deep impression on the minds of all classes. He has showed great kindness to the College, both then and since We tender our respectful congratulations to Mr. Cadell on his

fact patriotic Muhammadans have made greater efforts than the leaders of any other Indian community to spread English education. But the amount of leeway to be recovered is so great that they cannot hope to regain their lost ground in less than 50 years. And meanwhile it will neither be politic nor fair to have no regard to this unfortunate condition of the martial races and to insist on methods of recruiting for the public service that will exclude them from the government service, make it impossible for the middle classes of these communities to obtain the means of livelihood necessary to enable them to educate their sons as gentlemen, and thus deal them an irreparable blow. It should further be borne in mind that while Bengal became a British Province shortly after the middle of the eighteenth century, the N. W.-P. was annexed in the commencement of this century, the Punjab came forty years later, and Oudh was annexed only in 1856. It is right to treat all these Provinces exactly as if they were on the same level with regard to their facilities for obtaining English education? Are we to punish the more lately acquired Provinces because they had the misfortune to receive later than the others the benefits of British Rule? Would it be right to apply the same principle to Burmah, which has only just been acquired? Again compare the amount of money spent by the Government on Schools and Colleges in Bengal with that spent in Upper India. It will be found to be enormously greater. And yet Bengal on account of the Permanent Settlement does not contribute its fair share towards Imperial expenses. The rough and ready method of competitive examination makes no allowance for these considerations of political expediency and justice.

Further who will pretend that competitive examination tests the physical and executive capacities of candidates? For an engineer a man of vigorous and active habits is required. His work is not confined to writing with his pen at a desk, like the candidate in the examination. The physical capacities of the candidates might to some extent be tested by tests, such as a riding examination, ability in cricket, football, &c. But the difficulty of carrying this out for Roorkee is that candidates are not brought together to one place but are examined all over

objects of which is to qualify Muhammadans for civil administrative posts. We do not expect from the Tribune any sympathy for the welfare of the Musalman community, but we cannot understand how any one with any regard for his reputation as a man of the slightest intelligence can publish such a ridiculous assertion. Has the writer in the Tribune ever heard of a Muhammadan Tahsildar or Deputy Collector? Does he suppose that no Muhammadan held any civil post under the Mughal Empire? Are there not Muhammadan officials even in Hindu Native States? Does he suppose that the Muhammadan graduate would rather starve than not become a soldier? Or that a population of sixty millions can find employment in the army? And what is to become of them when the expenses of the army have been reduced, as the National Congress, representing the non-martial races, demands? The unfortunate Sikhs and Rajputs will fare no better than the Muhammadans if left to the tender mercies of these one-sided politicians. Fortunately the Secretary of State for India takes a different view of the claims of these races. In his memorable Despatch he says that competitive examination "would exclude the most "valuable and capable assistance which the British Government could obtain from natives of India, in the Sikhs, Muhammadans, and other races accustomed to rule and possessing exceptional strength of character, but deficient in literary "education."

Witd regard to the proposal for modifying the competitive system as a means of recruitment for the Roorkee College *The Pioneer* states, what is very true, that the Muhammadans have only themselves to blame for their backward education; and adds that the alteration of the system would remove a stimulus to education. We do not think that there would be any practical diminution of the stimulus to education, if the competitive system were removed, because it would still be necessary for them to pass a qualifying examination, and the necessity of English knowledge is so obvious now as a means of obtaining any official position, or of being successful in any profession that all intelligent Muhammadans will recognise it, whatever the rules for admission to the Roorkee College. In

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 2.	MARCH 1, 1895.	No. 3.

THE M. A.-O. DEFENCE ASSOCIATION AND ITS CRITICS.

The criticisms we have seen on the proposals of the M.A.-O. Defence Association fall under the following heads :—the Simultaneous Examinations for the Civil Service, the competitive system as a method of recruiting for the Engineering profession, and the possibility of establishing an Indian Imperial Committee in England. With regard to the first of these *The Tribune* of Lahore has adopted the peculiar argument urged by Babu Surendro Nath Banerjee in his speech at the National Congress to the effect that the scheme for Simultaneous Examinations would inflict no hardship on the Muhammadans because they do not care to accept civil posts under the Government. But in the case of the Tribune the argument is embellished by the insinuation that Sir Syed Ahmed is guilty of dishonest tactics in ignoring so well-known a fact. "No one knows better "than Sir Syed Ahmed (we quote from a leading article in the "Tribune) that the Muhammadan nobility as well as the Sikhs, "Rajputs and other martial races have not much inclination "for the work of civil administration." Now Sir Syed and many members of his family have themselves held posts in the civil administration; and he has devoted his energies during the past twenty years to the task of creating a College, one of the

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine contains information with regard to the M. A.-O. College in all departments. It will thus form a history of the College both in its external relations and its internal life.

The Magazine contains also the latest news with regard to the Muhammadan Educational Conference, and especially the Educational Census, accounts of the progress of this work being inserted monthly in the paper. It likewise gives the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India Persons connected with such schools are invited to supply the Editor of the Magazine with information about them.

The Magazine is therefore a journal containing much valuable information with regard to the progress of the educational and national movement among the Musalmans of India.

As the number of subscribers increases the Magazine will be enlarged. All supporters of the Magazine are therefore invited to assist in increasing the number of subscribers.

The annual subscription is Rs 3 only, and is payable strictly in advance. Those who wish to subscribe should either send us the subscription or allow us to send the first number by v.-p.p. for Rs 3, or Rs. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements of all sorts at the moderate rate of 1 anna per line or Rs. 2 per page.

NIAZ MUHAMMAD KHAN.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

محمدن اینگلو اورینٹل کالج میگزین

New Series VOL. 2.	MARCH 1, 1895.	No. 3.

CONTENTS. Page.

Printed at the Institute Press, Aligarh.
For Siddon's Union Club.

علیگڈہ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتاز الدین کے اہتمام سے چھپا

M. A.-O. COLLEGE LIST.

I have perused with much pleasure the remarks with which my esteemed friend Syed Tofail Ahmed has introduced us to a very useful proposal concerning the compilation of the List of ex-boarders.

In order that the List may fulfil our hopeful anticipations I think it is advisable to invite free suggestions as to the plan of getting up the list. Instead of adding most useful information in the shape of appendices, I would rather propose to have them in the main body of the List. According to my suggestion the arrangement adopted should be something like this.

PROPOSED ARRANGEMENT OF MINE.

1. Preface : A very short and concise History of the College—When and why it was founded. What importance is attached to it by the official world and the Government.
2. Various Societie's of the College and their aims and objects, members of the Societies. How far has each of the Societies achieved its aims.
3. Graduates of the College.
4. Barristers and those who have studied in England.
5. Statutory Civilians, Deputy Collectors, Tahsildars and Naib-Tehsildars.
6. Judges, Sub-Judges and Munsiffs.
7. Police Inspectors and Sub-Inspectors.
8. Public Works and Canal Servants.
9. Opium Department.
10. Army.
11. L. L. B.'s, Vakils and Pleaders.
12. Persons holding other high posts (not covered by any of the above).
13. Several Lists of Students.
14. Appendices (Medalists, Prize boarders &c.)
15. Index.
16. College Map showing finished, unfinished and proposed buildings.

Dated Mozaffarnagar. The 14th January 1895.

MAZHARUL HAQ,
(of M. A. O. College.)

several schools founded and broken down during the course of last 12 months.

Mr. Morison's presence at the opening ceremony and his being the president of the managing committee did not clear up all doubts, and still left some who thought it was all merely vain show The present visit, however, decidedly solved the problem, and made every individual feel that our Principal and our professor are really taking a lively interest in the thorough establishment of the school.

The personal conversation of the visitors gave the leading men new ideas, and its immediate result was that many young men of 30 and 35 determined to learn the English language and English manners and customs.

The sudden change in eminent and influental man, Syed Barkat Hasan, is very remarkable. He was an orthodox conservative, and was the type of the people of three years back. He kept himself aloof from our attempt to start an English school, It is really wonderful that our visitor talk of two hours removed all his prejudices against western civilization. We see in him now a real promoter of our school and a sound adviser of the Managing Committee.

Through the efforts of our Principal and our professor Mr Morison, and the aforesaid gentleman Syed Barkat Hasan we hope to establish a school at Mahrehra, which will reconcile oriental teaching and western education; and I may say that it will be the first example of its kind throughout the whole of India.

ZIA-UDDIN AHMED,

M. A.-O. College,

Aligarh.

to form a general committee containing representatives from every town in which a colony of the *Bradari* exists. A meeting of this Committee was held on January 13th at Icholi, Zila Meerut, on the occasion of a marriage in the family of Maulvi Abdul Ghafur. About 18 members of the Committee were present, most of whom came from different towns. A careful census had been taken of Icholi, and it was decided to open an English School there, every plough in the village being taxed Rs. 2 per annum, and every government servant a certain fraction of his pay. Maulvi Abdul Ghafur gave Rs. 500 to the funds of the Society, and Rs. 500 more were subscribed by other gentlemen present. Arrangements were made for the formation of sub-committees in different towns, and for the taking of a careful Educational census of the Bradari in these towns. It was decided that on receipt of these census returns at the head office in Aligarh one-third of the money collected should be distributed in order to pay the tuitional fees of poor members of the *Bradari* in these towns; each town being allotted a share according to the discretion of the Treasurer, Mr. Beck, who was present at the meeting, and Shaukat Ali, B. A., Captain, M. A.-O. College Cricket Club, the Secretary of the Society.

If this Society proves a success it is hoped that other groups of Shaikhs will form Branches of the Educational League.

THE VISIT OF THE PRINCIPAL AND MR. MORISON AT MAREHRAH.

Our Principal and Mr. Morison reached Marehrah on 14th January to see the instruction of the school and to arouse the waning energies of the people.

The natives of Marehrah were not easily led to believe that the school there was firmly established because they have seen

MUHAMMADAN SCHOOL AT REWARI.

A Muhammadan School was started at Rewari by some patriotic Muhammadans of the place, on the 1st of January 1894, and has been recently affiliated to this College. The school teaches up to the fifth class of the Primary Department at present, and has two English and one Persian teacher on its staff. The number of students on the rolls is 50. It is inspected from time to time by our Second Master Mir Wilayat Husain, who in last inspection of January 11·1895 gave promotions and distributed prizes to the successful students after their annual examination. The result of the examination was very satisfactory. The Muhammadan schools thus affiliated to this College will be inspected regularly by an officer of the College who will keep the College authorities informed of the doings of the affiliated schools.

SHAIKHS' EDUCATIONAL LEAGUE.

In our last issue we stated that it was proposed to found a Society to further education among the Siddiqi Shaikhs. On making enquiries such enormous number of Siddiqi Shaikhs were discovered in the North-West Provinces, Oudh, the Punjab, Bengal and Central India, that the plan of forming one Society to manage them all appeared impracticable. It was therefore decided to split up all the Shaikhs into groups or *Bradaris*, and to form separate Societies, each of which should be a branch of a general Educational League of Shaikhs. The first of these groups, called Branch A., consists of the *Bradari* to which Maulvi Abdul Ghafur, Deputy Collector of Cawnpore, belongs. This contains groups of families living in Icholi, (Zila Meerut) Delhi, Moradabad, Aonla, Debai, Saharanpur, Rampur and other towns. A meeting was held in Aligarh during the Educational Conference of some members of this Branch and it was decided

M. A.-O. College V. West Kent Regiment Team.

This match was played on the 19th of December and proved a close and interesting game. Our opponents at first by a combined rush carried the ball dangerously close to our goal, and were only driven back by the hard work of the College backs and goal-keeper. After some even play Islam Mahomed kicked a goal, but was penalised for offside play, but the College forwards now played up with more spirit and Ismail Ahmad secured a goal from a good "middle" by Islam Mohammed. West-kent men now made some determined rushes, which would have been repulsed successfully, but Qaim Hassan unfortunately kicked the ball through the College goal posts, which left the match a draw, each side having scored a goal.

M. A.-O. College V. Argyll and Sutherland Highlanders, played December 20th.

The College played with only a moderately strong team and found the Scotchmen rather formidable opponents; most of them evidently experienced forward players. However, in spite of occasional threatening attempts on the part of the military we contrived to keep the score against us down to a goal up to half time. Soon afterwards the Scotchmen gained another goal, and though Mr. Morison gallantly tried to score for us, he was not sufficiently seconded by the other forwards to be successful. The combination of the Military was too good and they won a very good game in which we had to act for the most part on the defensive, by two goals to nothing.

The College has also played a drawn match against a scratch team from the Hampshire Regiment Royal Scots Fusiliers The Buffs, and the 11th Hussars.

For the convenience of the subscribers subscriptions are invited at four rates of Rs. 100, Rs. 75, Rs. 50 and Rs 25 according to the means of the subscriber, from both the Shias and the Sunnies provided they be Syeds, and a sum of more than Rs 1,300 was promised and partly realized by November last. In December last on the occasion of the Educational Conference when several Syeds came to take part in the meeting of the Conference, Syed Mahmud gave them a tea-party at his house and a meeting of the Sadat Manzil Committee was held in which several useful proposals were made by some of the members. We wish Syed Mahmud success in his scheme and hope that Syeds will readily respond to his call and their subscriptions will complete the building which will be a source of permanent good to their tribe and a fit addition to the College buildings.

FOOTBALL.

M. A.-O. College V. Norfolk Regiment Team.

The College team by good combined play, fully held their own against the Team; and made several attacks on the "enemy's goal". Islam Mohamed, Islam Hamid and Abdul Hafiz making some fine runs and the College backs successfully checking opposing rushes. In the second half Islam Hamid kicked a goal from a short but well contested melee and thus won the match.

M. A.-O. College V. Seaforth Highlanders Team.

The College forwards disappointed us in their failure to cope with the excellent combined rushes of the Highlanders. Though we managed to keep them out up till half time they found their way to our goal by a vigorous attack and we were reduced to defensive tactics for the remainder of the game, the College team lacking combination and eventually losing the match by a goal to nothing.

THE DUTY.

The Keeper of the Duty acknowledges, with thanks, the receipts of the following sums from ex-students of the College :—

1.	Khairud-din and Ghulam Sabir ...	Rs.	29	4	0
2.	H. Vilayat-ul-lah and Ghaus Khan ...	„	5	8	0
3.	H. Vilayat-ul-lah ...	„	0	2	0
4.	Mahmud Hasan Khan ...	„	3	11	0
5.	Given by Syed Iftikhar Husain on the occasion of his standing first in the Tehsildar's examination ...	„	2	0	0
6.	From a patriotic Mahomedan through Salamul Haq ...	„	10	0	0
7.	Given by Aftab Ahmed Khan Barrister-at-law from his first month's income ...	„	20	0	0
8.	Collected by Abdullah ...	„	40	0	0

SADAT MANZIL.

Our readers may be interested to know that Syed Mahmud who has inherited the patriotic spirit of his father and is trying his best to spread English education among his co-religionists has made a new scheme for the benefit of the people of his tribe namely the Saiyads, about the amelioration of whose condition he is very keen. He has proposed to raise fifteen thousand rupees from the people of this tribe for the erection of a boarding-house to be named Sadat Manzil. From the rent of this boarding-house twelve scholarships will be founded, tenable by poor Syed students. A Committee has been formed to raise subscriptions for the proposed building, on which will be inscribed the names of the twelve Imams from whom the Syeds claim to be descended and the name of each subscriber will be under the Imam from whose descent he is,

BATTING AVERAGES.

Names.	Innings.	Times not out.	Runs.	Most in an Innings.	Average.	Remarks.
Shaukat Ali ...	15	4	269	60	24·4	
Ziaullah Khan ...	15	1	195	50	13 9	
Abdul Mughni ...	15	1	166	46	11 8	
Sarfaraz Khan ...	15	2	134	31	10 3	
Jalil-ur-Rahman ...	11	3	86	24	10 1	
Abdullah ...	10	2	73	15	9·1	
Azmat-ullah ...	13	...	109	20	8·3	
Shaukat Hosain ...	10	...	59	14	5·9	
Ahsan-ul-Haq ...	11	1	58	26	5 8	
Mahomed Zaman ...	7	1	24	11	4·	

BOWLING AVERAGES.

	Overs	Maidens	Runs	Wickets	Average
Abdul Mughni	281	91	490	64	7·6
Abdullah	293	80	491	76	6·4

ABDULLA,
V. CAPTAIN.

RESULTS OF MATCHES.

Match played 10, Won 7, Drawn 2, Lost 1.

Opponents.	Where played.	When played.	Club.		Opponents.		Won by.	Remarks.
			1st Inn	2nd Inn.	1st Inn	2nd Inn.		
Cambridge Mission Delhi.	Aligarh	Dec. 11th & 12th	76	42for3wkts	80	37	7 wkts & 1 run	
Badaun Station Club	Budaun	Dec. 20th & 21st	134	76for5wkts	61	148	5 wkts & 1 run	
Lahore Railway Club	Aligarh	Dec. 25th & 26th	36	52	81	21	...	Lost by 14 runs.
Tundla Ry. Club	Tundla	Jan. 1st	109	...	40	49	An Innings & 20 runs.	
Canning College, Lucknow. ...	Lucknow	Jan. 3rd	102 for 3	...	12	19	An Innings & 17 runs. 3 wd.	
Muhammed Bagh Club Lucknow ...	Lucknow	Jan. 5th	116for6 w.	...	218 for 5w.	...	...	The match was not played out
Station Club Agra...	Agra	Jan. 7th and 9th	86	75for4wkts	179	...	...	The match was not completed owing to the rain.
Station Club Delhi	Delhi	Jan. 12th	141	...	47	55 for 5 w.	...	The match ended in a draw for us.
Meerut College ...	Meerut	Jan. 14th	...	105	34	49	AnInngs&26runs	
Meerut College ...	Meerut	Jan. & 17th	14	127for7wk.	45	22	60 runs. ...	

The match would have been very interesting, had we time enough to play it out.

In Lucknow we experienced great hospitality at the hands of the Muhammadan community of the city. They have a special sympathy for the College and its founder, and their sincerity in the matters of hospitality and entertainment proves the truth of what they feel for us. We are especially thankful to the Muhammadan Literary Association of the College, for the welcome they gave us. We are not likely to forget their sumptuous evening party, and the entertainment following it.

At Agra we had to deal with the best Cricketers in the N. W. P. This match too ended in a draw owing to the rain. Capt. Reid and Mr. Hawkin's scores of 71 and 59 respectively were the features of the day.

We reached Delhi on the 16th, but we found that heavy rain prevented a start being made at all on that day. We could not begin on the day following too, as the pitch was spoiled by the rain. At last we arranged a one day match on the third day. Here Shaukat who had been showing decidedly better form, all round the tour, made a dashing display of batting in his successful innings of 60.

Our fixture with the Station Club, Meerut, could not come off, as several of the officers were out of the station, being on duty. But we gained a double victory over the Meerut College.

We should not leave unthanked the hospitality we received from the friends of the College, at Meerut. They showed unlimited sympathy for us.

The veteran Shaukat, had been doing well all round the tour, always scoring above twenty. Ziaullah was unfortunate in a few innings, but his stand at Meerut for 50, can be put to his credit. Sarfaraz who had been doing nothing for the last two years, has regained his form. Mughni has improved his batting very much, always scoring double figures ; bowling very good. Ahsan disappointed us in his batting, but has improved his fielding. Azmat has lost his form. Abdullah has been of good service as a bowler and fielder.

CRICKET.

The following is the list of matches which our XI played during the season :—

A match was played at Aligarh with the Cambridge Mission College, Delhi, which ended in a victory for the home team.

Next came the match with the Budaun people, who invited us to play them on their own ground. We won them by five wickets. Prem Lal, a member of the Colvin Cricket Club, who was playing for Budaun, made a splendid display of batting in both the innings, securing 24 and 76 respectively. Then came off the match with the Lahore team on our own ground. We lost this match by chance, and we are not sorry to have lost it, as we don't think them in any way superior to us.

We started on our tour on the 31st December. The first match was played at Tundla on the 1st of January. We defeated the opponents by an innings and 20 runs. We were very much pleased to win this match, as it was the first in the tour, and was played on the New Year's day ; we find that the old saying "the in coming year takes its shape and complexion from the characteristics of the New Year's day" is so far true.

We played two matches at Lucknow, one with the station Club and the other with the Canning College. Our two days match with the Mahomed Bagh Club (Station club) was not played owing to the inclemency of the weather. It rained all day long on the 4th ; the sky was not clear on the 5th too, but we began the match at about 12, by sending the Club in. Dr. Faichne's score of 121 runs was the feature of the day. He made a grand display of batting, sending every ball clear over the boundary for sixes and fours. They played till 2, when the lunch was announced, their 5 wickets scoring 218 runs by this time. After lunch they put us in. Our first wicket fell very easily. But Mughni and Ziaullah played a very careful and steady game for an hour and a half. The second wicket fell for 51 runs, Ziaullah being caught off the short leg for 19. We had no time to play out the innings ; the light becoming very bad we had to stop the game. By this time we had made 116 for 6 wickets. Mughni's score of 46 was at the top.

and was a conspicuous example of courage and devotion. Unlike the frothy orators and windbag politicians he was a man of action ; a true representative of the vigorous and determined type of character that the Mahomedans of India have produced throughout all periods of their history. In his death I have lost a friend, the College has lost one of its most valued Trustees, the Mahomedans one of their finest men, his Chief an able and upright minister, and the British Government one of its most vigorous and loyal supporters. As a sign of grief the College will be closed to-day. No lectures will be given and no games of any sort will be allowed. The day will be kept as a day of mourning for the loss which we have all sustained.

L. L. B. EXAMINATION

Four students of the M. A.-O. College, viz. Nazir Ahmad, Mahomed Khan, Abdul Ali, and Gholam Bari have passed the recent L. L. B. Examination of the Allahabad University. Seven candidates went up from the College.

M. A. EXAMINATION.

Mullah Daud Bhai and M. Qamar Ali have passed the M. A. Examination of the Calcutta University.

LAJNAT-UL ADAB.

An annual prize of Rs 20 has been granted by Khan Bahadur Maulvi Mahomed Bahauddin, C. S. I., Prime Minister of the Junagadh State, to the best Arabic Speaker in the Lajnat-ul-Adab, the awarding of the prize to be in the hands of the President of the Club, Shamsul Ulama Maulvi Mahomed Shibli.

PERSONAL NEWS.

We are glad to notice that Syed Iftikhar Husain, an ex-student of our College, stood first in the Departmental examination of the Tehsildars of these provinces ; he has given a donation of Rs 2 to the Duty on his success. We congratulate our brother and thank him that he has not forgotten his *Alma Mater*.

THE MAHOMEDAN ANGLO-ORIENTAL COLLEGE, ALIGARH.

THE DEATH OF KHALIFA SYED MAHOMED HASAN KHAN BAHADUR, C. I. E., PRIME MINISTER OF THE PATIALA STATE.

Upon the re-opening of the Mahomedan Anglo-Oriental College on the 17th January after the Christmas vacation the students assembled in the Hall of the College when Mr. Theodore Beck, the Principal, addressed a short speech to the students and closed the College for the day in honour of the memory of the late Khalifa Syed Mahomed Hasan, C I. E, who was a great benefactor of the College and one of its most important Trustees and supporters. We subjoin Mr. Beck's peech :—

SPEECH BY THEODORE BECK, ESQUIRE.

I wish to say a few words about the loss which the College has sustained in the death of the late Khalifa Syed Mahomed Hassan Sahib, Prime Minister of Patiala. In his death I have myself lost a friend, whose courtesy, kindness, and hospitality have made a lasting effect on my memory. The College has lost one of its most sincere, generous, and devoted supporters. He was an example of that large-hearted liberality of sentiment which rose superior to sectional feelings of religious prejudice. It was on his proposal that it was decided that Sunnis and Shias should worship in the same mosque in the College. He was a man of rare ability and strength of character ; a firm administrator, loyal to his Chief, who belongs to the Sikh faith, and in whose service his family had for generations held an honourable position ; and of proved loyalty to the British Government. At the mutiny he led a body of men to the defence of the English Government,

میں کچھہ وقت صرف کرے - اور کچھہ محنت گوارا کرے — اخیر میں میں آپ صاحبوں سے جو مردم شماری کے کام میں مدد کرنا پسند کریں درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے نام مجھکو لکھا دیں میں اُن کو نقشہ دونگا اور زبانی بتلاونگا کہ کسطرح سے کام کرنا چاہیئے میں چاہتا ہوں کہ آپ صاحبان اپنے شہر میں واپس پہونچنے پر مردم شماری کا کام شروع کردیں - اور جنوری کے آخر میں اُس کے نتیجہ میرے پاس بھیجدیں *

NOTE ON EDUCATIONAL CENSUS.

We hope to push forward the Educational Census this year with greater energy than has hitherto been shown. We have as yet made no arrangements for taking the census in the following towns, and shall be very glad to have volunteers for the work. If any gentleman will write to us that he is willing to act as Honorary Census Inspector for any of these towns we will send him forms and instructions. We give a list of towns in the North-West Provinces and the Punjab, but shall be glad to have volunteers from other parts of India. The towns and districts in which no one has as yet been asked to take the census are the following :—Lucknow, Benares, Etah, Gorakhpur, Bijnor, Barabanki, Bahraich, Sitapur, Gonda, Agra, Tarai, Sultanpur, Ballia, Budaon, Hardoi, Hamirpur, Jalaon, Jaunpur, Mirzapur, Basti, Unao, Kheri, Jhansi, Cawnpore, Mainpuri, Garhwal ; Gujranwala, Gujrat, Jhelum, Rohtak, Bannu, Shahpur, Rawal Pindi, Firozpur, Kasoli, Gurdaspur, Bhakkar, Derah Ismail Khan, Gurgaon, Peshawar, Sialkot, Amritsar, Kangra, Hissar, Mozaffargarh, Sirsa, Hazara, Jhang, Montgomery, Mian Mir, Murree, Simla, Abbotabad, Dadupur, Mardan, Mamoki. Reports of the progress of the work will be published every month in this Magazine.

طلبا کو تقسیم کیئے اور نتیجہ یہہ ہوا کہ تین سَو سیفتیس نام اور دریافت ہوئے — سنہ ۱۸۹۳ع کی کانفرنس میں مردم شماری کے صیغہ کی ایک خاص کمیٹی ہوئی تھی — اور اس کام کو مفصل بیان کردیا گیا تھا — پس ہر شخص کو جو اُس وقت موجود تھا اس بات کے معلوم کرلینے کا پورا موقعہ تھا کہ ہمکو کس قسم کی معلومات کی ضرورت ہی — ہر شخص مردم شماری کی تجویز کو پسند کرتا تہا — مگر باوجود اس کے ایک متنفس نے بہی اُس کے مطابق کچھہ کام نہیں کیا — کام اس قدر آسان ہی کہ اُس میں نہ روپیہ کی ضرورت ہی اور نہ قابلیت کی — ہر شخص اُسے کرسکتا ہی — خواہ امیر ہو خواہ غریب — اعلی ہو یا ادنی *

اب صاحبو میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا آپ کی قوم ترقی کرسکتی ہی جب اُس کے افراد ایسے کام کرنے کی بہی تکلیف گوارا نہیں کرتے جو نہایت ضروری اور اُسی کے ساتھہ نہایت آسان ہی یہہ مجھکو شکایت ہی کہ بہت سے لوگ اُس صورت میں بہی کام کرنا پسند نہیں کرتے — جبکہ اُن سے اُس کے کرنے کی درخواست کی جاے اور ایسے تو بہت ہی کم ہیں جو خود بخود کسی کام کے کرنے کا اپنے آپ ذمہ لیں — اب ہم نے اس مردم شماری سے ایسا طریقہ بتادیا ہی جس سے ہر شخص جو اس کمرہ میں موجود ہی مسلمانوں کی تعلیم میں مدد دے سکتا ہی — صاحبو میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کام میں ہماری مدد کرو — میں تم میں سے ہر شخص سے خواہش کرتا ہوں کہ وہ اپنے شہر کی مردم شماری کرے — اور اگر وہاں کی مردم شماری ہو چکی ہو تو اُس کی ترمیم اور نتایج معلوم کرنے میں مدد کرے — اگر مسلمانوں کی قوم ترقی کرگئی تو اُس کی ترقی اُن افراد کے کام پر منحصر ہی جو اُس قوم میں داخل ہیں — صاحبو میں ضرور کہونگا کہ اب مجھکو یہہ دیکھکر بہت بد اعتقادی ہوتی جاتی ہی کہ سال بسال کانفرنس کے جلسوں میں بڑا جوش و خروش ظاہر کیا جاتا ہی — اور اُس کے بعد سال بھر میں اُس کے ممبر کچھہ کام نہیں کرتے — ہر شخص کو جو کانفرنس میں آتا ہی اپنا فرض سمجھنا چاہیئے کہ سال بھر میں قوم کے واسطے کچھہ کام کرے — اور جب وہ واپس جاے تو اس قومی کام

چندہ مدرسہ کے اخراجات کے واسطے دینا منظور کیا ہے اور مولوی
نورالحسن صاحب او امیر حیدر صاحب اُس کے بڑے ممبران میں
سے ہیں — بعض خفیف مشکلات اس مدرسہ کے قایم ہونے میں
واقع ہوئي ہیں جو مجھے اُمید ہے کہ جلد رفع ہوجاوینگي - کیونکہ
اس قصبہ میں مدرسہ کي سخت ضرورت ہے - ریواڑي میں بھي ایک
مدرسہ قایم کیا گیا ہے جو مدرسۃالعلوم علیگڈہ کي ایک شاخ ہے —
ایک اور تجویز جو اسي مردم شماري کا نتیجہ ہے - منشي عبدالغفور
صاحب ڈپٹي کلکٹر کانپور نے پیش کي ہے - کہ ایک سوسئٹي قایم ہو
جس کا کام صدیقي شیخوں کي تعلیم میں کوشش کرنا ہو - مالدار
صدیقي شیخوں سے اُن کے غریب بھائیوں کي تعلیم کے واسطے چندہ
جمع کیا جائیگا — اور اس فنڈ سے غریب صدیقي لڑکوں کي فیس
تعلیم ادا کي جائیگي - اول کل صدیقي شیخوں کي تعلیمي مردم شماري
کي جائیگي اور اُن لوگوں کو جو تعلیم دے سکتے ہیں اور نہیں دیتے
تعلیم دینے کي رغبت دلائي جائیگي - ایک سنٹرل کمیٹي ہوگي اور
اُسکي شاخیں ہر قصبہ اور شہر میں جہاں صدیقیوں کي زیادہ آبادي
ہے قایم کي جائینگي - اس کانفرنس میں جو صدیقي بزرگ موجود
ہوں اُن سے میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ صدیقي کمیٹي میں جو کہ
کل ہوگي تشریف لاکر کمیٹي کو عزت دیں — اگر اس تجویز میں
کامیابي ہوئي تو اسي طرح اور قوموں میں بھي عملدرآمد ہوگا — میں
سمجھتا ہوں کہ مذکورہ بالا بیانات سے صاف ثابت ہے کہ مردم شماري
کا کام نہایت مفید اور عملي ہے — صرف مایوسي دلانے والا یہہ امر
ہے کہ سنہ ۱۸۹۳ع میں نو سو اُنتالیس غافل والدین کے نام دریافت
ہوئے — اور سال گذشتہ میں صرف تین سو سینتیس نام اضافہ ہوئے
اس کم ترقي کي وجہہ کیا ہے — وجہہ بہت صاف ہے — وجہہ
یہہ ہے کہ ممبران کانفرنس نے کچھہ مدد نہیں کي - طلباء مدرسۃالعلوم
نے سنہ ۱۸۹۳ع میں اس کام میں زیادہ تر کار روائي کي اور سنہ
۱۸۹۴ع میں بالکل اُنھیں نے - ایجوکیشنل کانفرنس کے کسي ممبر نے
سال گذشتہ میں کچھہ مدد نہیں کي - میں سات مہینے تک ولایت
میں رہا اور مسٹر ماریسن نے تعطیل کالج سے پیشتر کچھہ پارسل

اور وہ خط میرے پاس واپس آئے — اور بعض رپورٹ ایسی بھی ہیں کہ جن میں خود شہر کا نام جس کی بابت وہ رپورٹ ہی درج نہیں ہی اور اسوجہہ سے اُن کے متعلق کچھہ کارروائی نہیں ہوسکتی اگر کوئی غافل والد فی الحقیقت مالدار ہو تو اُس امر کو کیفیت میں ظاہر کرنا چاہیئے اُن اسباب کے متعلق جو لڑکوں کو اپنی اولاد کو تعلیم دینے سے روکتے ہیں — میں کہونگا کہ بھوپال میں بڑا سبب مذہبی تعصب بیان کیا گیا ہی — کہتے ہیں کہ انگریزی پڑھے ہوئے مسلمان سوتے میں انگریزی لفظ بولتے ہیں اور اس لیئے اغلب ہی کہ مرتے وقت بھی اُن کی زبان سے یہہ الفاظ نکلیں — اور اس صورت میں وہ یقینی جہنمی ہونگے — نہایت افسوس کی بات ہی جن مقامات کے مسلمان دولت مند ہیں وہ متعصب ہیں اور جہاں کہ تعصب نہیں ہی وہاں وہ مفلس ہیں — اور یہہ بات جو مقامات کی نسبت بیان کی گئی ہی اشخاص پر بھی صادق آتی ہی — مجھکو بیان کرنے میں نہایت خوشی ہی کہ تعلیمی مردم شماری کا ایک اور عملی نتیجہ بھی ہوا ہی — یعنی مارہرہ ضلع ایٹہ میں مسلمانوں کا مدرسہ قایم کیا گیا ہی جس کی وجہہ یہہ تھی کہ مارہرہ میں ضیاءالدین طالب علم مدرسۃ العلوم نے وہاں مردم شماری کی اور اُس کی وجہہ سے لوگوں کو مدرسہ کا خیال پیدا ہوا — مارہرہ میں سیدوں — قاضیوں اور کمبوہوں کی بڑی آبادی ہی — لیکن اس وقت تک وہاں کوئی اسکول نہیں تھا — اب وہاں کے سر بر آوردہ مسلمانوں نے [illegible] ماہوار کا چندہ مقرر کیا ہی اور ایک لایق ہیڈ ماسٹر مقرر کیا گیا ہی اور اسکول کا افتتاح پچاس مسلمان طالب علموں کے ساتھہ ہوا — اور مسٹر ماریسن اور کلکٹر ضلع ایٹہ جلسہ افتتاحی میں شریک تھے — یہہ مدرسہ مدرسۃ العلوم علیگڈہ سے متعلق کردیا گیا ہی — مسٹر ماریسن اسکول کمیٹی کے ایک ممبر قرار پائے ہیں — اور مدرسۃ العلوم نے وقتاً فوقتاً اسکول کے معائنہ کا ذمہ لیا ہی — اسیطرح سے ایک تجویز جو مردم شماری کا نتیجہ ہی یہہ ہوئی ہی کہ ایک مسلمانوں کا مدرسہ جلالی میں قایم کیا جائے — یہہ قصبہ علیگڈہ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر واقع ہی سید عاشق علی صاحب نے بہت فیاضی سے [illegible] ماہوار

ہوں اپنے لڑکوں کو مدرسہ بھیجنے پر راضی ہوجاوینگے چنانچہ ابھی تک مردم شماری صرف چند جگہہ کی گئی ہی — یہہ نتیجہ ہم کو اور بڑہ جائیگا اگر اُس کو ملک کے ہر شہر میں وسعت دی جاوے - اس طرح سے اگر ہم دس ہزار اور مسلمانوں کو اپنے بچوں کی تعلیم پر متوجہہ کرسکیں تو ہمارے ہاتوں سے وہ کام ہوگا جس کا عملیا ایک بڑا اور قایم رہنے والا اثر مسلمانوں کی بہبودی پر ہوگا *

سال آیندہ ہم اُن شہروں سے ہر ایک میں جسکی تعلیمی رپورٹ ہمارے پاس ہی تعلیم نہ دینے والے والدین کی فہرست کی نقل بھیجینگے اور کسی معتمد آدمی کے متعلق اُس کام کو کرینگے نہ وہ خود ہرشخص کے پاس اس طرح سے جاے جیسا کہ علیگڈہ میں کیا گیا ہی جبکہ ناموں کی فہرست اور پتہ اُن لوگوں کا جن کے پاس جانا ہی موجود ہو تو اس کام میں بہت دقت واقع نہوگی — اُس شخص کو تو مرتب شدہ تعلیمی رپورٹ علیگڈہ میں بھیجنی ہوگی تاکہ وہ جنرل سینسس رجسٹر میں درج ہو - اس طرح سے ہم ہر سال بتا سکینگے کہ ہمارے کام میں کسقدر کامیابی ہوئی *

اب میں اُن لوگوں کی رہنمائی کے واسطے جو مردم شماری کا کام کرینگے چند باتیں بیان کرونگا - سب سے ضروری نقشہ وہ ہی جس میں اُن لوگوں کے نام درج ہونگے جو تعلیم دینے کی مقدرت رکھتے ہیں مگر اپنی غفلت کی وجہہ سے اپنی اولاد کو تعلیم نہیں دیتے اب اس نقشہ میں اُن لوگوں کے نام درج کرنا جو تعلیم دینے کی وسعت نہیں رکہتے بیفائدہ ہی اور یہہ بات اسقدر بدیہی ہی کہ میں اس کو بیان نکرتا اگر مردم شماری کے نقشوں میں جو ہمارے پاس آئے ہیں بہت ایسے نام درج نہوتے جن کے ساتھہ اپنی اولاد کو تعلیم نہ دینے کی وجہہ افلاس درج ہی — علاوہ ازیں بہت سے ایسے لوگوں کے نام درج ہیں جو ادنی درجہ کا پیشہ کرتے ہیں اور اُن کی نسبت یقین نہیں ہوسکتا نہ وہ تعلیم کے اخراجات کو برداشت کرسکتے ہیں - ایسے لوگوں کا نام درج کرنا بے فائدہ ہی جنکی آمدنی کم از کم ؎ ماہوار نہو — میں یہہ بتانی کہونگا — کہ اُن لوگوں کا پتہ صاف لکھنا ضروری ہی پتہ صاف نہ لکھنے ہی کی وجہہ ہی کہ بہت سے خط اُن لوگوں کے پاس نہ پہونچ سکے .

ہم آپ سے اپنے فرض منصبی اپنی اولاد کی بہبودی اور اپنی قوم کی بہتری کی استدعا کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ اپنی اولاد کو اسکول میں بھیجئے جہاں تعلیم انگریزی ہوتی ہو ٭

(دستخط) تھیو ڈور بیک

آنریری سکرٹری سینسز ڈپارٹمنٹ

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

میرے پاس بعض خطوط کے جواب آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر اچھا اثر ہوا لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اُن سے خود گفتگو کرنا خطوط کی نسبت زیادہ مفید ہے اور اس غرض سے شہر علیگڈہ میں ایک آنریری سینسس انسپکٹر بھیجا گیا جس نے کہ اُن والدین سے جو تعلیم نہیں دیتے تعلیم کے فواید بیان کیئے ۔ علیگڈہ کی تعلیمی مردم شماری سنہ ۱۸۹۳ ع میں کی گئی تھی اور اس سال یہہ دیکھنے کی غرض سے کہ کیا فائدہ ہوا پھر کی گئی سنہ ۱۸۹۳ ع میں ۹۳ ایسے والدین کے نام لکھے گئے تھے جو اپنی اولاد کو تعلیم دے سکتے تھے مگر اپنی غفلت سے نہیں دیتے تھے ۔ ان سب لوگوں کے پاس سید عبدالباسط بی اے گئے جنہوں نے اس کام میں قابل تعریف مستعدی ظاہر کی ہے ۔ ان ۹۳ میں سے ۱۱ کی بابت اُنہوں نے رپورٹ کی ہے کہ وہ بسبب افلاس کے تعلیم نہیں دے سکتے اور ۹ اب علیگڈہ میں موجود نہیں ہیں ۲ کے لڑکے نوکر ہوگئے اور ایک کے لڑکے کی بابت بیان کیا گیا ہے کہ وہ تعلیم پانے کے نا قابل ہے ٭

پس پہلے سال کے غافل والدین کی تعداد علیگڈہ میں بجائے ۹۳ کے ۴۳ ہے مگر اس سال میں ۷ اور اسی قسم کے شخص اضافہ ہوئے ہیں جس سے کل تعداد ۵۰ ہوئی ان میں سے ۲۱ نے سینسس انسپکٹر کے اُن کے پاس جانے سے قبل اپنے لڑکوں کو مدرسہ میں داخل کردیا ہے اور ۳۳ آیندہ سال مدرسہ میں بھیجنے کا اقرار کرتے ہیں ۔ اس طرح صرف ۶ ایسے اشخاص باقی رہے ہیں جنپر کچھہ اثر نہیں ہوا ٭

اس نتیجہ سے معلوم ہوگا کہ ہماری تجویز میں بڑی کامیابی کی اُمید ہے کیونکہ اگر اور شہروں میں بھی یہی صورت ہو تو ہم اُمید کرسکتے ہیں کہ اُن ۱۲۵۰ ناموں میں سے جو ہمارے پاس ہیں تقریباً

سنہ ۱۸۹۳ع میں تعلیمی مردم شماری کا کام شروع ہوا اور ۹۳۹ ایسے والدین کے نام دریافت ہوئے جو اپنے بچوں کی تعلیم میں غفلت کرتے تھے - سال گذشتہ میں ۳۳۷ اور نام اس فہرست میں اضافہ ہوئے — جن مقامات میں یہہ مردم شماری کی گئی وہ پنجاب — ممالک مغربی وشمالی اور ممالک متوسطہ میں واقع ہیں — اسی طرح اب ہمارے پاس ۱۲۹۹ والدین کے نام موجود ہیں جو اپنی بے توجہی سے اپنی اولاد کو تعلیم نہیں دیتے - اُن لوگوں پر اثر ڈالنے کی غرض سے ہم نے اُن کے پاس خطوط روانہ کیئے ہیں *

نصیحت مسلمان لڑکوں کے ماباپ کو

ایجوکیشنل کانفرنس کو نہایت افسوس اس امر کے دریافت کرنے سے ہوا کہ آپ اپنی اولاد کو انگریزی تعلیم سے بے بہرہ رکھتے ہیں — ایجوکیشنل کانفرنس باصرار آپ سے تعلیم دینے کے لیئے کہتی ہی ایک تو اس خیال سے کہ آپ کی اولاد ایک اچھے مرتبہ پر پہونچے دوسرے یہہ کہ مسلمانوں کی قوم جہالت اور ذلت سے بچے ہندوستانی کوئی اعلی عہدہ گورنمنٹ کی ملازمت میں یا قانونی - میڈیکل اور انجنیرنگ پیشوں میں بجز انگریزی تعلیم کے حاصل کرنے کے نہیں پا سکتے اگر آپ یہہ بات چاہتے ہیں کہ آپ کی اولاد دنیا میں کامران رہے تو سب سے ضروری چیز اُس کے لیئے انگریزی تعلیم ہی *

جو رقم آپ اس وقت اس میں صرف کرینگے اُس سے دس گنی کچھہ عرصہ کے بعد آپ حاصل کرسکتے ہیں *

مسلمانوں کی قوم تعلیم میں ہندوستان کی اور سب قوموں سے بہت پیچھے ہی اُس نقصان دہ غفلت کی وجہہ سے مسلمان باعتبار عزت دولت اور تہذیب کے اور قوموں کے مقابلہ میں ہم پلہ نہیں ہوتے *

سو طلبہ میں سے جو کسی کالج میں تعلیم پاتے ہیں صرف چھہ مسلمان ہیں *

اگر یہی حالت رہی تو مسلمان روز بروز ہندوستان کی اور قوموں کے مقابلہ میں گرتے جائینگے *

کہ ندان موجود ہیں جو اگرچہ غریب ہوگئے ہیں لیکن اپنے بزرگوں کی عمدہ باتوں اور شرافت آبائی ابھی تک اپنے میں رکھتے ہیں وہ اس لایق ہیں کہ اُنکی حالت کو بہتر کیا جاے اور اُنکی وہ بیش قیمت باتیں اور خیالات جو اُن کے خاندانی ہیں محفوظ رکھے جاویں لیکن اگر آپ نے موجودہ نسل کی طرف سے غفلت کی تو پھر ترقی کا وقت نہ رہیگا - مسلمان تعلیم کے نہ ہونے سے ذلیل ہوکر نیچ قوموں کی طرح رہ جائینگے اور جو قابلیت ترقی کی ہی وہ مفقود ہوجائیگی چنانچہ ہندوستان کے بعض حصوں میں یہہ حالت پیش آچکی ہی — ان اضلاع ہندوستان میں بس یہی نسل ہی جس کی تعلیم میں آپ کو مصروف ہونا چاہیئے - بیس یا تیس برس ہیں جس کے بعد آپ کو اپنی تقدیر کا فیصلہ معلوم ہوجائیگا اگر تم اس مدد سے فائدہ اٹھاؤ تو تم ہندوستان کی اور قوموں میں معزز درجہ حاصل کروگے اگر تم اس قیمتی زمانہ کو ضایع کردوگے تو تمہاری اولاد کو اُس کام کے پورا کرنے کا موقع نہ ملیگا جس کو اب تم کرسکتے ہو بشرطیکہ ضروری مستعدی اور ایثار کو کام میں لاؤ ؞

مذکورہ بالا حالت کی درستی کے لیئے دوسال ہوئے یہہ تجویز ہوا تھا کہ ایک تعلیمی مردم شماری کی جاے جس سے دریافت ہو کہ آیا مذہبی تعصب یا غفلت یا افلاس مسلمان طلبہ کی کمی تعداد کا باعث ہی وہ مردم شماری اکثر جگہہ کی گئی اور یہہ پورے طور سے ثابت ہوگیا کہ بہت سے مسلمان والدین اپنی اولاد کو صرف غفلت ہی کی وجہہ سے تعلیم نہیں دیتے اس لیئے ضرور ہی کہ ہم براہ راست ان لوگوں پر اثر ڈالیں اور اُن کو اپنی اولاد کو مدرسہ بھیجنے کی ترغیب دیں یہاں جمع ہونے اور اُن لوگوں کو تعلیم کے فوائد پر جو کہ پہلے سے ہمارے ہم راے ہیں لکچر دینے سے یا اخباروں میں مضمون لکھنے سے ہم اُن لوگوں پر کچھہ اثر نہیں ڈال سکتے جو نہ یہاں آتے ہیں نہ اخبار پڑھتے ہیں — پادری لوگ جن کا کام اشاعت مذہب عیسوی ہی صرف یکجا جمع نہیں ہوتے بلکہ وہ خود اُن لوگوں کے پاس جاتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں جلد اثر ڈالنا اُنہیں مقصود ہوتا ہی اسی طرح ہم کو بھی اُن غفلت کرنیوالے والدین کو معلوم کرانا چاہیئے اور اُن پر اثر ڈالنے کی کوشش کرنا چاہیئے ؞

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی ترقی نہیں ہوئی - بعض اضلاع نے ممالک مغربی و شمالی میں بجائے ترقی کے تنزل ہوا * ۱

پرائمری اسکولوں میں سنہ ۸۷ — ۱۸۸۶ع میں اوسط ۱۴٫۸ فی صدی تھا اور سنہ ۹۲ — ۱۸۹۱ع میں صرف ۱۳٫۸ — ممالک مغربی وشمالی کے سنہ ۱۸۸۶ع کے امتحان انٹرنس میں جس قدر طلبہ پاس ہوئے اُن میں مسلمان ۱۷٫۲ فی صدی تھے اور سنہ ۱۸۹۱ع میں اوسط صرف ۱۵ فی صدی تھا *

جو کچھہ ترقی مسلمانوں سے ظاہر ہوئی ہے وہ اعلیٰ تعلیم میں کسیقدر ہے — کالج میں مسلمان طالب علموں کی تعداد فی صدی ۴٫۳ سے جو سنہ ۸۷ - ۱۸۸۶ع میں تھی ۵٫۹ تک جو سنہ ۹۲-۱۸۹۱ع میں ہوئی بڑھگئی *

ممالک مغربی وشمالی میں یہ نسبت ۱۳٫۳ سے جو سنہ ۸۷-۱۸۸۶ع میں تھی ۱۹ تک جو سنہ ۹۲ - ۱۸۹۱ع میں تھی بڑھگئی — اور پنجاب میں ۱۷٫۴ سے ۱۸٫۲ تک ترقی ہوئی *

آپ نے دیکھا ہوگا کہ ممالک مغربی وشمالی میں کالج کے طالب علموں کی تعدادی نسبت قریب قریب وہی ہوگئی ہے جو اسکولوں کے طلبہ کی ہے *

یہہ صاف ظاہر ہے کہ کالج میں طالب علموں کی تعداد اسکول کے طالب علموں کی تعداد سے زیادہ نہیں بڑھ سکتی اس لئے اگر ممالک مغربی وشمالی میں اسکولوں میں طلبہ کی ترقی نہ ہوئی تو کالج میں بھی تعداد ایسی حالت میں رہیگی جس سے ترقی ظاہر نہ ہوگی *

یہہ نتیجے جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا اُن کو سنکر آپ کو خوشی ہوسکتی ہے ؟ کیا یہہ تعلیم میں سالہا سال کی کوشش کے بعد یہہ بات اطمینان دے سکتی ہے کہ مدارس میں مسلمان لڑکوں کی تعداد میں کسی طرح کی ترقی ثابت نہو ؟ میں اس حالت کو افسوس کے قابل سمجھتا ہوں - اگر یہی حالت رہی تو مسلمانوں کی ترقی کی اُمید نہیں ہوسکتی اُنکی قوم اقتدار دولت اور عزت میں بمقابل دیگر اقوام ہند کم ہوتی جائیگی - آپکو اب ہوشیار ہونا چاہیئے ایسا نہو کہ وقت گذر جائے آپ میں ابھی تک بہت سے ایسے اچھے

صاحب نے کانفرنس کا افتتاح کیا تھا تو اب کے اُسکو ختم کیا رات کو کالج فونڈیشن ڈنر ہوا — جو نہایت خوبي اور لطف کے ساتھ سر انجام دیا *

راقــــم
عبدالحق – طالب علم مدرسة العلوم مسلمانان
علیگڈه

رپورٹ ایجوکیشنل سینسز

جو مسٹر تھیوڈور بیک سکرتري نے محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں پیش کي

۲۸ دسمبر سنه ۱۸۹۲ع

جناب مسٹر پریسیڈنٹ اور دیگر حاضرین جلسه —

میں اِس وقت آپکے سامنے محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے صیغه مردم شماري میں جو کام ہوا هی اُس کي کیفیت پیش کرتا هوں — اِس تعلیمي مردم شماري کا مقصد یہه هی که مسلمان طلبه کا اوسط في صدي جو انگریزي پڑھنے میں بڑھ جاے *

گورنمنٹ هندوستان ایک پانچ ساله رپورٹ تعلیم کي شایع کرتي هی اُسکي اخیر جلد میں جو اوسط مسلمان طلبا کا دیا ہوا هی اُس سے ظاہر هوتا هی که گذشته پانچ سال میں اُس کي تعداد میں کچھه ترقي نہیں هوئي — سنه ۸۷ – ۱۸۸۶ع میں مسلمانوں کا اوسط في صدي جو کل هندوستان کي سیکنڈري اسکولوں میں پڑھتے تھے ۷ء۱۳ تھا – سنه ۹۲ – ۱۸۹۱ع میں ۱۳ تھا ممالک مغربي وشمالي میں سنه ۸۷ – ۱۸۸۶ ع میں ۶ء۲۱ اور سنه ۹۲ – ۱۸۹۱ ع میں ۹ء۲۲ — پنجاب میں سنه ۸۷ – ۱۸۸۶ع میں ۴ء۳۱ تھا اور سنه ۹۲ – ۱۸۹۱ع میں ۳ء۳۳ *

یافتہ نوجوانوں کو کیا کرنا چاہیئے اور کون کونسے پیشے اختیار کریں جس سے وہ اپنی زندگی اچھی طرح بسر کرسکیں - اور اخیر میں انھوں نے فرمایا *

" میں نہیں جانتا کہ وہ حالت کب ہوگی کہ ہم سب ملکر کہیں گے کہ آج آخری رپورٹ سے معلوم ہوا کہ مسلمان † ۲۳٬۷۵ ہیں وہ دن آئے نہ آئے — میری حیات وفا کرے یا نکرے - لیکن میرا ذاتی خیال اور دلی جوش خدا کل مسلمانوں کے دل میں بٹھادے — کہ ان کی اصلی چیز جو بمنزلہ معشوقہ ہی اعلی تعلیم ہی - میں چاہتا ہوں کہ سب میرے ساتھہ متفق ہوجائیں اور دل سے ایسہ ہی کہیں جیسے میں کہتا ہوں *

دست از طلب ندارم تاکام من برآید
یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

اس کے بعد نواب محمد علیخاں صاحب (مالیر کوٹلہ) نے اپنی نہایت فیاضی سے کالج کو ایک ہزار روپیہ عنایت کیئے - جن کی دریا دلی اور فیاضی کا شکریہ پریزیڈنٹ صاحب نے ادا کیا - ہمیں معلوم ہوا ہی کہ اس سے پہلے بھی چند مہینے ہوئے آپ نے ایک ہزار روپیہ کالج کو عطا فرمایا تھا - خدا ہماری قوم میں ایسے فیاض لوگ اور پیدا کرے اس کے بعد پریزیڈنٹ صاحب نے ایک طویل مگر نہایت عمدہ اخیر اسپیچ دیکر کانفرنس کے جلسہ کو ختم کیا - مگر نواب محسن الملک اُٹھے اور اُنہوں نے ایک نہایت دلچسپ اور مزیدار اسپیچ میں پریزیڈنٹ صاحب کا شکریہ ادا کیا - اگر پچھلے سال نواب

---

† بشرطیکہ رپورٹ صحیح ہو نہ کہ دھوکہ کی ٹٹی - یوں لکھنے کو تو اب بھی سرکاری رپورٹوں میں لکھا ہی کہ مسلمانوں میں ۳۸ فیصدی تعلیم یافتہ ہیں — جسکی توقع شاید ہمیں ایک صدی تک بھی نہیں ہوسکتی — اور طرہ تو یہہ ہی کہ ساتھہ ہی یہہ بھی لکھدیا ہی کہ مدراس اور بنگال کے مسلمانوں نے سب سے زیادہ ترقی کی ہی ؟ سبحان اللہ صحت کا کس قدر خیال ہی * (عبدالحق)

رات کے وقت ہمارے کالج کے نہایت قابل پرانے طالب علم صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب بیرسٹر ایٹ لا نے ۔ انگریزی زبان میں نہایت فصاحت کے ساتھہ ایک لکچر پڑھا - جس میں انہوں نے پہلے کیمبرج کے حالات اور پھر اپنے کالج کا ذکر کیا — اپنے کالج کی تمام کیفیت پوری طرح سے کہہ سنائی جو اور لوگوں کو معلوم نہیں ہوسکتی - اس کے عظیم الشان فوائد- خوبیوں اور ضرورتوں کو بتایا اور حاضرین کو توجہہ دلائی کہ وہ اسکی مدد کریں - اور طلباء کو خطاب کیا کہ وہ اپنے فرایض ادا کریں اور اُن توقعات کے پورا کرنے میں حتی الامکان کوشش کریں جو اُن سے کی جاتی ہیں - لکچر نہایت قابل تعریف ہی اور ہر ایک طالب علم کو پڑھنا چاہیئے *

اس کے بعد ہمارے کالج کے ایک طالب علم عبداللہ شاہ صاحب نے بچوں کی تربیت پر ایک مضمون پڑھا *

میں اس کانفرنس کی نسبت اتنا اور کہنا چاہتا ہوں کہ بعض مضامین اور لیکچروں کے پڑھے جانے کی کوئی ضرورت نہ تھی بلکہ صرف وہ پیش کردیئے جاتے اور بعد میں چھپواکر ممبران کانفرنس میں تقسیم ہوجاتے *

۳۰ دسمبر کو عالیجناب سید محمود صاحب کا لکچر تھا - یہہ لکچر تمام دن رہا — اور یہہ آپ کا مسلمانوں کی تعلیم پر دوسرا لکچر تھا — پہلے انہوں نے سنہ ۱۸۷۰ ع کی سوسائٹی کا جو تعلیم مسلمانان کے لیئے سر سید نے قایم کی تھی ذکر کیا — پھر مسلمانوں کے خیالات — تعصبات وغیرہ کو تفصیل کے ساتھہ بیان کیا اور بعد میں علم الاعداد سے نئے نئے اور نہایت عجیب عجیب نتایج نکالے - مگر ایک بات جو نہایت درد انگیز تھی اور جسے سنکر سب متحیر رہ گئے وہ مسلمانوں کی تعلیمی حالت کا مقابلہ دیسی عیسائیوں کے ساتھہ تھا - مسلمانوں کی آبادی قریب ۶ کروڑ کے اور دیسی عیسائی قریب ۱۹ لاکھہ ہیں مسلمانوں میں انگریزی پڑھے ۳۴۲۸۲ اور نیٹو عیسائیوں میں ۴۴۳۹ ہیں یعنی آبادی کے لحاظ سے دیسی عیسائی مسلمانوں سے ۳۰ گنا بڑھے ہوئے ہیں — اس سے زیادہ بدترین حالت اور کیا ہوسکتی ہی - اس لکچر میں انہوں نے یہہ بھی بتایا کہ مسلمان تعلیم

اِس کے بعد مسٹر محمد شفیع مونسٹر ایٹ لا - بشیرالدین صاحب اڈیٹر نجم الاخبار - حبیب الرحمٰن خاں رئیس بھیکم پور اور پریزیڈنٹ صاحب نے نہایت عمدہ اور پر زور اسپیچیں کیں اور رزولیوشن بالاتفاق پاس ہوا *

سہ پہر کو ہمارے کالج کے ایک چھوٹے سے بچے سید علی نے ایک دل پذیر اور پیاری آواز میں اُردو کی ایک سادہ اور صاف نظم پڑھی جس کی تمام حاضرین نے تعریف کی *

اِس کے بعد جناب مولانا مولوی نذیر احمد خاں صاحب کا لیکچر شروع ہوا - لوگ پہلے ہی سے منتظر بیٹھے تھے اور تمام ہال بھرا ہوا تھا - مولانا کا طرز تحریر اور طرز تقریر نہایت عجیب اور سب سے نرالا ہی اور حقیقت یہہ ہی کہ وہ اپنے اس طرز میں بے نظیر ہیں — جو قوت بیان اور زبان پر پوری قدرت خدا نے اُنہیں عطا فرمائی ہی میں نے تو کسی اور میں دیکھی نہیں - اپنے خیالات کو جس خوبی اور عمدگی سے وہ ظاہر کرتے ہیں وہ محتاج تعریف نہیں - خیالات کے پوری طرح ادا کرنے میں جو دقتیں پیش آتی ہیں اُس سے ہرایک شخص اس کا اندازہ کرسکتا ہی - اُس پر وہ آواز پائی ہی کہ ہال کے ہرایک کونہ میں یکساں سنائی دیتی ہی - مسٹر شاہدین کا یہہ ریمارک نہایت بجا ہی وہ "میں فی الحقیقت یہہ بات فخر سے کہتا ہوں کہ ہمارے ہاں بھی ایک اوریٹر موجود ہی جس کا ہم انگلینڈ کے اوریٹروں سے مقابلہ کرسکتے ہیں - اگر انگلینڈ کو گلیڈ اسٹون پر فخر ہی تو ہمیں مولوی نذیر احمد خاں پر" - اس سال کا لیکچر پچھلے تمام لیکچروں سے بڑھا چڑھا تھا - اس میں اُنہوں نے اس بات کو ثابت کیا ہی کہ اسلام عقل کے مطابق ہی - اور وہ جو اسلام کو سائینس کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اس بات کا خیال رکھیں کہ ہرایک مشتبہہ تھیوری کو جو اب تک مسلم نہیں ہی خواہ مخواہ تطابق نہ دیں — سائینس کی وہیں تک قدر کرنی چاہیئے جو اُس کے مناسب ہی - اسی لیکچر میں انگریزی تعلیم کی ضرورت وغیرہ اور بہت سی مزے مزے کی باتیں لکھی ہیں جس کا لطف صرف پڑھنے سے آسکتا ہی *

۲۹ دسمبر کي صبح کو جناب نواب محسن الملک بہادر کا رزولیوشن پیش ہوا - اس رزولیوشن کا مقصد یہہ تھا کہ ہمیں ندوۃالعلماء کي طرف توجہہ کرني چاہیئے اور جہاں تک ہوسکے اُس کي اعانت کریں - اب تک یہہ خیال کیا جاتا ہی کہ انگریزي تعلیم یافتہ اور علماء دو مخالف اور متضاد فریق ہیں — جن کے آپس میں کبھی نہیں بن سکتي اور ایک دوسرے کو وہ اچھي نگاہوں سے نہیں دیکھہ سکتے — وہ ایک دوسرے کو مرتد اور اسلام کا دشمن سمجھتے ہیں - اور في الواقع یہہ دوفریق ایک دوسرے سے اس قدر دور ہٹتے جاتے ہیں کہ گویا وہ ایک قوم اور ایک مذہب ہي کے نہیں — ان دو مخالفوں کي مصالحت کے لئے نواب محسن الملک بہادر اسٹیج پر آئے - اور اس خوبي اور عمدگي سے اپنے اس بھاري فرض کو ادا کیا کہ جتنا سراہیئے بجا ہی اور جتني تعریف کیجیئے سزاوار ہی — وہ دن آنے والا ہی کہ جب یہہ دو مخالف ایک دوسرے کے دوست ہونگے اور وہي لوگ جو آج تیل اور پاني ہیں شیر و شکر ہوجائینگے - مگر ان کے ملانے والے اور ایک کرنے والے ہمارے نواب صاحب ہونگے اور یہہ رزولیوشن اور اُن کي اسپیچ اس عظیم الشان واقعہ کي ابتدا ہوگي ●

اسپیچ نہایت طویل تھي - جس میں علماء کي حالت کا ذکر کیا اور یہہ کہ وہ کس طرح خبردار ہوئے ہیں اور اُن کے انجمن کے مقاصد ہمارے مقاصد سے بالکل متفق ہیں - دوسرے حصہ میں اُنہوں نے یورپ کے مڈل ایجس (زمانہ اوسط) کے پادریوں کا حال بیان کیا کہ وہ ہمارے علما سے بھي زیادہ متعصب تھے - مگر تقلید اور جہالت کے پلنجے سے نکل کر کیسے سیدھے ہوگئے - کل اسپیچ نہایت دلچسپ - مفید ہی اور پڑھنے کے قابل ہی ●

اس کي تائید عالي جناب سید محمود صاحب نے کي - آپ کي اسپیچ نہایت دلچسپ اور قابل تعریف ہی - اُنہیں اس بات کي شکایت ہی کہ ہمارے علماء کي اتني قدر نہیں کي جاتي جس کے وہ مستحق ہیں — اور اخیر میں اُنہوں نے کہا - کہ ہم وہ نہیں کہ اسلام کے احاطہ کو یا اپنے دلوں کو تنگ کردیں - اگر وہ ہماري کانفرنس میں شریک نہیں ہوتے کہ اس میں انگریزي ہی تو ہم اُن کے ندوہ کي تائید کرتے ہیں ●

هیں — غرض یہہ لکچر نہایت پر اثر اور پر درد تھا اور صرف پڑھنے سے تعلق رکھتا هی *

۲۸ دسمبر کی صبح کو مسٹر محمد شفیع بیرسٹر ایٹ لا نے اپنی انگریزی نظم اسلام کی ترقی اور تنزل پر پڑھی جو نہایت پر جوش اور پر اثر تھی — اس کا شکریہ نواب محسن الملک بہادر نے ایک مختصر مگر پر لطف اسپیچ میں دیا *

اس کے بعد پریزیڈنٹ صاحب نے انگریزی زبان میں نہایت فصاحت وبلاغت سے لکچر دیا — جس میں اُنہوں نے طلباء کو نہایت مفید اور بیش بہا نصیحتیں کیں — مثلاً عمدہ کتابوں کا انتخاب — وفادار اور پاک طبیعت دوستوں کا تلاش کرنا — تنہائی میں اپنے حالات اور چال وچلن پر غور کرنا اور اپنی ترقی اور بہبودی کی تدابیر سوچنا وغیرہ — یہہ لکچر نہایت عمدہ اور خصوصاً طلباء کے پڑھنے کے قابل هی *

اس کے بعد همارے کالج کے ایک لایق اور پرانے طالب علم خوشی محمد خاں صاحب بی اے نے اپنا رزولیوشن پیش کیا — کہ همیں کالج کے لیئے ایک روپیہ یا آٹھہ آنہ فیصدی دینا چاهیئے *

اس میں اُنہوں نے کالج کے حالات اور مالی ضروریات کو بیان کیا — اور لوگوں کے بیجا اعتراضات کے نہایت خوبی سے جواب دیئے — اور ثابت کیا کہ یہہ کالج حقیقت میں مسلمانوں کے لیئے نہایت بے نظیر کالج هی جسکی مدد کرنا قوم کی مدد کرنا هی — اس کی تائید نیاز محمد خاں صاحب وکیل جالندھر نے کی — اور اسپر ایک اسپیچ همارے کالج کے ایک نہایت هی قابل پرانے طالب علم خواجہ غلام الثقلین صاحب بی اے نے کی — اور اس بات کو نہایت خوبی سے ظاهر کیا — کہ کالج کی مالی حالت کسقدر ابتر هی اور وظائف کے فنڈ اور مکانات کی ضرورت روز بروز بڑھتی جاتی هی اُنہوں نے اس میں نہایت عمدہ اور مناسب ترمیم پیش کی — کہ دینے والے کو اختیار هی کہ کالج کے جس صیغہ میں چاهے دے — مگر یہہ نہ کہلا کہ اُس هال کے اندر کسی نے اُسکی تائید کیوں نہ کی — رزولیوشن بالاتفاق پاس هوا — سہ پہر کو مسٹر بیک نے تعلیمی مردم شماری کی رپورٹ پڑھی — اور دکھایا کہ انہیں کسقدر کامیابی هوئی هی — مگر اس بات کا افسوس ظاهر کیا کہ ممبران کانفرنس نے مدد نہ کی — اس رات کو کالج کے طلبا کا ڈیبیٹ (مباحثہ) هوا جو افسوس هی کسیقدر بے لطف رہا *

ممبران سے درخواست کی کہ آیندہ ڈنر کی فیس وہ خود عنایت کریں تا کہ ہر سال کا جرمانہ نواب صاحب ہی کو نہ ادا کرنا پڑے — سپیچ کے خاتمہ پر اُنہوں نے نہایت خوشی سے یہہ اعلان کیا — کہ آیندہ اجلاس بمبئی میں ہوگا *

اِس کے بعد ہمارے کالج کے طالب علم ظفر علی خاں صاحب نے اپنی ایک عمدہ انگریزی نظم حاضرین کے سامنے پڑھی *

سہ پہر کو آنریبل سر سید احمد خاں بہادر نے اپنا لکچر پڑھا — سر سید کے لکچر کی تعریف کرنا حقیقت میں اُس کی وقعت گھٹانا ہی میرے لئے اس سے زیادہ مشکل اور کوئی کام نہیں کہ میں یہہ بتاؤں کہ اُنہوں نے کیا کہا — اُس درد بھرے دل سے جو آواز نکلتی ہی وہ دل ہی میں جاکر ٹھہرتی ہی اس کے سننے کے لیئے بھی بڑے دل؛ اور گردہ کا آدمی ہونا چاہیئے — بقول اپنے اُن کا حال تو اُس رنگریز کا سا ہی جسکو صرف اسوہ رنگ رنگنا آتا ہی — وہ جب کچھہ کہتے ہیں قوم کا دکھڑا روتے ہیں *

اس لکچر میں اُنہوں نے مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اعلیٰ تعلیم کی ضرورت کو بتایا اور یہہ کہ ہم اپنے نوجوانوں کو کیسا بنانا چاہتے ہیں — اور مدرسۃ العلوم اس ضرورت کو کہاں تک رفع کرسکتا ہی — بلکہ یہی ایک کالج ہی جو اس خیال سے اور اسی ضرورت سے قایم کیا گیا ہی ہندوستان کے مسلمانوں کو اسکی طرف متوجہ ہونا چاہیئے — پھر کالج کا مجمل حال اور یہاں کی تعلیم وغیرہ کا ذکر اور اُن بیجا اعتراضات کے جواب دیئے جو اکثر لوگ غلط فہمی سے کالج پر کرتے ہیں — اسی اثناء میں اُنہوں نے کالج کے طالب علموں کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ ,, اے طالب علموں ؟ تم جو اس ہال میں جمع ہو سن لو اور سمجھہ لو — کہ مجھکو تم سے کیا توقع ہی اور اگر تم نے میری توقعوں کو پورا نہ کیا تو افسوس ہی تمپر — افسوس ہی مجھہ پر اور افسوس ہی تمام قوم " پر پھر اُنہوں نے کہا ,, یہہ اکثر شکایت کی جاتی ہی کہ انگریزی تعلیم سے اخلاق خراب ہوجاتے ہیں — آزادی سما جاتی ہی — ما باپ کی عزت — بزرگوں کا ادب جاتا رہتا ہی ,, — اور بتایا کہ یہہ کیسی تعلیم کا نتیجہ ہی اور خدا کا شکر ہی کہ ایسے لوگ ہمارے کالج میں نہیں

نہیں کہ خواہ مخواہ علیگڈہ میں ہو مگر جب کہیں سے
درخواست نہ آئے تو یہیں ہو *

(۲) کالج فرڈیشن فنڈ میں نواب محسن الملک کی راے سے
ممبران کانفرنس کو بھی شامل کیا گیا — جس سے
۱۵۰ روپیہ کی کمی ہوئی جو نواب صاحب مذکور کو
ادا کرنا پڑا *

نواب محسن الملک بہادر نے آنریبل سکرٹری کی رپورٹ پر ریمارک کیئے - اُن کی فصاحت اور بلاغت تو مشہور ہی ہی — مگر اس اسپیچ میں اُنہوں نے کانفرنس پر ایک بڑا احسان کیا - اور ان دو ضروری باتوں کا پورا فیصلہ کردیا *

اول — کانفرنس کے مقاصد — حالات اور کارروائی کی پوری پوری اشاعت ہونی چاہیئے *

دوم — آیندہ اجلاس کانفرنس کا بمبئی میں ہو *
کانفرنس کے حق میں اس سے زیادہ مفید کیا ہوسکتا ہی - خدا نے چاہا تو اب اس کا دائرہ نہایت وسیع ہوجائیگا اور جو نقص اور کمیاں اس میں پائی جاتی ہیں سب رفع ہوجاوینگی *

اس کے بعد منشی عبدالرزاق صاحب - بشیرالدین صاحب اڈیٹر نجم الاخبار - نواب محمد علی خاں صاحب (مالیر کوٹلہ) محمد مراد علی صاحب (از پنجاب) محمد اسمعیل صاحب فرخ آبادی نے اپنی اپنی اسپیچوں میں اُن دونوں باتوں پر بہت زور دیا - اور مسٹر بیک اور مسٹر ماریسن نے بھی پورے زور کے ساتھ اتفاق کاي ظاہر کیا کہ آیندہ اجلاس ضرور بمبئی میں ہو *

پریزیڈنٹ صاحب نے اس رپورٹ کا جواب دیا اور نواب صاحب موصوف کی ہر دو پیش کردہ باتوں سے پورا اتفاق کیا اور اس بات پر زور دیا کہ آیندہ اجلاس تو ضرور بمبئی میں ہو اور پھر اُس کے بعد کلکتہ — مدراس وغیرہ مقامات میں ہونا چاہیئے اور اس طرح تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک اتحاد اور ربط قایم کرنا چاہیئے — مسٹر بیک کا شکریہ ادا کیا — اور اس بات کا افسوس ظاہر کیا کہ ہماری غلطی کا جرمانہ نواب محسن الملک بہادرپر کیا گیا — اور اس لیئے

نکالا ظاہر کیا کہ یہہ مثل اُنگلی کے ہیؔ جو تعلیم کا اشارہ دیتی ہیؔ جس پر چلنا تمھارا کام ہی نہ کہ اُنگلی کا *

اس کے بعد سکرٹری نے پچھلے سال کی رپورٹ پڑھی — جسمیں مفصلہ ذیل امور کا ذکر تھا *

(۱) بعض رزولیوشن جو پیش نہوسکے — اگر وہ صاحب اب پیش کرنا چاہیں تو بڑی خوشی ہوگی *

(۲) پچھلے سال کے لکچروں کا ذکر کیا جن میں خصوصاً سید محمود صاحب * اور نواب محسن الملک بہادر کے لیکچر نہایت عجیب تھے — او نواب صاحب موصوف کی امة حي اسپیچ بطور خود ایک مستقل لیکچر تھی جنکی وجہہ سے رزولیوشن پیش نہوسکے *

(۳) مسٹر بیک کا عامی مردم شماری کے بارے میں شکریہ — اور اُن کا وہ نوٹس پڑھا — جو اُنہوں نے مسلمان والدین کے پاس بھیجا ہی اور جس میں اُنہیں کامیابی بھی ہوئی *

(۴) نواب محسن الملک صاحب بہادر کا اعتراض کانفرنس پر — کہ کانفرنس کی کارروائی محدود رہتی ہی اور اُس کی پورے طور سے اشاعت نہیں ہوتی — جس کی نسبت سکرٹری نے فرمایا کہ میں نے پچھلے سال کے لیکچر صرف ممبروں کے پاس بھیجے اور چونکہ مجھے واقفیت نہ تھی لہذا میں اور جگہہ نہیں بھیج سکا — اب میں اُنہیں مفت ممبروں میں تقسیم کرونگا تا کہ وہ اپنے اپنے اضلاع اور احباب میں اُن کی اشاعت کریں *

(۵) سالانہ اجلاس کی نسبت سکرٹری نے فرمایا — کہ میں نہایت خوش ہوں کہ اسکا اجلاس مختلف مقامات میں ہو — بمبئی سے یہہ درخواست آئی کہ سنہ ۱۸۹۵ع کا اجلاس وہاں ہو — میں نے جواب دیا کہ اسے منیجنگ کمیٹی کے سامنے پیش کرونگا — آپ اب کے تشریف لائیے اور دیکھئے تاکہ پورا اندازہ ہوسکے — میرا یہہ ارادہ

حسین صاحب بی اے — مظہرالحق صاحب بی اے — خوشی محمد صاحب — بی اے — عبدالحکیم صاحب — بی اے *

کانفرنس کا اجلاس ۲۷ دسمبر سنہ ۱۸۹۴ ع سے شروع ہوا اور ۳۰ تک رہا — مگر اس اجلاس کے پریزیڈنٹ جناب مسٹر شاہدین بیرسٹر ایٹ لا ۲۶ دسمبر کو تشریف لائے ان کے لینے کے لیئے ہمارے کالج کے رائڈنگ اسکول کے طالب علم کالج یونی فارم (کالج کا خاص لباس) پہنکر اور سوار ہوکر ریلوے اسٹیشن پر گئے — یہہ سوار طالب علم پریزیڈنٹ صاحب کی گاڑی کے آگے پیچھے — دائیں بائیں نہایت شان کے ساتھہ چلے آرہے تھے — جس سے دیکھنے والوں کو ایک حیرت تھی — ادھر کالج گیٹ پر تمام طلباء با قاعدہ طور سے ان کے استقبال کے لیئے منتظر کھڑے تھے — اور جب وہ پہونچے تو نہایت جوش اور مسرت کے ساتھہ ان کا استقبال کیا گیا *

کانفرنس کا مختصر سا حال لکھنے سے پہلے میں اتنا اور لکھنا مناسب سمجھتا ہوں کہ ہمارے لایق پریزیڈنٹ صاحب نے اپنے فرایض منصبی کو نہایت قابل تعریف خوبی کے ساتھہ ادا کیا — میں ان کی تعریف میں کچھہ اور کہتا مگر جناب نواب محسن الملک صاحب بہادر اپنے شکریہ کی طویل اور دلچسپ اسپیچ میں اتنا کچھہ کہہ چکے ہیں کہ کسی اور کے لیئے گنجایش نہیں رہی *

۲۷ دسمبر کی صبح کو آٹھہ بجے کے بعد کانفرنس کا اجلاس شروع ہوا — اور پریزیڈنٹ نے اپنی افتتاحی اسپیچ پڑھی — جس میں پہلے لمبے چوڑے تمہیدی انکسار کے بعد انہوں نے نہایت عمدگی سے کانفرنس کے مقاصد — اس کی خوبی اور ضرورت کو سب پر ظاہر کیا — اور اس بات کی ضرورت ظاہر کی کہ کانفرنس میں مختلف صوبہ جات اور اضلاع کی رپورٹ پیش ہوں اور ان میں تناسب دکھایا جائے " جس میں ہم اپنے خط و خال کو دیکھہ سکیں اور جسے دیکھکر ہم شرمندہ ہونگے کہ ہم کیسے رو سیاہ ہیں " کانفرنس کے پچھلے اجلاس میں اس بارہ میں جناب سید محمود صاحب اور نواب محسن الملک صاحب بہادر کے دو فصیح و بلیغ اور بے نظیر لکچر پڑھے گئے جس کا انہوں نے تہ دل سے شکریہ ادا کیا — کانفرنس کی نسبت آپ نے بہت

وجہہ جو کچھہ بھي ہو ہم اُس سے یہاں بحث نہیں کرنا چاہتے — مگر ہاں اتنا ضرور کہتے ہیں کہ وہ لوگ جلہوں شریک ہونے میں کچھہ کلام ہی وہ اس کے مقاصد - حالات اور کارروائي پر غور فرمائیں اور دیکھیں کہ آیا اسے مسلمانوں کے برے بھلے سے کچھہ تعلق ہی یا نہیں — اُنہیں اگر کوئي اعتراض ہی تو وہ آئیں اور علانیہ سب کے سامنے اُس کا اظہار کریں اور اُس کي اصلاح کي تدابیر سجھائیں — یہي سچي ہمدردي — خیر خواہي اور کانفرنس کا مقصد ہی — ورنہ نرے اعتراض کرنے اور خفا ہونے سے تو کچھہ بنتا نہیں *

علاوہ اس کے بلحاظ مضامین بلکہ ہر لحاظ سے کانفرنس قابل تعریف اور عمدہ رہي — اردو اور انگریزي کے لکچرز جو نہایت عمدہ اور مفید تھے پڑھے گئے — رزولیوشن بھي ایسے پاس ہوئے — جن کا بہت کچھہ اثر ہماري قوم پر پڑیگا - صرف اتنا نقص ضرور تھا - کہ ان مضامین اور لکچروں میں تکرار اکثر ہوا — تکرار سے میرا مطلب یہہ ہی کہ بعض لکچروں میں ایک ہي مضمون تھا اور ایک ہي بات پر زیادہ زور دیا گیا یا یہہ کہ بعض لکچروں یا مضامین میں چند خاص باتوں کو بار بار دہرایا گیا - شاید یہہ بات سامعین کو ناگوار گذري ہو - مگر جب لوگوں کے خیال میں اصلاح کرني منظور ہوتي ہی اور جب پرانے راستہ سے ہٹاکرنئے ڈھرے پر لگانا ہوتا ہی تو اُن باتوں کو دہرانا پڑتا ہي ہی *

ایک بات مجھے اس کانفرنس کي نسبت خاص طور پر بیان کرني ہی — اور وہ یہہ ہی کہ ہمارے کالج کے بعض پرانے طالب علم بھي اس میں شریک تھے — گو اُن کي تعداد قلیل تھي مگر ان کے آنے سے اور ایسے جلسوں میں شریک ہونے سے کالج کو اور کالج کے طلبا کو ہمیشہ فخر اور خوشي ہوتي ہی - کیونکہ یہي لوگ ہیں جن پر نہ صرف کالج کي بلکہ تمام قوم کي توقعات مبني ہیں — ہم بڑي خوشي سے اُن کے نام یہاں لکھتے ہیں — اور شکریہ ادا کرتے ہیں *

سید محمد اکبر صاحب — سید حسین صاحب بي — اے مع صفیل احمد صاحب — حامد علي صاحب بي - اے سے سپتاوہی

محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس نہم

اس کانفرنس کا نواں اجلاس محمدن اینگلو اورینٹل کالج کے شاندار سٹریچی ہال میں منعقد ہوا - یہہ ہال پہلے ہی سے ایسے اجلاس کے لیئے سجا سجایا موجود تہا — اور اس لیئے اس بارہ میں کانفرنس کے لیئے کوئی خاص انتظام نہیں کیا گیا باقی تمام انتظامات مثلاً رات کو پہرہ دینا — ممبروں کا استقبال کرنا اور اُن کو ٹہہرانا وغیرہ سب کالج کے مستعد طالب علموں کے ہاتہہ میں تہا — لیکن اس انتظام کی زیادہ تر ذمہ داری ہمارے کالج کے نہایت لایق اور محنتی سیکنڈ ماسٹر اور پرانکٹر یعنی میر ولایت حسین صاحب پر تہی — ہم اس خوش انتظامی اور کامیابی پر کالج کے طلباء اور میر صاحب موصوف کو مبارک باد دیتے ہیں — یوں تو کل طالب علم ممبروں کی خاطر تواضع اور مہمانداری کے لیئے موجود تہے مگر اس خیال سے کہ ممبروں کو کسی قسم کی تکلیف نہونے پائے اُن منتظم طالب علموں کو کالج کی طرف سے خاص نشان دیئے گئے ہے جس سے وہ فوراً پہچان لیئے جاتے تہے — یہہ نشان ریشم — سلمہ ستارے یا کلابتون کے خوشنما پہول تہے جو اُن طلباء کی اچکنوں یا کوٹوں پر نظر آتے تہے — علاوہ اس پہچان کے اُن کے پاس یہہ ایک معزز نشان تہا قومی [خدمت کا - جسے وہ خوشی خوشی بجا لاتے تہے اور اپنی عزت اور فخر کا باعث سمجتے تہے - اِن طالب علموں کے چند فریق تہے — ایک] وہ جو دن اور رات کی ٹرینوں پر جاکر ممبروں کا استقبال کرتے تہے اور دوسرے وہ جو کالج کے مکانات میں اُن کے ٹہہرانے کا انتظام کرتے تہے — تیسرے وہ جو رات کے وقت سپاہیوں کی طرح پہرا دیتے تہے - چوتہے رائڈنگ اسکول کے وہ طالب علم جو سوار ہوکر پریزیڈنٹ کا استقبال کرنے گئے تہے - اور اس لیئے ان سب کے نشان (پہول) مختلف طرز اور مختلف رنگ کے تہے - ان طالب علموں نے اپنے اپنے فرائض نہایت خوبی کے ساتہہ ادا کیئے — جنکی تعریف ہم نہیں بلکہ خود کانفرنس کے ممبر کرتے تہے *

مگر ایک بات جو قابل شکایت اور قابل افسوس ہی وہ یہہ ہی کہ پچہلے سال کی نسبت ممبروں کی تعداد بہت کم تہی - جسکی

NOTICE IN THE MADRAS MAIL.

An article on the Defence Association appeared also in the Madras Mail. That paper said that in order to ascertain the opinions of the Mahomedans it was necessary to look to Upper India, where well organised bodies such as the Defence Association exist, competent to express the political views of the Mahomedans. It drew attention to the fact that while the National Congress was passing a one-sided resolution in favour of Simultaneous Examinations for the Civil Service, the Defence Association was passing a vote of thanks to the Secretary of State for India for his wise, statesmanlike, and beneficent Despatch. In conclusion it stated that the proposal to found an Indian Imperial Committee in England to correct the misstatements made by Sir Wm. Wedderburn, Mr. Naoroji and others, was desirable. In our next issue we shall give some reasons for our belief that this is by no means impossible, and that on the contrary we have hopes of the contrary being conclusively proved.

NEW MEMBERS OF THE M. A.-O. DEFENCE ASSOCIATION.

The following gentlemen have become members of the Defence Association :—

Kunwar Mahomed Abdul Shakur Khan, Rais of Dharampur.

Mahomed Asghar Hosain, Kakori.

Haji Sulaiman Shah Mahomed, Merchant, Cape Town, Africa.

18 percent ; but who is to blame for this if not the Mahomedans themselves ? If, as the resolution went on to propose, the Government were to modify the competitive examination system so as to enable it to nominate Mahomedans to the Government service, the only result would be to remove a stimulus to educational activity which is plainly much needed by their community. The same objection, however, does not apply to Mr. Theodore Beck's proposal that the rules for admission to Roorkee should be modified so as to give Mahomedans a better chance of entering that college. At present admission depends on competitive examination, but as the proportion of Mahomedan students reading in colleges throughout India is only 6 per cent, there is little chance of the Mahomedans obtaining more than one place in sixteen. Mr. Beck's proposal is that no Mahomedan should be debarred from attending the course of study at Roorkee, so long as he can satisfy the Governing Commttiee that he could follow the instruction given intelligently, and is willing to pay a fee sufficient to meet the additional expense. There can, we imagine, be no serious objection to such a proposal, and it would undoubtedly give the Mahomedans a better chance of obtaining posts as engineers—a profession for which they are in many ways well adapted. We notice that Mr. Beck informed the Council of a proposal to establish an Indian Imperial Committee whose business it will be to "correct the gross misstatements made by Mr. Dadabhai Naoroji, Sir William Wedderburn and others as to the sentiments and wishes of the people of India in general and the Mahomedans in particular." Here, again, the object, is excellent, but one doubts whether any Committee which it would be possible to constitute could carry out such a task.

the object of laying before the British Parliament and the English public the views of those sections of the Indian people who are loyal, actuated by an Imperial sentiment, and opposed to revolutionary changes in the Government of India. And that the Mahomedan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India offers to co-operate with the Indian Imperial Committee in the furtherance of these aims.

15. It was proposed by Mr. Shah Din, seconded by Mr. Niaz Mahomed Khan and carried—That all members of the Association be invited to send any suggestions they may wish to make to the Secretary of the Association, and that the Secretary shall lay such suggestions before the Council.

16. It was resolved that a copy of the proceedings be sent to the press.

CRITICISM OF THE PIONEER ON THE MAHOMEDAN DEFENCE ASSOCIATION.

The Pioneer of the 6th ultimo made the following remarks on the M. A.-O. Defence Association :—

In another column will be found a full report of some recent proceedings of the Council of the Mahomedan Anglo-Oriental Association. With the general aim of this Association, which is to promote the welfare and advancement of loyal Mahomedans as a stay to the British *raj*, it is impossible not to sympathise. It is not so easy to be sure that the Association's methods are always wise. Nobody doubts that the system of competitive examination in India has its drawbacks, one of the chief being that it has so far tended to give the Hindus an advantage over their Mahomedan fellow-subjects; but the best way to remedy this evil is for the Mahomedans to set to work to educate themselves up to the level of their rivals. It is no doubt a misfortune that in the Panjab the proportion of Mahomedan students reading in colleges is only

(3) That the engineering posts given by the Government shall be open both to such persons as enter the College by competitive examination and to persons who pay for their engineering education under the last paragraph, and that the persons to whom these posts are given be selected by the Principal of the Roorkee College at the close of their engineering education according to their merit, regard being had to the executive and physical capacities exhibited by the candidates.

I have the honor to be

Sir,

Your most obedient servant,

THEODORE BECK.

14. Mr. Beck informed the meeting that when he was in England during the past summer he conferred with several Indian statesmen and Members of Parliament and other English gentlemen as to the desirability of establishing an association in England to be called the Indian Imperial Committee, with the objects of correcting the gross misstatements made by Mr. Dadabhai Naroji, Sir William Wedderburn, and others as to the sentiments and wishes of the people of India in general and the Mahomedans in particular, and of opposing revolutionary schemes by which the government of the country would be plunged into bankruptcy and chaos. He found the idea met with a warm reception by men of great influence and extensive knowledge of India, and the proposed Imperial Committee was promised the support of leading London journals. The following resolution was thereupon proposed by Nawab Mohsin-ul-Mulk, seconded by Mr. Syed Mahmood, and carried unanimously :—

That the Mahomedan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India expresses its great satisfaction at the proposal to establish an Indian Imperial Committee in England, having

The number of Mahomedans in the engineering profession is extremely small. In the years 1858—93, 580 Hindus have obtained the engineering degree of an Indian University and only 3 Mahomedans. The engineering profession is one which we think is well adapted to the character of the Mahomedans who have proved themselves capable executive officers, and are naturally endowed with the physical qualifications which are needed for the work of an engineer.

Unfortunately as admission to study in the Roorkee College depends on a competitive examination, and the proportion of Mahomedan students reading in colleges throughout India is only 6 per cent, there is very little chance, as the rules now stand, of the Mahomedans obtaining more than one post in sixteen.

The Council of the M. A.-O. Defence Association begs therefore to propose—

(1) That a certain number of the vacancies in the College assigned to natives of India by competition, be reserved for Mahomedans.

(2) That free permission be given to all persons to read in the Roorkee College on the following conditions :—

(*a*) That the person shall have passed such test of an Indian University as the Governing Committee think necessary, in order to enable him to follow intelligently the Roorkee course of instruction.

(b) That an estimate be made of the additional cost of providing the teaching and instruments necessary for educating the increased number of students, and that a fee be charged by the College sufficient to cover the additional cost, so that no pecuniary loss should fall upon the Government, and all persons willing to pay the additional fees should be enabled to obtain technical engineering education.

is extremely small, it is utterly beyond their power to make such advancement in higher education in the present generation as will enable them to compete on equal terms with the Hindus.

The Association is further of opinion that competitive examination has grave defects as a method of recruiting for the public service, inasmuch as the quickness of mind or memory that enables one candidate to obtain more marks than another may be of less consequence than any one of the qualities of integrity, courage, physique, loyalty of the candidate's family, social position, or race, which are untested by the examination. And that therefore the interests of the public service would be better secured by the Government's demanding a necessary educational qualification, and exercising its discretion in nominating approved candidates, having regard to the character of the individuals so nominated, and the fair distribution of the posts among the diverse races of the Province.

12. It was proposed by Mr. Beck, and seconded by Mr. Mahomed Shafi, and carried—That Mr. Shah Din prepare a draft memorial on behalf of the Association and send it to the Secretary, who shall circulate it to the members of the Council of the Association, and after it has been considered by them shall forward the same to the Government.

13. It was proposed by Mr. Theodore Morison, and seconded by Mr. Shah Din, and carried—That the Secretary send the following letter to the Principal of the Roorkee College:—

From Theodore Beck, Honorary Secretary of the M. A.-O. Defence Association, to the Principal Roorkee College.

Sir,—I am directed by the Council of the M. A.-O. Defence Association to request that you would be so good as to submit the following suggestions to the Governing Committee of the Roorkee College.

a member of the Council of the Association. Mr. Morison was provisionally elected.

10. The Secretary stated that he had received the names of the following gentlemen who wished to become members of the Association :—

Syed Rashid Uddin, Secunderabad, Deccan.

Mirza Abid Ali Beg, Retired Subordinate Judge, Moradabad.

Rochfort Davies, Esq., Nasik.

Khan Bahadur Munshi Syed Abdul Fatta, Nasik.

Habibur Rahman Khan, Rais of Bhikampur.

M. Nasir Ali, Bhopal.

Shamsul Ulama Maulvi Zaka Ullah, Delhi.

Maulvi Nazir Ahmad, Delhi.

M. Mumtaz Ali, Rais of Deoband.

Mr. Abdullah Jan, Saharanpur.

Haji Mahomed Yusuf Khan, Rais of Dataoli.

11. The following resolution was proposed by Mr. Shah Din and seconded by Mr. Mahomed Shafi, and carried unanimously :—

That this Association is of opinion that the system of competitive examination in force in the Punjab for appointment to the posts of Munsiff and Extra Assistant Commissioner is very prejudicial to the interests of Mahomedans, and is not advantageous to the interests of the Government administration. That inasmuch as in the year 1886-87 the proportion of Mahomedan students reading in colleges in the Punjab was only 17·2 per cent, and in the year 1891-92 only 18·2 per cent, the natural result of the system is that Mahomedans have no reasonable probability of obtaining more than one fifth of the posts offered to competition. Further, that as in spite of considerable efforts made by Mahomedans the rate in progress in higher education

7. The Secretary informed the meeting that he had corresponded with the various Local Governments to ascertain and obtain copies of the enactments and rules relating to elections for Legislative Councils, Municipalities, and District Boards and had been favoured with replies containing the required information from several of the Local Governments.

8. The following resolutions were proposed by the Hon'ble Haji Ismail Khan, seconded by Mr. Niaz Mahomed Khan of Jalandhar, and carried :—

I.—That the Secretary, in consultation with Mr. Syed Mahmud, prepare a draft scheme to secure the adequate representation and protection of Mahomedans in Upper India on—

(*a.*) Legislative Council.
(*b.*) Municipalities.
(*c.*) District Boards.
(*d.*) Local Boards.

II. That the said draft scheme be circulated among the members of the Council, and after receiving their replies, that the Secretary in consultation with Mr. Syed Mahmud draw up a draft memorial' to the Government.

III.—That the draft memorial mentioned in (II) be circulated among the members of the Council, and, if they agree with it, that, after receiving from them signed copies of the memorial, it be forwarded to the Government ; but that, if they differ in opinion on any important point, it be referred to the next Annual Meeting of the Association.

IV.—That the words "Upper India" used in (I) shall refer only to the Punjab, the North-Western Provinces, and Oudh.

The meeting was then adjourned till December 30th.

Proceedings of Adjourned Meeting.

9. It was proposed by the Hon'ble Ismail Khan and seconded by Mr. Shah Din that Mr. Theodore Morison be elected

4. It was further ruled that the words "in statu pupillari" in Rule 4 applied only to students reading in Indian Colleges and schools who have not obtained the Bachelors' degree of an Indian University.

5. The Secretary drew the attention of the meeting to a telegram about the Association which had appeared in the *Times*.

6. The following motion was proposed by Sir Syed Ahmed, seconded by Nawab Mohsinul Mulk Mahdi Ali, and carried unanimously :—

That this Association, on behalf of the Muhomedans of Upper India, expresses its sense of appreciation and gratitude for the wise, beneficent and statesman-like policy evinced in the Despatch of the Right Honourable Henry H. Fowler, Secretary of State for India, dated 19th April 1894, disallowing simultaneous examinations in India and in England for the Indian Civil Service.

The Association is of opinion that the holding of simultaneous examinations for the Indian Civil Service would prove most prejudicial to the stability of the British Government, by unduly reducing the number of English administrators, and lowering the efficiency and character of its administration, upon the maintenance of which the security of life and property, and the moral and material well-being of India, depend.

Further, that in view of the extreme disparity in the matter of English education existing among the various heterogeneous races and communities, a great act of impolicy and injustice would be effected by the proposed scheme in the practically total exclusion from the administration of large and important sections of the population, and especially the Mahomedans, the Rajputs, the Sikhs and other martial races, among whom Western education has hitherto made but little progress.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 2.	FEBRUARY 1, 1895.	No. 2.

THE MAHOMEDAN ANGLO-ORIENTAL DEFENCE ASSOCIATION.

A meeting of the Council of the above Association was held in Aligarh on December 27th. The proceedings were as follows :—

1. Mr. Mahomed Shafi, barrister-at-law and Honorary Secretary of the Anjuman Islamia at Hoshiarpur, was proposed by Mr. Syed Mahmud as a member of the Council. The proposal was seconded by Nawab Mohsinul Mulk, and carried. Mr. Shafi was provisionally elected, subject to rule 7 of the Association.

2. The Secretary stated that he had received the names of the following gentlemen who wished to become members of the Association :—

Nawab Yasin Mahomed Khan of Bhopal.
Haji Riaz Uddin Ahmad of Bhopal.
Mr. Amir Khan, Pleader, Nagpur.
Maulvi Abdul Hadi, Pleader, Meerutt.
Syed Mahomed Akbar, Hyderabad, Deccan.

3. It was ruled that the words "paid Government servant" in Rule 4 applied only to servants of the British Government.

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine contains information with regard to the M. A.-O. College in all departments. It will thus form a history of the College both in its external relations and its internal life.

The Magazine contains also the latest news with regard to the Muhammadan Educational Conference, and especially the Educational Census, accounts of the progress of this work being inserted monthly in the paper. It likewise gives the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India Persons connected with such schools are invited to supply the Editor of the Magazine with information about them.

The Magazine is therefore a journal containing much valuable information with regard to the progress of the educational and national movement among the Musalmans of India.

As the number of subscribers increases the Magazine will be enlarged. All supporters of the Magazine are therefore invited to assist in increasing the number of subscribers.

The annual subscription is Rs 3 only, and is payable strictly in advance. Those who wish to subscribe should either send us the subscription or allow us to send the first number by v-p.p. for Rs 3, or Rs. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements of all sorts at the moderate rate of 1 anna per line or Rs. 2 per page.

NIAZ MUHAMMAD KHAN.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

محمڈن اینگلو اوریئنٹل کالج میگزین

New Series VOL. 2.	FEBRUARY 1, 1895.	No. 2.

CONTENTS: Page.

Printed at the Institute Press, Aligarh.
For Siddon's Union Club.

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتاز الدین کے اہتمام سے چھپا

The second too asked liberty.

To prove his innocence.

VIII.

" I was found guilty through mistake".

" I too" the third went on

" Would ask your pardon for God's sake

For crime I ne'er have done".

IX.

The fourth man vowed he'd done no wrong

The clerk bore him a grudge.

He cursed in language fierce and strong

The " cruel, partial" judge.

X.

The fifth poor wretch the monarch eyed

" And you, how came you here. ? "

Alas Huzoor the the prisoner sighed

And shed a mournful tear

XI.

" I dare not ask your pardon, sir

In t uth I stole a purse

And for that crime was I sent here

Upon my head the curse ! "

XII.

" You are not fit," the king replied

" With honest men to be

Men are innocent beside,

So leave them, you are free

XIII.

" Release him, jailor, for this time

That towards his home he hies ;

He has not added to his crime

The sin of telling lies."

M. A. HAQQANI.

I.

A king there was sedate and wise
Who reigned at Jubbulpore
He loved the truth and hated lies
Like many kings of yore.

II.

He loved his subjects as he would
Have loved his only son ;
He spared no pains to do them good,
Unjust he was to none,

III.

He went into the jail one day,
And in the prison-yard
He saw prisoners on their way,
Well chained and under guard

IV.

He made them halt and prostrate fall,
And answer readily
What were the crimes that cost them all
Their life-long liberty

V.

" I " said the first " am not a thief.
Nor yet a burglar I
The witness 'gainst me to be thief.
In court did tell a lie

VI.

" In him the magistrate believed
d soon convicted me
Yet on my word, he was deceived
A foolish judge was he

VII.

Will you my lord, now set me free
Of your benevolence ?"

past students, presided over by Professors of the college. Evening entertainments with recitations and other amusements, are frequently given, in which the ladies and gentlemen of the station of Aligarh take a prominent part along with the students. The cultivation of friendly sentiments between English and natives is actively fostered by the college. The Mahomedans of India should find encouragement in the task of working out their own social and intellectual regeneration in the success of the institution which we are describing, for it is a conspicuous example of the efficacy of self-help. It is true that it receives a grant of Rs 1,300 a month from the Government of the North-West Provinces, and Rs. 2,000 a month from the Government of the Nizam. But the bulk of its funds have been collected by subscriptions from native gentlemen, mainly Mahomedans of course though some Hindoo chiefs and land-owners have been conspicuously liberal The college is governed by an exclusively native body of trustees, and has so far been a very successful and encouraging example of the capacity of private individuals to work for a common object, as well as of the capacity of English professors and educational administrators to co-operate with educated Indian gentlemen. There is no need to put in the back-ground the political tendencies and results of the work. Its aims are essentially constructive, and as much out of harmony with the destructive doctrines that are preached now-a-days as, for example, Sir Syed Ahmed is out of harmony with the National Congress. The promoters of the college have adopted as an article of faith the belief that the Government of the Queen-Empress is a blessing for India, and that, in the interests of the Indian people, its authority and strength should be unimpaired. Hence the college has aimed at fostering a feeling of loyalty to the Crown and at strengthening the bond between the English race and rulers and the people of the land.

THE TIMES OF INDIA ON THE M. A.-O. COLLEGE.

"The model which the founders and directors of the institution have set before themselves is not that of the ordinary Indian college, but rather that of a college at Cambridge or Oxford. The students reside in separate rooms in a large quadrangle, and the bungalows and gardens of the Professors are within the college compound. The disciplinary advantages of this arrangement, which are wanting in most colleges in India, are obvious. The students rub off each other's angles, so to speak, and to a certain extent educate one another, and steadiness of character and *savoir faire* are not the least amongst the results attained. The proximity of the bungalows, of the unity of Principal and Pprofessors brings the latter into contact with the students out of college hours, and encourages the corporate students and professors which is one of the most powerful aids to education in the best sense of the word. More stress is laid upon moral, physical, and social education at Aligarh than in colleges whose chief aim is to prepare for the University examinations. Not the least of the distinctions of which the college can boast is that its cricket club is the best native team in Upper India, and is able to play the best English elevens in the North-West Provinces on terms of equality. The football eleven plays every English battery and regiment that passes through Aligarh, and is about equal to that of an ordinary regiment, being inferior to the best regimental teams and superior to the battery teams. The college contains also a riding school and tennis club, and the Government of India has placed at the disposal of the college the services of a drill and gymnastic instructor from the Indian Army. The students have a debating society on the model of the Cambridge Union, presided over by the Principal, a literary society, an Arabic debating society, and two patriotic societies for collecting money for the college and keeping up the connection between present and

Meeting of the Council in such place or on such date as the members may direct.

11. In the event of the Council issuing any memorial or manifesto, a copy of the proposed memorial or manifesto shall be previously circulated to all members of the Council, who may record their opinions on the same. The decisions of the Council shall be by the majority of the votes received.

12. The Officers of the Association shall be chosen by the Council.

13. Copies of memorials, manifestoes, and other publications of the Association shall be sent to all members of the Association.

14. Donations will be accepted from members and others anxious to help the work of the Association

15. No change shall be made in these Rules except by a two-thirds majority of the Council, the votes being given in person or writing.

16. Consistently with the above Rules the Council may make Bye-laws to carry out the purpose of the Association.

NOTICE TO CORRESPONDENTS.

Correspondents are requested to make their letters short, as the amount of space available for correspondence in the Magazine is very limited. As a rule letters should be limited to a printed page. Correspondents are requested to condense their matter as much as possible, and to use no superfluous words or sentences, the art of condensation being one of the most important elements in a good literary style. It has been decided not to continue the controversy on the present condition of the M. A.-O. College boarders. Correspondents who have furnished us with letters on the subject are thanked for the trouble they have taken and the interest they have shown in the matter, which has now, we think, been adequately discussed.

security of the Empire : to strive to preserve peace in India ; and to encourage sentiments of loyalty in the population.

3. Subject to Rule 4, all persons sympathising with the objects of the Association may become members on payment of an annual subscription of Rs. 3.

4. No person who is a paid Government servant, or who is *in statu pupillari*, shall be admitted to membership of the Association.

5. The policy of the Association shall be directed by a Council, which shall have entire charge of its business.

6. The Council shall consist to begin with, of the following gentlemen —

Khan Bahadur Barkat Ali Khan.
Khwaja Yusuf Shah
Niaz Mahomed Khan
M. Shahdin, Barrister-at-law
Abdur Rahman Khan, Barrister-at-Law
Abdul Hakim Khan, Barrister-at-Law
Sir Syed Ahmed Khan, Bahadur.
The Hon'ble Ismail Khan.
Nawab Mohsin-ul-Mulk.
Theodore Beck
Mr. Syed Mahmud,
Mohomed Mir.

7. Other members of the Association may be added to the Council by the members of the Council, one contrary vote in ten to prevent the election of any person. When the name of a person is proposed for election to the Council his name shall be sent by post to every member of the Council, and the decision shall be according to the votes received in writing

8. If the number of the persons in the Council should exceed 24, not more than three persons shall be elected to the Council in one year.

9. Members of the Council shall pay an annual subscription of Rs. 5.

10. Meetings of the Council shall be called from time to time by the Honorary Secretary of the Association in such places as he shall consider most convenient : Provided that the Honorary Secretary shall, at the request of not less than half the members of the Council for the time being, call a

After the meeting held in December 1893, in Aligarh, in which it was decided that it was desirable to found the Association a set of rules was prepared by the Committee appointed for that purpose. From those rules, a copy of which is appended below, it will be seen that persons sympathising with the objects of the Association may become members on payment of an annual subscription of Rs. 3. Gentlemen wishing to join the Association should send their names to the Acting Secretary of the Association, Mr. Theodore Beck, Aligarh.

The following gentlemen have already joined the Association :—

1. Nawab Yasin Muhammad Khan Sahib of Bhopal.
2. Haji Riazud-din Ahmed Sahib, Bhopal.
3. Md. Amir Khan Sahib, High Court Pleader, Nagpur

RULES
OF
THE MAHOMEDAN ANGLO-ORIENTAL DEFENCE ASSOCIATION OF UPPER INDIA

(**)

1. This Association shall be called the Mahomedan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

2. Its objects shall be—

(1.) To protect the political interests of Mahomedans by representing their views before the English people and the Indian Government.

(2.) To discourage popular political agitation among Mahomedans.

(3.) To lend support to measures calculated to increase the stability of the British Government and the

SIDDIQI SHAIKHS.

A proposal has been started by Mr. Abdul Ghafur to create a Society for the purpose of encouraging English education among Shaikhs of the Siddiqi clan. A Central Committee will be formed and subordinate committees in every town and village containing colonies of Siddiqis. It is proposed to take a complete census of Siddiqis, showing the number in every place, the number of boys who read English, the number of those who do not, both of those whose fathers can afford and of those whose fathers cannot afford to educate their sons, and the names of all wealthy Siddiqis. It is further proposed to raise subscriptions and in particular to divest some of the money now spent uselessly in marriage and death ceremonies to the educational fund. The money so raised will be devoted to educating Siddiqi boys. Any old Siddiqi students of the College and any other gentlemen of the clan who are willing to take part, in the census and in the work of organising a powerful educational machine for raising the worldly status of the descendants of the Caliph Abu Bakr are invited to send their names to the Principal of the M. A.-O. College.

THE MUHAMMADAN ANGLO-ORIENTAL DEFENCE ASSOCIATION.

A meeting of the Council of the Association was held at Aligarh on December 27th at which the following subjects were discussed :—

The representation of Muhammadans in Municipalities.

The representation of Muhammadans in Legislative Councils.

Affiliation of the M. A.-O. Defence Association to the proposed Indian Imperial Committee of London.

Vote of thanks to the Secretary of State for India on account of his Despatch on the question of Simultaneous Examinations for the Civil Service.

people of the place I held many meetings which ended in the desired success. The result of all these efforts was that a Managing Committee to conduct the business of the school was formed with Mr. Beck as Visitor and Mr. Morison as President. A monthly subscription amounting to Rs 16-8 was promised and the subscription of six months was raised and deposited as a donation.

The President of the Managing Committee reached Merehrah by drive on the 24th of November to open the school. He called the meeting of the Managing Committee on the morning of the 25th, to draw up rules for the guidance of the Committee.

On the same day at 6-30 P. M the ceremony of opening the school was held under a canopy which was erected especially for the occasion. Mr. Coble, the acting Collector and Magistrate of Etah, and the patron of the school, was in the chair. The Secretary's speech on behalf of the Managing Committee opened the proceedings. There were three other speeches in addition to a poem of great interest, Mr. Morison's address and some remarks of the Chairman The address of Mr. Morison will be published *verbatim* in the next issue of the Magazine.

At the close of it an evening party was given to the President of the Committee by the young Mahomedan Association. It was concluded with speeches and was the first instance of the kind in the town.

In this matter we acted on the sound advice of our Principal " not to exhaust our energies in trying to melt the prejudiced hearts of old men, but to appeal to the enthusiasm and enterprise of the younger generation."

ZIA UDDIN,

M. A.-O College,

Aligarh.

on the fact that a resolution for a census moved by our Principal and welcomed by the Members of the Conference as a first practical step, was not sufficiently acted upon.

But if we take into consideration the wideness of the sphere of action, we shall at once recognise that it is not a task to be completed in a year or two, but requires the constant and devoted labour of decades. As a general maxim, the progress of every work is slow at the beginning and increases as the time advances. Hence we should not form any definite opinion from the work done in the first year as regards the success of the scheme, and we should always wait patiently for results, which must take time

My present function is not to reckon up the work of the present year, and then compare it with that of the past one; but I should confine my attention to a description of a definite achievement of this year *i.e.* the opening of an English School at Merehrah.

Before describing the actual ceremony, I must briefly mention the reasons which led to the opinion that an English school should be opened at Merehrah (Etah District). I took the census of Merehrah in January 1894, and found there nearly fifty children of very high birth immersed in the depths of ignorance, and this in most cases due to the negligence of the parents. Many of them could have easily afforded the expenses of the education in the town itself, but not away from it. I represented these facts at the meeting of the Brotherhood which had undertaken the census under Mr. Morison's auspices, during the absence of the Principal. Mr. Morison kindly decided to undertake the work of opening a school at Merehrah.

I went to Merehrah and made the arrangement for the opening of the school. In order to arouse the spirit of the

MAHOMEDAN EDUCATIONAL CENSUS.

During the past year students of the M. A.-O. College have taken the census in the following places :—

Bhopal. The censes of Bhopal has been taken very thoroughly by Shaukat Ali. He has given the names and addresses of 155 persons who can afford to educate their sons and do not educate them. A great deal of absurd prejudice exists in Bhopal against English education.

Saugor. The census was taken by Syed Mahomed, who has supplied 20 names.

Bhera. The census was taken by Sultan Mahomed Khan who supplied 26 names.

Pinddadan Khan. The census was taken by Mahomed Said who supplied 30 names.

Partabgarh. The census was taken by Abdul Majid who supplied 10 names.

The census of *Aligarh* was retaken by Syed Abdul Basit, B. A., with the following result :—

But of 63 names in the census of 1893, 11 are reputed as too poor to educate their sons ; 6 are absent from Aligarh ; 2 sons of others are employed ; and one is reported as unfit for education. 7 new names have been added. We have thus a total of 63+7 *i. e.* 70-20 *i. e.* 50. but of these 50 parents 21 had already sent their sons to school before the Census Inspector visited them this year, and of the remainder 23 promise to do so during the coming year. 6 alone remain obdurate.

THE OPENING OF THE ENGLISH SCHOOL AT MEREHRAH.

The time has now arrived to refute the charge that the Educational Conference does no practical work. As far as I remember, the Secretary of the Conference dwelt emphatically

RECEPTION COMMITTEE.

FOR

THE MOHAMEDAN EDUCATIONAL CONFERENCE.

1.	Qamar Ali, B. A.,	... Vice-President of Union.
2.	Md. Shakur Bakhsh Kadri,	Secretary of Union.
3.	Syed Ahmed Ali, B. A.,	.. Treasurer and late Vice-President of Union.
4.	Syed Zainud-din, B. A	... Late Vice-President of Union and late Captain of Football.
5.	Shaukat Ali, B. A.,	... Late Secretary of Union and Captain of Cricket,
6.	Zafar Ali (Saharanpuri)	... Late Secretary of Union.
7.	Ziaud-din Ahmed	Select Committee of Union.
8.	Hafiz Wilayatullah	
9.	Shaikh Abdullah	
10.	Salamul Haq	
11.	Ibrahim Hasan	
12.	Aminud-din Haidar	
13.	Sarfaraz Khan	... Captain of Drill.
14.	Mohomed Abdullah	... Lieutenant of Drill and Vice-Captain of Cricket.
15.	Zafar Ali Khan	... Lieutenant of Drill and representative of Duty.
16.	Azmatullah	... Lieutenant of Drill.
17.	Niaz Mohamed Khan	... Treasurer of the College Magazine and representative of the monitors.

MOHAMED SHAKUR BAKHSH KADRI,

(Secretary of the Reception Committee.)

بھی اس کو پڑھکر بہرہ ور ہوں اور دوسرا سبق جناب ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر نے دیا – ہم افسوس کرتے ہیں کہ سر سید کے لکچر کو اپنے میگزین میں نہ چھاپ سکے کیونکہ وہ لکچر تہذیب الاخلاق میں چھپا ہی اور جن صاحبان کو پورا لکچر پڑھنے کا شوق ہو وہ تہذیب الاخلاق کے پرچے کو منگواکر پڑھ لیں – یہہ لکچر ہرایک طالبعلم بلکہ ہرایک ہندوستان کے مسلمان کو پڑھنا چاہئیے – ایم اے او کالج کے طلباء پر اس کا بہت ہی عجیب اثر ہوا – اِس لکچر میں زیادہ تر زور ملکر رہنے اور یکجا بہم ہونے کے مقاصد پر دیا گیا ہی – اِتفاق کی خوبیاں اور اُس سے عظیم الشان فوائد نہایت ہی عمدگی سے بیان کیئے گئے ہیں – اور خاص کر اِس کالج میں مختلف صوبجات اور ممالک کے طلباء کا جمع ہونا اور سالہاسال تک مل کر رہنا اور آپسمیں برادرانہ برتاؤ کرنا اُن کے اور نیز تمام قوم کے حق میں از حد مفید ہی — اِس بورڈنگ کی اصل غرض ہی یہی ہی کہ تمام مسلمانوں میں اتحاد اور یک جہتی کی روح ڈالی جائے – یہہ کالج اور اِس کا بورڈنگ ہوس آیندہ ایک بڑی قومی عمارت کا بنیادی پتھر ہی اور قومی ترقی اور فلاحت کا بہت سا مدار اِسی بنیادی پتھر کی درستی پر منحصر ہی – اِس بنیادی پتھر میں کالج کے اینٹ اور پتھر شامل نہیں بلکہ اُس سے مراد صرف اِس کالج کے طالب علم ہیں – لہذا قومی ترقی اور اتفاق کا زیادہ تر دار و مدار اس کالج کے طلباء کے عمدہ خصال اور اعلیٰ لیاقت کے حاصل کرنے اور اپنی زندگی کو نیک پاک اور پسندیدہ بنانے پر ہی – اِس کالج کے طلباء کے یہہ فرائض ہیں کہ وہ آپس میں ہمدردی اور اِتفاق پیدا کریں – اپنے مذہب اور قوم کے حامی کی اعانت کی کوشش کریں – اپنے بزرگوں کے نام کو زندہ اور روشن کریں – حلم اور بردباری سیکھیں — راست بازی اور آشتی کو اپنا شعار بنائیں اور سب سے بڑھکر یہہ بات ہی کہ نہایت قیمتی اور عزیز وقت کی قدر کریں کیونکہ اِنسان کی زندگی کی کامیابی کے لیئے وقت کی قدر ایسی ہی ضروری ہی جیسے کسی حیوان کو ذی حیات بنانے کے لیئے روح ضروری ہی ٭

gratitude are certainly not less real. Common memories, mutual gratitude, devotion to one Sovereign—such are the feelings that cement a union that common interests render indispensable. To suppose the peoples of India to be susceptible only of sordid motives would be as gross an error as to ignore the loftier impulses of the Englishman. The peoples of India are warm-hearted, emotional, devoted to those they love. A feeling of intense loyalty to the Queen and Royal Family is one of their strongest political sentiments. Thus while the patriotic Englishman should feel his affections for the people of India quickened by the thought that to his beloved country has fallen the duty and the honour of bringing peace and civilization to a great section of the human race, so the Hindu or Mahomedan who loves his people should, through that very love, be drawn closer in sympathy to the race which has done and is doing, so much for their progress. And as under the Roman Empire the proudest boast of her citizens was *Civis Romanus Sum*, so, born with proud inheritence of British citizenship, the native of India may feel a just pride in the splendid Empire which his arms help to maintain.

THEODORE BECK,

Principal, M. A.-O. College, Aligarh.

کالج لائیف پر سر سید کا لکچر

بہت مدت سے یہہ تجویز ہو رہی تھی کہ ایم اے او کالج کے طلباء کو علاوہ درسی تعلیم کے کسی قسم کی اور تعلیم بھی دلانی ضروری ہی — اس تعلیم کا سلسلہ اب با قاعدہ طور پر شروع ہوگیا ہی - اس تعلیم کا پہلا سبق جناب مسٹر بیک پرنسپل ایم اے او کالج نے دیا - اس سبق کا کچھہ حصہ ہم نے اس دفعہ کے میگزین میں درج کیا ہی تاکہ ناظرین

To conclude, I have given a slight and very imperfect sketch of the reasons why the interets of the natives of India in general and of the Mahomedans in particular demand that feelings of brotherhood and friendship, and not jealousy and hatred, should exist between them and the English Government and Anglo-Indian community. But there is something distasteful in resting sentiment solely on the cold calculations of interest. Such considerations appeal only to one side, and to the least honourable of human nature. They alone would fail to explain the historical growth and development of the Indian Empire. The love of gain which brought the English trader first to India gave place under Warren Hastings and his successors to the disinterested desire for the welfare of the people. This sentiment led the Indian Government to take as its motto "Heaven's light our guide" ; it is to be traced in the works and actions of thousands of Englishmen who have spent their lives in India. And why should the English love the people of India ? Why should they feel towards them a sympathy they have not, say, for Germans, who are far more akin to them in race, religion and culture ? Because we are fellow-citizens, we are loyal to one Queen who loves alike her English and Indian subjects, we belong to one State, to one glorious Empire. We have fought side by side in Asia and Africa against common foes. Selfish or purely national considerations will no more explain the loyalty and devotion of the Indian troops, than they will the benevolence of the Anglo-Indian. Out the Cashmere gate at Delhi you will see the names of a group of Indian as well as English heroes who carried the bags of gunpowder to perish themselves in the explosion. We English owe gratitude to our Indian troops, without whom we could never have created our Indian Empire, and your reasons of

established between the English and Indian peoples, and that the policy of the National Congress party was opposed to such a union. In particular he pointed out the advantages that could arise from the establishment of cordial relations between Englishmen and Mahomedans, and how a great deal had been done to establish this satisfactory state of things. In conclusion he spoke as follows :—

While protecting their interests Mahomedans should, however, carefully abstain from agressiveness against their Hindu citizens. In particular they should not sacrifice cows in such a way as needlessly to hurt their sentiments, nor seek to kill them in places where custom has not sanctioned it. And they should co-operate politically with such Hindus as are loyal and share imperial sentiments, a category including the best families and finest castes. But they cannot unite with those short-sighted people who pursue a seditious policy. It is to be hoped that even they will in time see that there is a point beyond which the British Government will never yield to them. The admirable despatch of the Secretary of State for India on the scheme of simultaneous examinations shows that the Government has no intention whatever of relaxing its control of affairs, and that English justice will not allow class trample on class. Moreover, English common sense will not regard disloyalty as a qualification for office. If disloyalty may appear to win some trifling concessions it must in the end lead to total failure. And among the races of India those which are loyal, and those which are disloyal, will as surely reap the reward of their acts as did those loyal men who, fighting for the Government int the Mutiny were loaded with honour and wealth, and those who fighting against it lost their estates, their pensions, or their lives.

and attacking each of these two contrary opinions, he described how man is a twofold creature, and that there are his material requirements which must be attended to, and there is his spiritual and highly intellectual nature, which must be satisfied, but which requires something much more elevated than material utilities. For the latter purpose knowledge must be pursued for its own sake; while for the necessary business of life knowledge like every other thing must aspire to some tangible results.

Then the brother enumerated the subjects he wanted to discuss in the third part of the essay.

Nawab Mohsin-ul-Mulk Bahadur Moulvi Mahdi Ali, highly commended the paper and praised the good work of the Society

---

COLLEGE LECTURES.

---

(1) Lecture by Mr. Beck.

A series of general lectures on subjects not connected with the University courses has been instituted. The first was given by Mr. Beck on "The feelings that should exist between the Anglo-Indian and native communities." This was written as an address to the Mahomedan students reading in England and was delivered by Mr. Beck to an audience of Mahomedan gentlemen in London. It has since been published in the November number of the National Review, and a translation into Urdu will be subsequently published. The lecturer dealt with the present political condition of India and in particular with the political needs of the Mahomedan community. His object was to show that the welfare of India demanded that a cordial and brotherly relation ought to be

St. Paul, and showed the radical and moral defects that are embodied in Paul's conception of human guilt, error. He said modern Christianity should more properly be styled Paulism,

On Sunday 17th December, there was another meeting of the Ikhwan-us-Safa. Brother Ghulam-us-Saqlain read the second part of his Urdu essay, entitled, "طالب علم کی زندگی کا کیا مقصد ہونا چاہیئے" (What should be the aim of a student's life.) The first part was read in June 1893. He first of all gave a definition of an ideal student, then explained in detail what we generally considered the obstructions in the path of a seeker after knowledge, *i. e.* a man who wishes to elevate his mind, and to ennoble himself by assimilating with himself whatever goodness or truth he can attain to. He said the first and the most important aim of a student's life should be to free himself, as far as lies in his power to do so, from the iron grasp of prejudices." He described in detail how '*knowledge*' really means merely a struggle between enlightenment and prejudice. Then he gave other aims of student's life.

(i.) to be always looking towards the high and the sublime and never to stoop to the low and the trifling, and yet at the same time not despise the petty works and the hard practical business of this life.

(ii.) To regard every honest occupation as honourable and not to think himself above doing any work which he can serve himself and his dependents.

(iii.) To spread the blessings of knowledge and culture amongst the poor and ignorant masses. Then he entered fully into the important subject whether knowledge should be pursued for its own sake or for material advantages and for other utilities. After defending

THE IKHWAN-US-SAFA.

On Sunday 2nd December there was a meeting of the Society in which Brother Abdul Haq read a paper in Urdu on the "Life of St. Paul". This was the summary of a fuller account of that remarkable religious leader, which he had written. The paper gave an account of the Jewish society at the time when Jesus was born and set forth in epigrammatic language the doctrines and teachings of the founder of Christianity. Then he gave an account of Paul's (or Saul as he was then called) early opposition to Christianity, his persecutions of the converts, then of his mental struggles, and at last of his conversion. Then the paper described how Paul was persecuted and harrassed everywhere, how he was distrusted by the Jewish Christians and how at last, notwithstanding the opposition of Jews and Romans, and of many Conservative Christians, he preached the new faith amongst the peoples of Europe, *i. e.* he sought to convert the non-Israelite nations. At the end he gave the doubtful account of St. Paul's martyrdom at Rome. The writer was of opinion that those writers of history, amongst whom is Moulvi Syed Amir Ali, who represent the teachings of Paul as different from that of Christ, are wrong.

Brother Ghulam-us-Saqlain, B. A., spoke at length on the subject and highly praised the paper. He said that Europe owes its religious conceptions largely to St. Paul and that the latter's teachings are important in history, as they for centuries prevailed throughout Europe. Paul is moreover the only Apostle who thought of extending the faith beyond Judea, and who succeeded in his noble exertions. But the speaker contrasted the ethical teachings of Christ and his moral grandeur, with the dogmatic and narrow spirit of

first rush were not at all well met by the College backs, who moved among them as if taken by surprise, and so their opponents could easily get the ball past them. Mr. Morision, however, taking possession of the ball after a place rule from the College goa's, drove it along the right wing towards the opposing goals, and so completely turned the chances of the game, for the ball remained in our opponents' quarters for nearly a quarter an hour, during which a "corner" fell to the College, but nothing resulted from it. Nearly 5 minutes before the first half time, the visitors again made a determined rush, but this time, the College backs proved a match for them.

Half time was called without any gain on either side.

The ball being started again in the second half time, an even play betwen the forwards ensued for a time, after which the College again acted on the aggressive, and Mr. Morison finished up a remarkably fine run by sending the ball between the posts, thus scoring a goal for the College. Both the teams played up vigorously, and the game became very exciting during the last part of the time, in which the College again failed to turn a couple of "Corners" to account. The call of time found the M. A.-O. College victorious against the Rifle Brigade team by one goal to nothing.

The whole XI played very well in this match. They charged the soldeirs with a fearlessness they have not shown before and often kept their goal-keeper busy. It was chiefly owing to the excellent goal keeping against them that more goals were not secured. Abdullah and Shahabuddin were among the best as they never hesitated ; Kaim Hussein kicked neatly and Muzaffar Hussein played well for a beginner.

MAULOOD IN THE COLLEGE.

The festival of Maulood which is annually celebrated in the College took place on the 26th of November last. This year the gathering was held in the "Strachey Hall." About one thousand people were present. Every thing was well arranged and carried out most regularly. A programme of reciters, being drawn up by Moulvi Shibli Sahib Nomani and Moulvi Abdullah Sahib Ansari, was handed over to Aftab Ahmed Khan Esquire, who acted as a Chairman and made a very good President.

Maulana Moulvi Shibli Sahib delivered a very interesting and edifying discourse on the life of our Blessed Prophet. In this discourse he described and outlined the necessity of the Prophet's coming into the world, his great mission as the messenger of God and the enormous benefit accruing to the world from his teaching. Syed Ali, a very small boy from Patiala, recited a few verses, in the praise of the Holy Prophet, in a very sweet and melodious tone. Hafiz Walayatul-lah and Mohomed Ghous Khan recited a very interesting poem. Afther which the meeting dissolved. Sir Syed Ahmed Khan Bahadur and Mr. Mahmud Esquire, were present and a few ladies and gentlemen also gave us the honour of their company.

M. A.-O. COLLEGE v. A RIFLE BRIGADE TEAM.

(22nd November 1894.)

The military put a fairly good team in the field, and kicked off within a few minutes of 5 o'clock. After the start the rival forwards effected a skilful run to the College goals, but failed to score; Shaukat Ali in the goals being always prompt to repulse their attacks. The soldiers in their

and gentlemen of the station. Mr. Nelson, the Executive Engineer of the District, replied on behalf of the guests in a graceful little speech. He pointed out the value of social intercourse and the promoting of good feelings and friendship "between East and West."

Nawab Mohsinul-Mulk gave us a very lively and humorous speech, from which it could easily be inferred that the Ex-Minister of Hyderabad heartily approves of the teachings and life of M.A.-O. College. Thus closed a most pleasant party, on the success of which we heartily congratulate the officers and members of the Siddons Union Club.

RIDING SCHOOL.

We notice with much satisfaction that the Riding School is making a very steady progress. Five good useful horses and equipment have been bought from Bareilly, Mr. Morison himself going there and chose the casters. We are much indebted to him for his trouble and all the interest he has taken in starting and promoting the condition of the school. There are four squads of students, seven in each, attending the school, the extra horses required being most kindly lent us by Mr. Morison and Mr. Beck, who both take a keen interest in this new addition to our College life. The riding-master, Jamadar Dost Mohamed Khan, shows great interest in the progress of the school, and is very kind to, and patient, with us, his pupils.

Abbas Ali is another prominent figure in our Riding School and enters life and soul into it. He has been made "Captain" of the school and does all he can to help the Jamadar Sahib. He is of the greatest use to the school.

---

be awarded drill certificates at the end of a course of five or six months in which their attendance has been not less than 75 per cent. In the other College classes squads have been formed of those who are willing to drill. In the school three or four squads have been formed of drill volunteers. All these squads in school and College are commanded by lieutenants, all of whom are under the general Captain, Sarfaraz Khan. On Sunday at 8 o'clock a general parade of all the squads is held. The institution of drill has effected a marked improvement in the carriage and physique of the students. The following is a list of the Lieutenants, etc., of the drill :—

Captain : Sarfaraz Khan ; College Lieutenants Zafar Ali Khan, Mahomed Abdullah, Ashraf Khan, Azmat Ullah and Mahomed Zaman Khan (2nd Lieutenant of First Year.) School Lieutenants, : Abul Hasan and Mushtaq Hosain ; Instructors : Riaz-Uddin, Akhtar Zaman, and Ihsanul Haq.

ANNUAUL EVENING PARTY OF THE SIDDONS UNION CLUB.

The Siddons Union Club gave its Annual Evening Party on the 10th Ultimo. About twelve English ladies and gentlemen gave us the pleasure of their company on the occasion. About 100 students came to the party. Sir Syed Ahmed Khan Bahadur, Nawab Mohsinul-Mulk, Syed Mahmud, Esquire, the College Professors and the Head Master and the School-staff were present. Then after the company had partaken of the multitude of good things before them, Mr. Shakur Bakhsh, the Honorary Secretary of the Club, made courteous and kindly speech in which he fully expressed the feelings of appreciation, which the students of the M. A.-O. College generally and the members of the Club especially entertain towards the ladies

magazine is taken in by practically all the students. The subscription is very light. At least 100 copies ought to be taken in by the students now in the College. It should be a point of honour for those of you who can afford it to subscribe for the College Magazine, and not to be content with looking at the copies taken in by your friend. The more subscribers we can get the better we can make the paper. I hope that all of you who can afford it will take it in.

I have now much pleasure in requesting Nawab Mohsin-ul-Mulk to distribute the prizes.

MUNICIPAL GRANT TO THE COLLEGE.

We are glad to state that the grant to the College from the Aligarh Municipality has been raised this year from Rs. 50 to Rs. 100 a month.

Some years ago the College was in receipt of a grant of Rs. 160 a month from the Municipality. The Municipality had then the misfortune to get into debt, and the grant was in consequence reduced to Rs. 100 a month. Later on, the finances of the Municipality got into a still worse condition and the grant was stopped altogether. Now, however, thanks to the energy and ability of Mr. Harrison, the Collector, the income of the municipality has been increased by several thousand rupees per annum, and this not through extra taxation, but through careful administration. We have to thank Mr. Harrison for the renewal of the Municipal grant to the College. Last year Rs. 50 a month were given, and this year it has been raised at his suggestion to Rs. 100.

DRILL.

During the present term there has been a considerable advance in the organization of the drill. The First Year Class has been regularly drilled. Students who qualify themselves will

superior character of our present First Year Class is largely due to the fact that about 20 of our own school students are reading in that class. They at once set a standard which the intelligent new students rapidly adopt. Broadly speaking there are no good schools in India such as exist in England, and the creation of a large high class school is one of the chief duties we owe to the Mahomedan nation.

There is no feature in the past year's work which gives me so much pleasure to contemplate as the remarkable activity of the Duty. Our own students collected over Rs. 800 in the long vacation for the Duty, a sum far in excess of anything they have done before. This is a proof that our students are waking up to a patriotic sense of the duties they owe to their community. It also gives us a new hope for the future of our College.

After these compliments I have now to administer a rebuke. Last year I put the charge of collecting subscriptions for the prizes for the Athletic Sports in charge of the cricket committee. The task is very easy because most of the money is given by the staff and by a few of the Trustees. Yet it was done very badly, simply through want of energy. And the consequence is that the prizes are to-day much less than usual. All of you students who do not get such good prizes as you expected to get know now whom you have to thank for your disappointment. I trust that next year the work will be properly done.

Finally I wish to say a word about the College Magazine. This paper is now the property of the Union. Unless many more subscribers are obtained it will prove a ruinous bargain for the Club. The persons to whom we must look as the bulk of our supporters are the students of this College, whose doings are chronicled in the paper. In England a school

students themselves. I am glad to say that our students are by degrees showing themselves competent to do this class of work. For a long time the cricket club has been run almost entirely by the students. The football club is now in a similar condition. The Union has become almost independent of my assistance for its ordinary work. The system of monitors for helping to maintain order in the dining-room has been proved a success, and I have in particular to thank Shaukat Ali, B. A., Niaz Mahomed Khan, and Sarfaraz Khan for the work they have done in the past year. Prizes are for the first time to be given to-day to these monitors in recognition of their services. The most striking new development however of the system of getting administrative work done by the students has been in the drill. The whole of the school drill is conducted entirely by students. We have now, as it was, a Captain of the School and College, 5 Lieutenants, and two instructors. They drill the squads and take the attendance. These students save the College fund at least the salary of a school master, whose attendance would otherwise be necessary. And I now notify that Abbas Ali is appointed by Mr. Morison as Captain of the Riding School. I intend as far as possible to extend the monitor system to other departments. In the dining-hall the monitors will retire after one year's work, so as to make room for others. They will receive from the College a recognition of their services, if well performed. The system is at present in its infancy, but is capable I believe of great development.

Now the chief advantage of this system is to the monitors themselves. It trains them in habits of command, and it teaches them to do unpaid work for the public good.

I would here mention that the success of this system depends very largely on our having a large number of students in the school, in training for the College department. The

he is taught in the class; the labour of creating this organisation is much greater and more difficult; and the maintenance of it in a state of efficiency demands a continuous and heavy strain on the staff. It is this which gives this College its distinctive characteristic. This complex organisation makes our boarding-house of 300 students a single and living corporate body, as contrasted with a mere herd of human animals without any united life. This organisation is the means by which we are now able to give a better general education to a student than we could formerly do when members of the staff had more time to give to each student individually. For a high organisation cannot be made without large numbers to work on. For example without our present numbers there would be no hope of the riding-school being financially possible. Even now it is doubtful whether it will pay till our numbers have increased further. Again in cricket, football, and drill the unit with which we work is the class. Some time ago no class in the College, and till quite recently no B.A. class could provide cricket and football elevens. Shield matches would have been impossible. The great object of our general education is to call forth the activities of the students, to make them fit for responsibility, independent, manly, full of self-reliance. This is done not by talking to individual students, but by making them do things. And unless there are, for each particular thing that is to be done, enough students to work together to do it, an organisation for that purpose is impossible. Hence I lay down the following proposition:—That given proper organisation, the greater the number of students the better is the education given to each individually.

But as all this organisation requires an immense amount of work, and the funds of the College are limited, it could not be carried on were it not for the assistance given by the

ferior civil posts, viz. to be subordinate judges, deputy-collectors, munsifs, tahsildars, naib-tahsildars, police-officers, clerks, or to hold the thousands of other inferior posts. This statement shows either the most profound ignorance as to what Mahomedan graduates and others want, or absolute indifference or hostility to their welfare. This line of reasoning would justify the absolute exclusion of Mahomedans, Rajputs and Sikhs from all civil positions whatever, high and low. We are glad however to note that the Hon'ble gentleman admits that on the simultaneous examination question "they had indeed sustained a crushing defeat."

COLLEGE NEWS.

At the Prize Distribution of the College held on Dec 5th Mr. Beck spoke to the following effect :—

GENTLEMEN,

In comparing the present condition of the College with its condition five or six years ago two facts deserve attention. The first and most obvious is the great increase in the number of students. The second is the much greater complexity of the internal organisation of the institution. The teaching as you know takes up 5 hours of the time of a school-boy and 3 or 4 hours of a College Class student on working days. The balance of 10 or 12 hours of the day, after excluding time for sleep, and the whole of all the holidays, is absolutely unprovided for by the teaching department. In old days the students did what they liked in this time and were under no discipline or supervision. Now the students have drill, morning school, Kuran reading, prayers, meals under proper supervision, physical games, night-school, and various societies. The organisation of these 10 or 12 hours is more important in its influence on the character of the student than that of the five hours when

DEAR—

As we have found that it is impossible to depend upon members of the Brotherhood to send in their contributions regularly of their own accord, we have decided to send round quarterly to all the members to ask for their contributions. You will therefore receive a letter from us quarterly to remind you of your obligation. Please send your subscription for the— quarters of 1894 which are still outstanding.

The quarter-days on which you will hear from us are 1st January, 1st April, 1st July, 1st October.

Yours sincerely
THEODORE MORISON.

When remitting your donation kindly inform me whether the amount remitted represents your subscription for a month, a quarter or a year.

SIMULTANEOUS EXAMINATIONS.

The Hon'ble Babu Surendra Nath Banerji delivered a lecture on this subject on November 16th in Allahabad. In the course of this lecture he thus dealt with the objection of the Mahomedans and other martial races to the measure on the ground that it would exclude them from the Civil Service. "They had been told " he said" that the martial tribes would " object to the simultaneous examinations, but he was unable to " follow the Government of India in this matter. The ambi- " tion of the martial races was to obtain commissions in the " army, to be made Captains and Generals ; they did not want " to be Magistrates and Collectors." If the Hon'ble Babu Surendra Nath Banerji is unable to follow the Government of India in this matter we are unable to follow him. If the Mahomedans do not care for such posts as judgeships and collectorships, it follows that they are still more indifferent to the in-

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 2.	JANUARY 1, 1895.	No. 1.

DEAR—

ALIGARH,
N.-W. P.

I wish to know whether I may add your name to the lists of the M. A.-O. College Brotherhood.

The Brotherhood is a Society of which the objects are to keep up the ties of friendship formed at College and to place the M. A.-O. College in a sound financial situation by the creation of an endowment fund. Students who join the Brotherhood agree to pay one per cent. of their income to the Secretary of the Brotherhood who will, from time to time, hand over the sums to the Trustees of the M. A.-O. College to be added to the endowment fund.

If you agree to become a member you will receive quarterly a lectter from us asking for your contribution.

An annual dinner in the M. A.-O. College is celebrated during the Holi holidays at which old students meet their formerfriends. We hope that you will be able to attend the annual dinner during the Holi holidays of 1895.

Yours sincerely,
THEODORE MORISON.

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

A thoroughlyrepresentative of the general life in the M. A.-O. College, Aligarh, comes out on the first day of every month, and contains, besides College news, many articles interesting to the Musalmans of India.

It will insert advertisements of every kind at very low prices. Merchants and professional men can increase their trade at a very little cost.

The annual subscription of the Magazine will be Rs 3 only and shall be charged strictly in advance ; those who wish to subscribe to it should either send us the subscription or should allow us to send the 1st number by V. P. P. for Rs.3 or Re. 1-8 as. for the half an year.

The cost of [the advertisements will be 1 A. 6 P. per line or Rs 3 per page, for every month.

NIAZ MUHAMMAD KHAN.

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین

ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا ہے — اس میں مدرسۃ العلوم علیگڈھ کے حالات کا پورا بیان ہوتا ہے اور کالج کی خبروں کے علاوہ ہندوستان کے مسلمانوں کے مذاق کے مطابق بہت سے عمدہ عمدہ مضامین بھی اس میں چھپتے ہیں ۔

اس میں ہر قسم کے تجارتی اشتہارات بھی چھاپے جاتے ہیں اور بہت سستے چھپتے ہیں - سوداگر اور پیشہ ور اصحاب اپنی تجارت کو نہایت کم قیمت خرچنے پر بہت کچھ ترقی دے سکتے ہیں ۔

اس میگزین کی سالانہ قیمت ۳ روپیہ ہے — مگر یہہ قیمت ضروری طور پر پیشگی لی جاتی ہے - جو اصحاب اس کو خریدنا چاہیں یا تو وہ اس کے چندہ کا روپیہ پیشگی روانہ فرماویں یا ہمکو اجازت دیں کہ ہم اس کے پورے سال کے چندہ ۳ روپیہ کا ویلو پے ایبل بھیجدیں یا چھہ ماہ کے لیئے صرف ۱/۸ کا ۔

اشتہارات کی چھپائی ۱/۶ پائی فی سطر یا ۳ روپیہ فی صفحہ فی ماہ ہوگی ۔

نیاز محمد خاں

دہلی

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین

New Series VOL. 2.	JANUARY 1, 1895.	No. 1.

CONTENTS:

Printed at the Institute Press, Aligarh.
For Siddon's Union Club.

علیگڑھ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتاز الدین کے اہتمام سے چھپا